اتاترک



یکے از مطبوعاتِ علاقائی ثقافتی اِدارۂ مُعاہدۂ استنبول — نمبر ۱۳

اتاترک



اتاترک

مرتبہ : ٹرکش نیشنل کمیشن برائے یونیسکو

مترجم : ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی

علاقائی ثقافتی ادارہ (تہران)
مغربی پاکستان شاخ
۳۶-جی گلبرگ ، لاہور

طبع : اول
تاریخ اشاعت : مارچ ۱۹۶۹ع
تعداد : ایک ہزار
طابع : سید اظہارالحسن رضوی
مطبع : مطبع عالیہ ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ لاہور
ٹائپ : ۱۸ پوائنٹ نسخ

ناشر : اشفاق احمد
ڈائرکٹر علاقائی ثقافتی ادارہ (تہران)
مغربی پاکستان شاخ
گلبرگ — لاہور

تعارف

یونیسکو کے ترکی قومی کمیشن نے ترکیہ کے بطل عظیم مصطفیٰ کمال اتاترک کی پچیسویں برسی پر انگریزی زبان میں ایک کتاب شائع کی تھی - یہ کتاب در اصل اسلامی انسائیکلو پیڈیا شائع کردہ وزارت تعلیم حکومت ترکیہ ۱۹۴۶ع کے ایک مقالے کا ترجمہ تھی اور یہ مقالہ جدید ترکیہ کے بانی کے سوانخ حیات پر مشتمل ہے - اس کی تالیف میں اولوغ ایکدمیر انور ضیاء قرال ، صالح اوسور طاق ، انور سوکمن ، احسان صونغو ، فائق رشید اُونات اور حسن عالی یوجل شریک تھے -

چونکہ مقالے کا متن ۱۹۴۶ع میں طبع ہوا تھا لٰہذا اس میں جن جن اشخاص کا ذکر آیا ہے ، وہ انھی حیثیتوں سے آیا ہے جو انھیں اس وقت حاصل تھیں -

ترکی متن کا انگریزی ترجمہ ۱۹۶۳ع میں ڈاکٹر اینڈریو جے ، مینگو نے کیا تھا جو سکول آف اورینٹل لینگویجز لندن میں ترکی زبان کے پروفیسر تھے - انقرہ یونیورسٹی پریس نے ستمبر ۱۹۶۳ع میں اس کے چھ ہزار نسخے شائع کیے جنھیں قبول عام کے علاوہ اتاترک کے مستند حالات زندگی کی سند بھی عطا ہوئی -

آر سی ڈی کے ثقافتی ادارے کی مغربی پاکستان شاخ نے اپنے صدر دفتر تہران کے ایما سے اس کتاب کا اردو ترجمہ کروایا اور اب یہ ترجمہ کتابی صورت میں قارئین کے پیش نظر ہے - ڈاکٹر ناظر حسن زیدی

نے اس کتاب کا ترجمہ کچھ اس سلیقے سے کیا ہے کہ ترجمے پر اصل کا گمان گزرتا ہے اور اسے اپنی زبان میں پڑھتے وقت کہیں کوئی اُلجھن پیدا نہیں ہوتی -

جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد صابر نے مسودے پر نظر ثانی کر کے مترجم کو مفید مشورے دیے اور ترکی الفاظ کی صوت اور اس کے تلفظ کو اردو املا میں ڈھالنے میں ادارے کی مدد کی -

ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب پڑھے لکھے حلقوں میں بہ‌نظر استحسان دیکھی جائے گی اور ہمیں جدید ترکیہ کی جد و جہد کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے اور سمجھنے میں مدد دے گی -

اشفاق احمد

فہرست

باب ۱

مصطفیٰ کمال کا بچپن اور تعلیم

غازی مصطفیٰ کمال اتا ترک، جمہوریہ ترکیہ کے بانی اور پہلے صدر ۱۸۸۱ع میں بہ مقام سالونیکا پیدا ہوئے[۱] - اُن کا نام مصطفیٰ تھا - اُن کی والدہ زبیدہ خانم تھیں - باپ کا نام علی رضا آفندی تھا جو سالونیکا کے محکمۂ اوقاف و محصول میں کلرک تھے - نیز ۱۸۷۶ع میں ترکی فوج کے ”عساکر ملّیہ“ (سالونیکا سرحدی بٹالین) میں بحیثیت لفٹننٹ ملازم رہ چکے تھے - بعد ازاں انھوں نے سول ملازمت ترک کر کے چوب فروشی کا کاروبار اختیار کیا - مصطفیٰ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے تھے - اُن کی والدہ زبیدہ خانم نے اُن کی پرورش کی - انھوں نے ابتدائی تعلیم سالونیکا میں شمسی آفندی کے مدرسے میں پائی جو قصبے میں جدید تعلیم کا اولین نجی سکول تھا - مصطفیٰ اُن ایام کی داستان یوں سنایا کرتے تھے کہ :

”مجھے اپنی تعلیم کا قصہ سب باتوں سے زیادہ یاد ہے - اس معاملے میں میری والدہ اور والد کے درمیان سخت اختلاف ہوا - والدہ چاہتی تھیں کہ میں نماز کے بعد قریبی مکتب میں پڑھا کروں - والد جو اُن دنوں محکمۂ محصول میں کلرک تھے، چاہتے تھے کہ میں شمسی آفندی کے سکول میں داخل ہو کر جدید تعلیم پاؤں - بالآخر حکمت عملی سے والد ہی کی بات چلی - پہلے میں بسم اللہ کی رسم کے بعد مکتب ہی میں داخل ہوا -

---

۱- کے - اے - حمید نے اپنی تالیف اتاترک، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ع میں تاریخ ولادت ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ع درج کی ہے لیکن موصوف نے کوئی حوالہ نہیں دیا - (مترجم)

والدہ خوش ہوگئیں - لیکن چند روز بعد میں مکتب سے اٹھ گیا اور مجھے شمسی آفندی کے ادارے میں داخل کرا دیا گیا - کچھ ہی عرصے بعد والد کا انتقال ہوگیا - والدہ مجھے لے کر دیہات میں اپنے بھائی کے گھر آگئیں - میں ماموں صاحب کے دیہاتی مشاغل میں ہاتھ بٹانے لگا - اس سلسلے میں مجھے کھیتوں کی رکھوالی بھی کرنی پڑتی تھی -

"برسیم کے تازہ بوئے ہوئے کھیت کے وسط میں جھونپڑی کے اندر اپنی بہن مقبولہ (جو بعد ازاں مقبولہ اتا دان کہلائیں) کے ساتھ بیٹھ کر دن بھر کوّوں کو اڑانا مجھے کبھی نہ بھولے گا - مزرعہ پر میرے کچھ اور فرائض بھی تھے - زندگی یوں ہی گزرتی رہی - لیکن بہت جلد والدہ صاحبہ کو یہ خیال ستانے لگا کہ میں تعلیم سے بے بہرہ رہا جاتا ہوں - بالآخر یہ طے پایا کہ میں سالونیکا میں اپنی خالہ کے گھر رہ کر سکول میں پڑھوں - مجھے سالونیکا کے سرکاری سکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں میرے ایک استاد قایماق حافظ تھے- ایک روز سبق پڑھتے میں ایک لڑکے سے میرا سخت جھگڑا ہوا - حافظ قایماق نے مجھے پکڑ کر اتنا مارا کہ میرا تمام جسم لہولہان ہو گیا - نانی صاحبہ پہلے ہی سے سکول میں داخلے کے خلاف تھیں ، انھوں نے فوراً مجھے وہاں سے اٹھا لیا -

"ہمارے پڑوس میں ایک صاحب میجر قدری بک تھے - اُن کا بیٹا احمد بک ایک فوجی سکول میں پڑھتا تھا - جب میں اس کی شاندار وردی دیکھتا تو میرے دل میں ویسی ہی وردی پہننے کی آرزو چٹکیاں لینے لگتی - میں سڑکوں پر فوجی افسروں کو بھی دیکھتا - یہ اندازہ مجھے تھا کہ افسر بننے کے لیے لڑکوں کو فوجی مدرسے میں داخل ہونا پڑتا ہے - انھی دنوں والدہ صاحبہ کا سالونیکا میں آنے کا اتفاق ہوا - میں نے اُن سے کہہ دیا کہ فوجی مدرسے میں داخل ہونا

چاہتا ہوں ۔ وہ فوجی زندگی سے خائف تھیں اور ہر طرح میری سدّ راہ بننا چاہتی تھیں ۔ لٰہذا جب داخلے کا امتحان ہونے لگا تو میں چپکے سے فوجی مدرسے میں چلا گیا اور اُن کو بتائے بغیر امتحان میں شامل ہو گیا ۔ اُنھیں اس وقت خبر لگی جب میں سکول میں کبھی کا داخل ہو چکا تھا (۱۸۹۳ء) ۔"

اس نئے سکول میں مصطفیٰ کو ریاضی سے خاص دلچسپی محسوس ہونے لگی ۔ جماعت میں ریاضی کے جو سوالات حل کرائے جاتے تھے ، مصطفیٰ اُن سے کہیں اعلیٰ معیار کے مسئلوں پر ہاتھ ڈالتے ۔ اُنھیں عادت تھی کہ وہ ریاضی کے استاد کو سوالات لکھ بھیجا کرتے ۔ وہ بھی اُن کے تحریری جواب بھیج دیتے ۔ یہ اُستاد کہ ان کا نام بھی مصطفیٰ تھا ، ایک روز اپنے نوعمر شاگرد سے یوں مخاطب ہوئے : ''یوں تو کام نہیں چلے گا ۔ میرے اور تمھارے ناموں میں آخر کوئی امتیاز ہونا چاہیے ۔ میری تجویز ہے کہ آج سے تم اپنے آپ کو مصطفیٰ کمال کہلوایا کرو ۔" اس تجویز کے بموجب یہ کمسن طالب علم اُسی روز سے مصطفیٰ کمال کہلانے لگا ۔

۱۸۹۵ء میں سالونیکا کے فوجی سکول کی تعلیم سے فارغ ہوکر مصطفیٰ کمال فوجی ہائی سکول ، مناستر ، میں داخل ہوگئے ۔ اب یہ قصبہ یوگوسلاوی مقدونیہ میں بتولجا کے نام سے معروف ہے ۔ یہاں بھی وہ ریاضی کے مضمون میں تو پیش پیش تھے لیکن فرانسیسی زبان میں کمزور تھے ۔ فرانسیسی کا استاد اُنھیں بہت محنت سے پڑھاتا تھا لیکن بالعموم بہت نکتہ چینی کرتا ۔ یہ حرف گیری مصطفیٰ کمال کو سختِ گراں گزرتی ۔ لٰہذا پہلی مرتبہ ہی جب وہ تعطیلات میں سالونیکا گئے تو اس کمی کی تلافی کے لیے وہاں کے ایک پرائیویٹ سکول کی فرانسیسی زبان کی جماعت میں داخلہ لے لیا جو فرانسیسی مشن کے زیر اہتمام تھا ۔ تین ہی مہینے میں انھوں نے اس مضمون میں خوب ترقی کر لی ۔

مناستر کے فوجی ہائی سکول میں اُن کے ایک نوجوان ساتھی عمر ناجی نے انھیں ادب اور شاعری کا چسکا لگا دیا۔ لیکن انشا پردازی کے استاد نے جن کا حال ہی میں تقرر ہوا تھا، یہ کہہ کر انھیں شعر و شاعری میں وقت ضائع کرنے سے روک دیا کہ شاعری کا قبل از وقت شوق تمھیں سپہگری کے قابل نہ چھوڑے گا۔ اس کے باوجود مصطفٰی کمال کو مرصع نگاری اور بلیغ خطابت کا شوق باقی رہا۔ مناستر کے فوجی ہائی سکول سے فارغ ہوکر ۱۳ مارچ ۱۸۹۹ع کو وہ استنبول چلے گئے اور وہاں ملٹری اکاڈیمی کی پیدل پلٹن کی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ ریاضی کا شوق بدستور باقی رہا۔ ملٹری اکاڈیمی کی پہلی جماعت کے واقعات بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ انھوں نے بتایا کہ: ''پہلی جماعت میں میرے ذہن پر جوانی کے کیف آفریں سنہرے خواب چھا گئے۔ میں ان میں محو ہو کر لکھنے پڑھنے سے ایسا غافل ہوا کہ سارا سال صاف گزر گیا۔ سال بھر بعد جب یہ احساس ہوا کہ میں کورا رہ گیا ہوں تو کتابیں سنبھالیں۔'' دوسرے سال انھوں نے فوجی علوم میں زیادہ دلچسپی لی۔ ہائی سکول کے استاد نے شعر و شاعری پر جو قدغن لگائی تھی، اُسے مصطفٰی کمال نے ملحوظ رکھا لیکن مرصع نگاری اور خطابت کا شوق بدستور باقی تھا۔ وقفوں میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باقاعدہ مباحثے کرتے جن میں وہ اور اُن کے سب دوست خطابت کی مشق کیا کرتے تھے۔

انھی دنوں مصطفٰی کمال کی ملکی سیاست کی طرف توجہ ہوئی۔ اتفاق یہ کہ وہ زمانہ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور حکومت کا سخت ترین زمانہ تھا۔ اگرچہ منتظموں نے نہایت سخت تدابیر اختیار کر رکھی تھیں لیکن ملٹری اکاڈیمی کے طلبہ رات کے وقت اپنے کمروں میں ایک محب وطن شاعر نامق کمال کی نظمیں پڑھا کرتے۔ انھیں اس بات کا بے حد صدمہ تھا کہ ایسے وطن پرست شاعر کا کلام پڑھنے پر لوگوں کو سزائیں ملتی ہیں۔ ساتھ ساتھ انھیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے ملک کے نظم و نسق میں ضرور کچھ نہ کچھ خرابی ہے۔

ملٹری اکاڈیمی کی تعلیم سے فارغ ہوکر مصطفلی کمال ۱۹۰۲ع میں جنرل سٹاف کالج میں داخل ہوئے ۔ اپنے اس دور زندگی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہا کرتے تھے کہ : "میں اپنی تعلیم کے سلسلے میں سخت محنت کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے اور چند دوستوں کے ذہن میں نئے خیالات پیدا ہونے شروع ہوئے ۔ ہمیں اپنے ملک کے نظم و نسق اور خارجہ پالیسی میں عیوب نظر آنے لگے ۔ ساتھ ہی یہ شوق بھی دامن گیر ہوا کہ ہم اپنے خیالات سے ملٹری اکاڈیمی والے طلبہ کو بھی آشنا کریں جن کی تعداد کئی ہزار تھی ۔ ہم نے ایک قلمی اخبار کا اجرا کیا جو طلبہ میں گشتی اخبار کی حیثیت سے دست بدست پہنچتا ۔

ہماری جماعت میں ایک چھوٹی سی تنظیم تھی ۔ میں اس کی انتظامیہ کا ایک رکن تھا بلکہ اخبار کے اکثر مضامین میں ہی لکھا کرتا ۔ ان دنوں اسماعیل پاشا سکولوں کے انسپکٹر تھے ۔ انھیں ہماری حرکتوں کا علم ہوگیا اور انھوں نے باقاعدہ تحقیقات کا حکم دیا ۔ ہمارے ادارے کے مہتمم رضا پاشا تھے۔ اسماعیل پاشا نے سلطان کے حضور میں ان کی برائی کی کہ اکاڈیمی باغی طلبہ کا اکھاڑا بنی ہوئی ہے اور رضا پاشا یا تو اُن سے بے خبر ہیں یا دانستہ چشم پوشی کرتے ہیں ۔ رضا پاشا نے اپنی کرسی کو محفوظ رکھنے کے لیے اس الزام کی قطعی تردید کردی۔"

ایک روز مصطفی کمال اور ان کے دوست بیطاری کی جماعت کے کمرے میں بند ہو کر (جو ان دنوں ملٹری اکاڈیمی ہی میں واقع تھی) اخبار کے مضامین لکھنے لگے ۔ کسی نے اُن کی کارروائیوں سے آگاہ ہو کر رضا پاشا کو خبر کر دی جنھوں نے چھاپا مار کر سبھوں کو موقع پر جا پکڑا لیکن معمولی سزا دے کر چھوڑ دیا ۔ جرم یہ قرار پایا کہ فلاں فلاں طلبہ جماعت کے کمرے میں "غیر متعلق" کام کرتے ہیں ۔ سزا یہ تجویز ہوئی کہ 'چھٹی بند'۔

رضا پاشا یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئے کہ ان کمرے والوں

کی چھٹی منسوخ کر دینا کافی ہے - لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ سزا پر عمل درآمد ہرگز نہیں ہوا -

جن دنوں مصطفیٰ کمال جنرل سٹاف کالج کی جماعتوں میں سیاسی سرگرمیوں میں منہمک تھے، وہ فوجی مشکلات کا حل سوچنے میں بھی کافی وقت صرف کیا کرتے - اس چیز کا اُن کی بنیادی تعلیم سے قطعاً تعلق نہ تھا لیکن انھیں یہ محسوس ہوتا کہ فوجی سرداروں کو یہ چیزیں جانی چاہییں - ان خیالات میں اُن کی راتوں کی نیند اڑ گئی - انھیں ایسے احساسات نے ناتوان و نزار کر دیا جن کی ماہیت اور مقصد کو وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھے - افسردگی، بد مزاجی اور بغاوت اُن کے ذہن پرچھا گئی - اُن کے حربی دانشگاہ کے استاد نوری بک ایک مرتبہ برسبیل تذکرہ یہ کہہ گئے کہ :

"گوریلا دستوں کی تنظیم تو مشکل ہے ہی لیکن ان کی روک تھام بھی اتنی ہی دشوار ہے۔"

مصطفیٰ کمال کے دل پر یہ بات نقش ہوگئی اور وہ اس موضوع کا مطالعہ کرنے لگے - انھوں نے استاد سے التماس کی کہ مجھے بطور مثال ترکیہ میں اس سبق کی تشریح اور اُن اقدامات کی توضیح کی اجازت دی جائے جو اس سلسلے میں کیے جائیں گے - استاد نے اجازت دے دی اور مصطفیٰ کمال والہانہ جوش و خروش سے اس مسئلے کا حل سوچنے میں مصروف ہوگئے -

باب ۲

فوجی افسر کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال کی زندگی کے پہلے منازل اور ترکیہ کی آزادی کے سلسلے میں اُن کی خدمات

۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء کو مصطفیٰ کمال ملٹری اکاڈیمی کے گریجویٹ کی حیثیت سے کپتان کا عہدہ لے کر نکلے - پیدل پلٹن والی جماعت کے تین سو بیس طلبہ میں ان کا نمبر بیسواں تھا - جنرل سٹاف کالج میں افسروں کی جماعت کے سینتیس طلبہ میں سے تیرہ کو سٹاف افسری کا عہدہ ملا جن میں تین سال کی تعلیم کے مجموعی نمبروں کی بنا پر مصطفیٰ کمال کا نمبر پانچواں تھا -

ملٹری اکاڈیمی سے گریجویٹ ہونے کے بعد مصطفیٰ کمال اور ان کے دوستوں نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا تاکہ جب تک استنبول میں قیام رہے وہ اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھیں - یہ لوگ وقتاً فوقتاً وہاں جمع ہو کر ملکی مسائل پر بحث کیا کرتے - ان نوجوان افسروں کی یہ نقل و حرکت سلطان عبدالحمید کی خفیہ پولیس کی نگاہ سے مخفی نہ رہ سکی - ایک سابقہ افسر فتحی جسے حکومت نے برخاست کر دیا تھا اور جس پر اس نوجوان جماعت نے اعتماد کر رکھا تھا، اُن کا مخبر بن گیا - وہ سب گرفتار کر لیے گئے لیکن چند ماہ کی نظر بندی کے بعد رہا ہو گئے -

کچھ عرصے بعد اس گروہ کو جنرل سٹاف میں طلب کیا گیا - وہاں یہ طے پایا کہ انھیں ادرنہ (ایڈریا نوپل) اور سالونیکا میں تعینات کیا جائے جو نمبر ۲ آرمی اور نمبر ۳ آرمی کا صدر مقام تھے - انھیں ہدایت کی گئی کہ یا تو باہمی مشورے سے اپنی اپنی تعیناتی کا مقام طے کر لو ورنہ قرعہ اندازی کے ذریعے فیصلہ کیا جائے گا - مصطفیٰ کمال کی ترغیب سے انھوں نے باہمی رضامندی سے یہ معاملہ

طے کرلیا لیکن حکام اس بات سے بدظن ہوگئے۔ مصطفیٰ کمال کو ادرنہ یا سالونیکا بھیجنے کے بجائے نمبر ۵ آرمی میں بہ مقام دمشق تعینات کیا گیا۔ وہاں وہ تربیت کے لیے نمبر ۳۰ سوار رجمنٹ کے ساتھ منسلک ہوگئے۔

شام کی فوج میں رہ کر مصطفیٰ کمال نے بیش قیمت تجربہ حاصل کیا۔ انھیں قریب سے یہ دیکھنے کا موقع ملا کہ حکومت کا نظم و نسق انتہائی بد سلیقگی سے ہو رہا ہے۔ فوج کی تربیت نہایت ناقص ہے اور عوام سخت تکالیف میں مبتلا ہیں۔ یہاں انھیں پورے شام کے طول و عرض میں گھومنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ ہاتھ آجاتا۔ حوران اور قنیطرہ میں دروز قبیلے کی بغاوت فرو کرنے میں وہ بھی شامل تھے۔ ان جھڑپوں کے دوران میں انھوں نے اپنی فوجی مہارت نیز حب وطن اور اہل ملک سے محبت کا مظاہرہ کر کے اپنے رفیقوں کے لیے مثال قائم کر دی۔

اکتوبر ۱۹۰۶ع میں مصطفیٰ کمال نے اپنے دوستوں کے تعاون سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس کا نام 'وطن و حرّیت' رکھا۔ شام اور نواحی صوبوں میں اس انقلابی انجمن کی تنظیم کا کام مصطفیٰ کمال کے سپرد تھا۔ وہ بظاہر مسلح افواج کے مختلف شعبوں میں تربیت حاصل کرنے کی غرض سے لیکن درحقیقت اپنی خفیہ جماعت کی توسیع کے لیے بیروت، یافا اور یروشلم پہنچے۔ لیکن یہ تحریک اتنی جلد نہ پھول پھل سکی جتنی جلد وہ چاہتے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہماری تحریک مقدونیہ میں زیادہ آسانی سے کامیاب ہوگی لہٰذا وہ مقدونیہ جانے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ انجمن کے ایک رکن نے مصطفیٰ کمال کے لیے رخصتی پروانہ حاصل کرلیا جسے لے کر وہ چپ چپاتے سالونیکا جا پہنچے۔ کپتان جمیل کی مدد سے جو وہاں اسسٹینٹ سنٹرل کمانڈنٹ تھے (اور جو بعد ازاں جمیل اویبادن کے نام سے تکیر داغ کے ڈپٹی[۱] اور وزیر داخلہ بنے)، وہ سالونیکا کے

---

۱ - ترکی اسمبلی کے رکن کو ڈپٹی یا 'ملت وکیلی' یعنی قومی نمائندہ کہتے ہیں۔

ساحل پر یوں اتر گئے کہ کوئی انھیں پہچان نہ سکا ۔ یہاں وہ اپنی والدہ سے ملے جن سے ملے ہوئے انھیں ایک زمانہ گزر گیا تھا ۔ دوستوں کی پناہ میں مصطفیٰ کمال چار ماہ تک سالونیکا میں مقیم رہے اور وہاں بھی انھوں نے اپنی انجمن کی ایک شاخ قائم کردی ۔ بعد ازاں انجمن وطن و حریت اُس ادارے میں ضم ہو گئی جو "انجمن اتحاد و ترقی" کے نام سے سالونیکا میں سرگرم عمل تھا ۔

اسی اثنا میں مصطفیٰ کمال کو خبر لگی کہ اُن کی گرفتاری کا وارنٹ نکل چکا ہے اور حکام انھیں پکڑنے کی فکر میں ہیں ۔ وہ بھرتی سے یافا پہنچے ۔ یافا کے کمانڈر سے ان کے متعلق پوچھا گیا تھا جس نے یہ جواب دے رکھا تھا کہ وہ مصری سرحد کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ بئرالسبع کے نواح میں فوجی صورتِ حال کا جائزہ لے سکیں ۔ واقعہ بھی یہ تھا کہ مصطفیٰ کمال یافا میں ٹھہرنے کی بجائے تھوڑی سی فوج لے کر بئرالسبع چلے گئے تھے ۔ اُن کی یہ مہم اس لحاظ سے بالکل ضروری قرار دی جا سکتی تھی کہ عقبہ کی صورت حال کے پیش نظر سرحدوں کا معاملہ اہم ہو گیا تھا ۔ پھر توپخانے کی تربیت کے لیے انھیں دمشق تبدیل کر دیا گیا ۔ یہاں تربیت کے اختتام پر ۲۰ جون ۱۹۰۷ء کو انھیں ترقی دے کر ایڈ جوٹینٹ میجر بنا کر دمشق کے آرمی جنرل سٹاف میں تعینات کر دیا گیا ۔

اسی سال ستمبر میں مصطفیٰ کمال نے اپنا تبادلہ مقدونیہ کی تیسری فوج (نمبر ۳ آرمی) میں کرا لیا ۔ سالونیکا میں پہنچنے سے پہلے انھیں مناستر میں تعینات کر دیا گیا جو اس وقت تیسری فوج کا صدر مقام تھا ، اگرچہ سپہ سالار فوج اور اس کا عملہ سالونیکا میں مقیم تھے۔ مصطفیٰ کمال پہلے سالونیکا میں پہنچ کر سپہ سالار سے ملے ۔ اتفاق یہ کہ اسی وقت ایک مثالی رجمنٹ کا معائنہ ہورہا تھا اور انھیں معائنہ کرنے والے افسروں میں شامل کر لیا گیا ۔ اس کام میں ان کے

جوہر کھلے اور یہ طے پایا کہ سالونیکا کے فوجی عملے میں وہ زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ غرض انھیں وہیں رکھا گیا۔ فوجی عملے کے فرائض کے علاوہ انھیں سالونیکا سکوپ ریلوے کا انسپکٹر بھی بنا دیا گیا (یہ سکوپ (اسکوپلج) آج کل یوگوسلاوی مقدونیہ میں واقع ہے)۔ اس تقرر سے انھیں سالونیکا اور سکوپ کے درمیانی علاقے میں اپنی گوریلا تنظیم کو فروغ دینے کا موقع ملا۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں اہل ترکیہ نے پارلیمینٹری آئین کے اعلان سے پہلے انتہائی انقلابی سرگرمیوں کے مناظر دیکھے۔

اس کے بعد بہت جلد یعنی ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ع کو آئین کا اعلان ہو گیا جسے اہل یورپ "نوجوان ترکوں کا انقلاب" کا نام دیتے ہیں۔ مصطفیٰ کمال کی رائے میں نئے طرز حکومت کا فرض یہ تھا کہ دور رس بنیادی اصلاحوں کا نفاذ کر دے۔ لیکن اتحاد و ترقی کمیٹی کے سربراہ جو برسر اقتدار تھے، ان کی رائے سے متفق نہ ہوئے۔ مصطفیٰ کمال نے صاف یہ خطرہ محسوس کیا کہ فوج سیاسیات میں الجھ جائے گی۔ اگرچہ وہ اپنے تمام ذرائع سے اسی نظریے کی حمایت کرتے لیکن اس وقت رائے عامہ کی پیدا کردہ فضا ان کے خلاف تھی، لہٰذا انھوں نے سیاسیات کو ترک کر کے اپنے آپ کو پورے طور پر فوجی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔

فوجی افسروں کی فنی صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لیے انھوں نے نئے فوجی دستورالعمل کی ضرورت محسوس کی۔ وہ فوج کی تربیت میں دلچسپی لینے لگے۔ پیدل فوج کا تربیتی دستور العمل انھی دنوں بدلا گیا تھا، مصطفیٰ کمال نے نئے دستور العمل پر عمل درآمد کو سہل بنانے کے لیے جرمن جرنیل لٹزمان کے کتابچے "یونٹ کمبیٹ ٹریننگ" کا ترجمہ کر کے ۲۳ فروری ۱۹۰۹ع کو اسے سالونیکا میں شایع کر دیا۔ اس مختصر کتابچے کے دیباچے میں عثمانی افواج کی موجودہ تربیت پر تبصرہ تھا، اور اگرچہ اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ نئے تربیتی دستور العمل کا نفاذ لازمی ہے لیکن اس بات پر اظہار

افسوس بھی کیا تھا کہ کتابچے کو ترکیہ کے تجربات کی روشنی میں ترمیم نہیں کیا گیا - بہرحال انھوں نے اپنی ہدایتوں اور انتباہات کے ذریعے اپنے رفیقوں کی حوصلہ افزائی کر کے انھیں کارگزاری کی ترغیب دی -

مصطفیٰ کمال کے اس مفید ترجمے کی ہدایتوں پر ان کے ساتھیوں بلکہ پرانے کمان داروں نے بھی بڑے شوق سے عمل کیا -

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ع کو انقلابی تحریک کا وہ رد عمل نمودار ہوا جو ترکیہ میں ۳۱ مارچ کے واقعات کے نام سے مشہور ہے - (تاریخوں میں یہ فرق گریگوری اور جولین تقویموں کے فرق کا نتیجہ ہے) تو مصطفیٰ کمال نے اس شورش کو فرو کرنے کے لیے بلقان کے ترکی مقبوضات میں ایک فوج تیار کرنے میں بڑی سرگرمی دکھائی - انھوں نے خود اس فوج کا نام اقدامی لشکر ''حرکت اوردوسی'' رکھا - کارروائی کے اولین مراحل میں فوجی عملے کی تنظیم بھی انھوں نے ہی کی - فوج کے ہیڈ کوارٹر سے اہل استنبول کے نام جو پہلا اعلان جاری ہوا اس کا مسودہ بھی مصطفیٰ کمال ہی نے تیار کیا تھا - جب ۳۱ مارچ والی شورش بالآخر فرو ہو گئی تو وہ سالونیکا واپس آ گئے - اب انھوں نے بہت قطعیت اور شد و مد سے اس اصول کا اعلان کیا کہ فوج کو سیاسیات میں حصہ نہیں لینا چاہیے - انھوں نے مطالبہ کیا کہ فوج کو ''انجمن ترقی و اتحاد'' سے رشتہ منقطع کر لینا چاہیے -

آئین کے اعلان سے کچھ دنوں بعد مصطفیٰ کمال مختصر سے عرصے کے لیے طرابلس (شمالی افریقہ) میں تعینات ہو گئے - وہاں انھیں 'انجمن ترقی و اتحاد' کے اجلاسوں میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہونے کے لیے چنا گیا لیکن انھوں نے اس کام میں حصہ لینے سے انکار کر دیا - صرف ایک بار حصہ لیا اور اس موقع پر اپنا یہ نظریہ سب کے دل پر نقش کر دیا کہ فوج کو سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہونا مناسب نہیں - اس کے باوجود ان کے نقطۂ نظر پر

عمل نہیں کیا گیا ۔ جب تک انجمن ترقی و اتحاد قائم رہی ، اس کے بعض قائدوں سے مصطفیٰ کمال کا یہ اختلاف برابر موجود رہا ۔

اس اثنا میں مصطفیٰ کمال نے اپنی تمام توجہ اور سرگرمی فوجی کاموں کے لیے وقف کردی ۔ ۱۹۰۹ع میں جب افواج عثمانی کے چیف آف جنرل سٹاف مقدونیہ میں "کوپرولو" کے قریب "جمعہ لی" میں سوار دستوں کے حربی داؤ پیچ کا معائنہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو وہ بھی ان کے ہمرکاب گئے ۔ سال ہا سال بعد یہ پہلا موقع تھا کہ سوار دستوں کا پورا بریگیڈ ترتیب اور جنگی مشقوں کے لیے ایک جگہ جمع ہوا تھا ۔ یہ تقریب بھی شاذ و نادر اتفاقات میں سے تھی کہ چیف آف سٹاف یا فوجوں کے کماندار تربیت اور مشق کے میدان میں بہ نفس نفیس تشریف لائیں ۔ غرض مصطفیٰ کمال بے حد مسرور تھے اور کہا کرتے تھے کہ جمعہ لی کیمپ میں مقیم رہنے کی مدت اس فوجی زندگی کا نقطۂ آغاز تھی جس کا میں جان و دل سے خواہاں تھا ۔ ان دس دنوں کی یادگار کے بطور انھوں نے اپنی یاد داشت چھپوائی جس کا انتساب اپنے رفیقوں کے نام ان الفاظ میں کیا : ''ایک سپاہی کا تحفہ جسے سپاہی قبول کریں گے ۔"

ترکی کے فوجی ادب میں مصطفیٰ کمال کی یہ دوسری تصنیف تھی ۔ دیکھیے ''فوجی کیمپ بہ مقام جمعہ لی" طبع سالونیکا ، ۱۳۲۵ھ ۱۹۱۰ع ۔

ایڈجوٹینٹ میجر مصطفیٰ کمال سالونیکا میں نمبر ۳ آرمی میں تربیت افسران کے کمانڈر نیز سٹاف افسر کی حیثیت سے ۶ ستمبر ۱۹۰۹ع کو تعینات ہوئے تھے ۔ ان کی منصبی خدمات بالعموم پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئیں ۔ فوجی معائنے ، حربی داؤ پیچ اور جنگی مشقوں میں مسن افسروں بلکہ جرنیلوں تک کی موجودگی کے باوجود ناظم محاربات کا عہدہ ہمیشہ انھیں ملتا ۔ افسر متعلقہ کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال کی زبان یا قلم سے دوسروں پر تنقیدی فقرے

نکل جاتے تھے جن سے اکثر اشخاص بالخصوص پختہ عمر کمانڈار افسر ناخوش ہو جاتے اور کہا کرتے کہ مصطفیٰ کی ساری قابلیت محض نظریاتی ہے، عملی اعتبار سے وہ کچھ بھی نہیں۔ بالآخر ان کے بعض اعلیٰ افسروں نے جو ان کی تنقید سے نالاں تھے، ان کا بھرم نکال دینے کے لیے ایک ترکیب سوچی۔ ۱۹۰۹ع میں انھوں نے مصطفیٰ کمال کو پیدل رجمنٹ ۳۸ کی کمان سونپی جو ان کی صلاحیت کا انتہائی سخت امتحان تھا۔ امتحان بھی ایسا کہ کامیابی کی امید موہوم اور ذمہ داری ایسی جو آن جیسے نوعمر افسر کے لیے بے حد عظیم تھی۔ تاہم انھوں نے خلاف امید نہایت کامیابی سے اس عہدے کے فرائض انجام دے کر اپنی فوجی صلاحیتوں کا ایک اور درخشاں ثبوت پیش کردیا۔ سالونیکا کے حلقے میں جتنی پلٹنیں تھیں، سب جنگی مشقوں میں حصہ لینے پر رضامند ہو گئیں۔ مصطفیٰ کمال کے فوجی خطبات اتنے مفید تھے کہ دوسری پلٹنوں کے افسر کھنچے چلے آتے تھے۔ نمبر ۳۸ رجمنٹ کے افسر اور سپاہی تو ان کے نام کے عاشق تھے، دوسری پلٹنیں اور رجمنٹیں جو اس حلقے میں تھیں، ان کے افسر بھی ان کے گرد جمع رہنے لگے۔

اس اثنا میں البانیہ کے واقعات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مصطفیٰ کمال کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ وہاں بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔ ترکی حکومت نے شوکت طورغود پاشا کو یہ بغاوت فرو کرنے کے لیے فوج دے کر وہاں بھیجا۔ وہ بغاوت کو دبانے میں نا کام ثابت ہوئے تو وزیر جنگ محمود شوکت پاشا بہ ذات خود اس مہم کی کمان سنبھالنے پر مجبور ہوگئے۔ البانیہ جاتے ہوئے وہ سالونیکا میں ٹھہرے اور مصطفیٰ کمال کو اپنے ہمرکاب لے لیا۔ باغیوں سے لڑائی میں مصطفیٰ کمال نے چیف آف سٹاف کا منصب سنبھالا۔ البانیہ میں پہلی بار ان کی ملاقات کرنل فوزی بے سے ہوئی جو آگے چل کر مارشل فوزی چقمق کے نام سے مشہور ہوئے اور جو قصبہ ایپک میں متصرف (ناظم) اور ڈویژنل کمانڈار کی حیثیت سے

متعین تھے۔

۱۹۱۰ء میں فرانسیسی فوج نے بہ مقام پکارڈی فوجی دانؤپیچ کے مظاہرات بڑے پیمانے پر کیے۔ مصطفیٰ کمال ان تین فوجی افسروں میں سے تھے جو ان مظاہرات کو دیکھنے کے لیے بلائے گئے تھے۔ یہاں انھیں جنرل لٹزمان کی کتاب کا دوسرا حصہ ترجمہ کرنے کا موقع ملا جسے انھوں نے استنبول میں چھپوایا۔ ملاحظہ ہو "بلوگون محاربۂ تعلیمی" (تربیت محاربۂ کمپنی) طبع استنبول کتاب خانۂ عسکری، ۱۳۲۸ھ۔ ان دنوں سالونیکا کی نمبر۳ آرمی کے انسپکٹر نے محسوس کیا کہ شہر میں مصطفیٰ کمال کو بے حد رسوخ حاصل ہو چکا ہے، لہٰذا ۱۳ ستمبر ۱۹۱۱ء کو اس نے ان کا تبادلہ استنبول کے جنرل سٹاف میں کرادیا۔

باب ۳

مصطفٰی کمال اور محاربات بلقان و طرابلس

دو ہفتے گزرے تھے کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۱۱ع کو اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا جس سے مصطفٰی کمال کو ملک و ملت کی خدمت کرنے کا نادر موقع ملا ۔ دسمبر ۱۹۱۱ع میں مصطفٰی کمال خفیہ طور پر چند دوستوں کو ساتھ لے کر مصر سے گزرتے ہوئے طبروق جا پہنچے اور وہاں کے ترکی کماندار ادھم پاشا سے عہدے کا چارج لے لیا ۔ انھوں نے فوراً طبروق کے آس پاس کے اطالوی مورچوں کا جائزہ لے کر ترکی سپاہیوں کو حملے کے لیے تیار کر دیا ۔ ۹ جنوری ۱۹۱۲ع کو جنگ طبروق شروع ہوئی جو اٹلی کے ساتھ ترکی فوجوں کی پہلی چپقلش اور اولین فتح ثابت ہوئی ۔ اس کے بعد مصطفٰی کمال نے درنہ کی طرف پیش قدمی کی جہاں انھوں نے ترکی فوجوں کی کمان سنبھالی ۔ وہ لیبیا (طرابلس الغرب) میں تقریباً ایک سال مقیم رہے ۔ یہیں ۲۷ نومبر ۱۹۱۱ع کو انھیں ترقی دے کر میجر بنایا گیا ۔ ابھی وہ لیبیا ہی میں تھے کہ جنگ بلقان شروع ہو گئی ۔ یہ خبر سنتے ہی انھوں نے اس نئے میدان جنگ میں اپنے تقرر کی کوشش کی (۲۴ اکتوبر ۱۹۱۲ع) ۔

استنبول جاتے ہوئے انھیں مصر میں یہ خبر ملی کہ ''قومان اووہ'' کے مقام پر عثمانی فوج کو شکست ہوئی ، سالو نیکا پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے اور اب بلغاریہ کی فوجیں استنبول کی حفاظتی چتالجہ لائن پر دباؤ ڈال رہی ہیں ۔ اتنی تیزی سے پے در پے تباہیاں آ جانے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا ۔ مصطفٰی کمال یورپ کے راستے رومانیہ ہوتے ہوئے استنبول پہنچے ۔ یہاں آ کر انھیں اندازہ ہوا کہ تباہی و بربادی کی جو خبریں انھوں نے سنی تھیں معاملہ

ان سے بھی زیادہ نازک ہو چکا ہے - ۲۵ نومبر ۱۹۱۲ع کو انھیں بحیرۂ روم کی آبناؤں کی خصوصی فوجوں کا ناظم محاربات مقرر کیا گیا جنھیں بہ مقام بولایر اس لیے مجتمع کر دیا گیا تھا کہ جزیرہ نمائے گیلی پولی کا بچاؤ کیا جائے - فتحی بک جو بعد ازاں فتحی اوقیار، (نمائندہ صوبہ بولو) کے لقب سے مشہور ہوئے، یہاں چیف آف سٹاف تھے - چند ہی روز بعد یہ عہدہ مصطفیٰ کمال کو سونپا گیا اور یہ فوج بولایر آرمی کور کے نام سے معروف ہوئی - کور کمانڈر کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس فوج کی کمانداری بھی مصطفیٰ کمال کے ہاتھ میں تھی -

گیلی پولی اور بولایر میں قیام کے دوران میں مصطفیٰ کمال کو یہ مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملا کہ ضرورت پڑ جائے تو آبناؤں کی حفاظت کس طرح کی جائے - آگے چل کر یہ مطالعہ ان کے لیے بہت مفید ثابت ہوا -

جنگ بلقان ختم ہونے پر ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۳ع کو مصطفیٰ کمال کا تقرر صوفیہ میں ملٹری اتاشی کی حیثیت سے ہوا - صوفیہ میں وہ جنگ عظیم کے ابتدائی زمانے تک مقیم رہے۔ یہاں انھیں بخارسٹ، بلغراد اور چتینہ میں ملٹری اتاشی کے عہدے بھی تفویض ہوئے - یکم مارچ ۱۹۱۴ع کو انھیں لفٹیننٹ کرنل بنا دیا گیا -

۲۸ جولائی ۱۹۱۴ع کو پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی - ۲ - اگست کو دولت عثمانیہ نے جرمنی کے ساتھ میثاق اتحاد پر دستخط کیے اور ۲۹ - اکتوبر ۱۹۱۴ کو دولت عثمانیہ جرمنی اور آسٹریا کی حلیف بن کر جنگ میں شامل ہوگئی -

باب ۴

اتحادیوں کا گیلی پولی پر حملہ جسے ناکام کرکے مصطفیٰ کمال نے استنبول کو بچا لیا

مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ ترکیہ نے جنگ میں شرکت کر کے بے حد جلد بازی سے کام لیا ہے۔ وہ صوفیہ میں اپنے دفتر میں بیٹھے بیٹھے تمام محاذوں کی لڑائیوں کا جائزہ لیتے رہتے۔ جنگ کے آغاز ہی میں انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا کیا انجام ہوگا اور وہ اس سے افسران اعلیٰ کو آگاہ بھی کر چکے تھے۔ جنگ میں ترکیہ کی شرکت صحیح تھی یا غلط، مصطفیٰ کمال کو فوجی اتاشی کی حیثیت سے صوفیہ میں بیٹھے رہنا پسند نہ تھا۔ اس کے بجائے وہ میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھانا چاہتے تھے۔ ان دنوں سلطان برائے نام فوج کا سپہ سالار تھا۔ سارا اختیار ترکیہ کی وزارت جنگ کے ہاتھ میں تھا۔ مصطفیٰ کمال نے نائب سپہ سالار کے نام درخواست بھیج کر التجا کی کہ میرا تقرر میدان جنگ میں کردیا جائے۔ پہلی مرتبہ اُن کی یہ درخواست نا منظور کر دی گئی لیکن دوبارہ اُن کے اصرار پر ۲ فروری ۱۹۱۵ء کو انھیں ایک ڈویژن کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا جو بہ مقام تکیر داغ قائم کیا گیا تھا۔ یہ وہی مشہور انیسواں ڈویژن تھا جس نے جنگ عظیم میں بہت اہم کارنامے انجام دیے اور جس میں مصطفیٰ کمال کی قیادت نے شجاعت و دلاوری کی روح پھونک دی تھی۔ انھوں نے مہینے بھر سے بھی کچھ کم عرصے میں اس ڈویژن کو اول درجے کی فوج بنا دیا۔ بالآخر ۲۵ فروری ۱۹۱۵ء کو یہ لشکر کیل کانٹے سے لیس ہوگیا اور اسے 'مایدوس' کی جانب بڑھا دیا گیا۔

ابھی گیلی پولی پر حملہ نہیں ہوا تھا لیکن ترکی فوجیں آ

باسفورس کی حفاظت کی تدبیروں میں سرگرم تھیں ۔ جزیرہ نمائے گیلی پولی کی وضع کچھ ایسی ہے کہ جو حملہ آور فوج بحیرۂ ایجین کو عبور کر کے وہاں اترنا چاہے ، اُسے بحیرۂ مارمورا (مرمرہ ترکی میں) تک پہنچنے کے لیے دو مختصر راستوں میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا ۔ پہلا راستہ شمال میں بولایر کے قریب ہے جہاں جزیرہ نما کی چوڑائی صرف ساڑھے چار کیلومیٹر ہے ۔ دوسرا راستہ جنوب میں 'قاباتپہ' اور 'مایدوس' کے درمیان ہے جہاں جزیرہ نما کا عرض ساڑھے سات کیلومیٹر ہے ۔ ساحل اناطولیہ پر ترکی توپخانہ جما ہوا تھا ۔ دشمن کا اُس کے عقب سے گزر کر آنا یا بولایر کے قریب اُتر کر بحیرۂ مارسورا تک جا پہنچنا متعدد وجوہ سے بہت دشوار تھا ۔ فوجیں اتارنے کے لیے سب سے محفوظ مقام جہاں غنیم کا لنگر انداز ہونا یقینی تھا ، خشکی کی وہی تنگ پٹی تھی جو ''قاباتپہ'' اور مایدوس کے درمیان پھیلی ہوئی ہے ۔ آبناؤں کے تحفظ کا واحد طریقہ یہ تھا کہ اس تنگ پٹی کو اچھی طرح محفوظ و مستحکم کر لیا جائے ۔ جرمن افسر جو ترکی فوج میں نہایت اہم عہدے سنبھالے ہوئے تھے ، اس خیال میں تھے کہ غنیم بولایر کے مقام پر حملہ آور ہوگا ۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام محفوظ فوج بولایر میں جمع کر دی جائے کیونکہ ان کے خیال میں پورے جزیرہ نما کا تحفظ ناممکن تھا ۔ اس کے برعکس ترک افسران اعلیٰ شروع سے ہی یہ چاہتے تھے کہ غنیم سے جزیرہ نما کے ساحل پر ہی دو دو ہاتھ کر لیے جائیں ۔ جب مصطفیٰ کمال اپنے ڈویژن نمبر ۱۹ کو لیے ہوئے مایدوس میں وارد ہوئے تو اُن کی بھی یہی رائے تھی ۔ ساحل پر جتنی پیدل فوجیں اور حفاظتی توپ خانے تھے سب مصطفیٰ کمال کے ماتحت کر دیے گئے ۔ علاقہ مایدوس کے سالار کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال کی ذمہ داری یہ تھی کہ قصبہ ''اجہ لیمانی'' سے قلعہ ''سدالبحر'' اور ''مورتولیمانی'' تک ترکیہ کا جتنا یورپی ساحل ہے اُس کی حفاظت کریں ۔ مصطفیٰ کمال نے اس صورت حال کو جس طرح بیان کیا اُسے اُنھی کی

بانی سنیے :

"مجھے یقین تھا کہ اگر غنیم نے کہیں لنگر انداز ہونا چاہا تو دو مقامات میں سے کسی ایک پر فوجیں اتارے گا - یا تو "سدالبحر" پر یا قاباتپہ کے قریب - مجھے یقین تھا کہ ساحل کے ان قطعات کی حفاظت اور غنیم کو یہاں فوجیں اتارنے سے روک دینا بالکل ممکن ہے - لہٰذا میں نے اپنی پلٹنوں کو اس طرح جمایا کہ وہ ساحل پر سے دفاعی اقدام کرتی رہیں - "

اپنی فوجوں کو اس طرح جما کر مصطفیٰ کمال نے اطمینان کے ساتھ سپاہیوں کا تربیتی پروگرام شروع کر دیا جس میں غنیم کی لنگرانداز ہونے والی فوجوں کو روکنے کے داؤ گھات سکھانے کا خاص خیال رکھا گیا تھا -

۱۸ مارچ ۱۹۱۵ع کو اتحادی فوج نے جہازوں پر سے جارحانہ حملے کا آغاز کیا جسے پسپا کر دیا گیا - اس پر غنیم نے آبناؤں تک پہنچنے کے لیے کسی جگہ خشکی پر اترنے کی تیاریاں کیں - پھر خبر ملی کہ دشمن نے آبناؤں کے سامنے والے جزیروں میں فوجیں جمع کر لی ہیں - لہٰذا ۲۳ مارچ ۱۹۱۵ع کو گیلی پولی کے علاقے میں پانچویں فوج (نمبر ۵ آرمی) کی تشکیل ہوئی جس میں پورے علاقے کی فوجیں شامل کر لی گئیں - نمبر ۱۹ ڈویژن کو حکم ملا کہ وہ مایدوس اور سارافیم کے قریب محفوظہ (ریزرو) کی حیثیت سے مقیم ہو جائے - ۱۹ اپریل کو اسے "بیغالی" کے قریب محفوظہ کی حیثیت سے متعین کر دیا گیا - ۲۵ اپریل کو نور کے تڑکے اتحادی جہازوں نے "آری برونی" اور "سدالبحر" کے قریب فوجیں اتارنی شروع کر دیں -

انگریزی فوجوں نے جو آری برونی کے قریب آتری تھیں، اس ترکی بٹالین کو پسپا کر دیا جو ساحل کی لمبی پٹی کی نگرانی پر مامور تھی - وہ پیش قدمی کرکے "کمال یری" کے مقام تک جا پہنچی - یہاں اس کا مقابلہ رجمنٹ نمبر ۲۷ سے ہوا جسے بڑی عجلت میں

عقب سے لایا گیا تھا - مصطفیٰ کمال کو جوں ہی غنیم کے اترنے کی خبر ملی ، انھوں نے اپنے سپاہیوں کو حرکت دی اور دشمن کے مقابلے پر ڈٹ گئے جو ''جونق بائیری'' کی جانب پیش قدمی کر رہا تھا - افسران اعلیٰ کے احکام کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے دستوں کی خود قیادت کرتے ہوئے ''قوجہ چمن تپہ سی'' پہاڑی پر جا پہنچے - سپاہیوں کو تھوڑی دیر کے لیے سستانے کی اجازت دے کر وہ چند محافظ رفیقوں کو ہم رکاب لیے ''جونق بائیری'' کی طرف چل دیے - علاقہ اتنا ناہموار تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر گزرنا ممکن ہی نہ تھا اس لیے پیدل چلتے رہے - یہاں انھوں نے اپنی ایک کمپنی دیکھی جو ساحل کی حفاظت چھوڑ کر اس لیے پیچھے ہٹ آئی تھی کہ گولہ بارود ختم ہو چکا تھا - دشمن سختی سے اس کا تعاقب کرتا آ رہا تھا - مصطفیٰ کمال نے اس نازک موقع کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے :

''میں نے ترک سپاہیوں سے پوچھا کہ یوں نوک دم کیوں بھاگے جا رہے ہو ؟ انھوں نے کہا کہ غنیم سر پر آ پہنچا ہے - میں نے سوال کیا کہ آخر وہ ہے کہاں ؟ انھوں نے پہاڑی نمبر ۲۶۱ کی طرف اشارہ کیا - میں نے بھی دیکھ لیا کہ دشمن کا ہراول دستہ (گشتی پارٹی) بے روک ٹوک پہاڑی کی طرف بڑھا آتا ہے - اس نازک صورت حال پر غور تو کرو ! میں اپنی فوج کو دس منٹ دم لینے کے لیے پیچھے چھوڑ آیا تھا - اس کے یہ معنی تھے کہ میرے سپاہیوں کی بہ نسبت دشمن کی فوج میرے زیادہ قریب آ پہنچی تھی ! اگر دشمن مجھے اس جگہ آ لیتا تو میری فوج بڑے مخمصے میں پھنس جاتی - معلوم نہیں کہ موقع کی نزاکت پر غور کر کے یا اپنی فوجی جبلت کے زیر اثر میں نے فوراً ان بھگوڑے سپاہیوں سے کہا کہ عزیزو ! دشمن کے مقابلے سے یوں بھاگنا مردوں کے لیے باعث ننگ ہے - انھوں نے کہا کہ جناب گولیاں ختم

ہوچکی ہیں ۔ میں نے سمجھایا کہ گولیاں ختم ہوگئیں تو کیا ہوا ، تمھاری سنگینیں تو موجود ہیں ۔ یہ کہہ کر میں نے بہ آواز بلند حکم دیا کہ سنگینیں چڑھالو اور زمین پر لیٹ جاؤ ۔ اسی لمحے میں نے اپنے ایڈی کانگ کو پیدل رجمنٹ اور کوہستانی توپ خانے کی طرف دوڑایا جو "جونق بائیری" کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ میں نے حکم بھیجا کہ وہ انتہائی عجلت کے ساتھ مجھ سے آملیں ۔

ادھر تو میں نے اپنے سپاہیوں کو زمین پر لیٹ جانے کا حکم دیا ادھر غنیم کے ہراول دستے نے بھی یہی کیا ۔ ان کی پیش‌قدمی تھوڑی دیر کے لیے رک گئی ۔ اس طرح ہماری فوج کو چند نہایت قیمتی لمحے میسر آئے ۔ یعنی اس مختصر وقفے میں نمبر ۵۷ رجمنٹ آ پہنچی ۔"

مصطفیٰ کمال نے بے‌تامل اسے حملے کا حکم دیا ۔ اس کے بعد انھوں نے ڈویژن نمبر ۱۹ کی دوسری رجمنٹوں کو آری‌برونی کی طرف بڑھنے کی ہدایت کی ۔ نمبر ۲۷ رجمنٹ پہلے سے وہاں متعین تھی ۔ مصطفیٰ کمال نے اسے بھی شامل کر کے حملے کو شدید تر کر دیا ۔ ساری رات گھمسان کی لڑائی جاری رہی ۔ یہاں تک کہ غنیم کو دباتے دباتے ساحل کے ٹیلوں تک دھکیل دیا گیا ۔ مصطفیٰ کمال کی مرضی تو یہ تھی کہ ان بد بختوں کو سمندر میں پھینک دیں ، لیکن ایسا نہ ہو سکا ۔ وجہ یہ تھی کہ سارا علاقہ سنگلاخ تھا ۔ جا بجا گھنی جھاڑیاں تھیں ۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا جس میں پیش‌قدمی مشکل تھی ۔ ادھر ساحل پر دشمن کی کمک برابر اتر رہی تھی ۔ تاہم اتنی کامیابی کیا کم تھی !

مصطفیٰ کمال نے "قوجہ چمن" کی سطح مرتفع (پلیٹو) پر قبضہ کر لیا جو فوجی نقطۂ نظر سے جزیرہ‌نما کا سب سے اہم حصہ تھا ۔ غنیم کے منصوبوں پر ایسی کاری ضرب لگی کہ آبناؤں پر قبضہ

کرنے کا خیال باطل اس کے دماغ سے نکل گیا اور گیلی پولی کا تحفظ یقینی ہوگیا۔ اس روز یعنی ۸ مئی ۱۹۱۵ع کو آری برونی کی فوجوں کے سپہ سالار کی حیثیت سے انھوں نے اپنے ماتحت افسروں سے کہا تھا کہ:

''میں تمھیں حملے کا حکم نہیں دیتا بلکہ جان پر کھیل جانے کا حکم دیتا ہوں۔ بے شک ہم مارے جائیں گے لیکن اتنی دیر تک تو غنیم کو روکے رکھیں گے کہ مزید فوجیں ہماری جگہ آ جائیں۔''

اس روز جو یادگار فتح حاصل ہوئی وہ مصطفیٰ کمال کے آہنی عزم کی بدولت حاصل ہوئی۔

ان لڑائیوں میں مصطفیٰ کمال نے اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کا اچھا مظاہرہ کیا۔ ان کا بہت جلد صورت حال کا جائزہ لے لینا، فوراً صحیح فیصلے پر پہنچنا اور پوری سرگرمی و جانبازی سے جان توڑ کر اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہونا، نیز بے تامل ذمہ داری قبول کرلینا ایسے اوصاف تھے کہ سپہ سالار کی حیثیت سے ان کی عظمت مسلم ہوگئی۔ وہ ۱۹ مئی تک دفاعی لڑائی اور جارحانہ حملے کرتے رہے اور غنیم کی اس فوج کو روکتے رہے جسے مسلسل کمک مل رہی تھی۔ انھوں نے آری برونی کے دونوں پہلوؤں پر قبضہ کر لیا اور مورچے تیار کر کے جنگ کرتے رہے۔ غنیم اپنے تمام ساز و سامان اور بے شمار سپاہیوں کی مدد سے فقط ایک تنگ سی پٹی پر قبضہ کرسکا۔

یکم جون ۱۹۱۵ع کو مصطفیٰ کمال کو کرنل کے عہدے پر ترقی ملی۔

جب غنیم نے دیکھ لیا کہ آری برونی اور سدالبحر پر قبضہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو اس نے مزید کمک حاصل کر کے ترکی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کیا جو ''جونق بائیری'' سے قوجہ چمن تک پھیلا ہوا تھا۔ غنیم کو توقع تھی کہ اس بازو

کے چند مقامات پر قبضہ کر کے وہ قاباتپہ ــ مایدوس لائن کی طرف بڑھ جائے گا اور استنبول سے ترکی فوج کا سلسلۂ مواصلات منقطع کر دے گا - اسی عرصے میں غنیم نے انافرتالر کے مقام پر مزید کمک اتار کر اپنا مرکز قائم کرنا چاہا تاکہ اس مرکز سے مزید محاربات جاری رکھے جا سکیں - کمک اتارنے کا یہ کام آری برونی کے شمال میں نیز انافرتالر پر ۶ اور ۷ اگست کی درمیانی رات میں شروع ہوا - آری برونی میں جو بیس ہزار فوج اتری اسے قوجہ چمن پر قبضہ کرنے کی خدمت سپرد ہوئی - یہ فوج "آصمہ درہ" کے ٹیلوں کی طرف بڑھی جہاں پہنچ کر وہ تین دستوں میں تقسیم ہو کر "جونق بائیری" اور مزید شمال کی طرف پیش قدمی کرنے لگی - ۷ اگست کی صبح کو جونق بائیری ــ قوجا چمن کے علاقے کی حالت نازک ہو گئی - اس علاقے کا دفاع اچھا نہیں ہوا تھا ؛ اور اگر غنیم یہاں قدم جما لینے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کے یہ معنی تھے کہ پہلے وہ آری برونی کے محاذ پر فتح یاب ہوتا اور بعد ازاں گیلی پولی کے جزیرہ نما پر چھا جاتا - مصطفیٰ کمال کا ڈویژن نمبر ۱۹ خصوصیت سے خطرے میں پھنسا ہوا تھا - انھوں نے کمک آنے سے پہلے ہی اپنی ساری محفوظ فوج (ریزرو) جونق بائیری میں بھیج دی اور کسی نہ کسی طرح ۷ اگست کو صبح سے شام تک اسے بچائے رکھا - اگلی صبح غنیم جونق بائیری کی ان ڈھلانوں پر چڑھ آیا جو سمندر کے قریب تھیں - یہاں سخت معرکہ پڑا - رائفلوں اور دستی بموں سے آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی - غنیم ایک قدم آگے نہ بڑھ سکا - معرکے کی نزاکت کا احساس کر کے ترکی آرمی کمانڈ نے انافرتالر آرمی گروپ قائم کیا اور ساروس آرمی گروپ کے سپہ سالار کرنل فوزی کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا - مصطفیٰ کمال کو خوب اندازہ تھا کہ جونق بائیری پر غنیم کا قبضہ بس چند لمحوں کی بات ہے - انھوں نے محض حب وطن کے جذبے سے مجبور ہو کر سپہ سالار اعظم لیمان پاشا سے ٹیلیفون پر بات کرنی چاہی ، وہ موجود نہ تھے ، ان کی جگہ چیف آف سٹاف

کرنل کاظم نے ، جو بعد ازاں جنرل کاظم ایناںچ نمائندۂ ازمیر بنے ، مصطفیٰ کمال سے گفتگو کی اور پوچھا کہ اس صورت حال میں تمھاری تجاویز کیا ہیں ؟ انھوں نے جواب دیا کہ :

''تباہی میں صرف ایک لمحہ باقی ہے ، اگر اسے بھی ضائع کر دیا تو پورا ملک تباہ ہو جائے گا ۔''

مزید تشریح یوں کی کہ حالات بے حد نازک ہو چکے ہیں ۔ دشمن انافرتالر کے مقام پر لگا تار کمک اتار رہا ہے ، اور اگر مؤثر کارروائی نہ کی گئی تو تباہی یقینی ہے ۔ مجھے اس علاقے کے تمام محاربات کی مشترکہ سالاری دے دی جائے تاکہ میں اپنی صواب دید سے کام کرسکوں ۔ ۸ اگست کی رات کو دس بجنے میں دس منٹ تھے کہ سالار اعظم نے انھیں انافرتالر گروپ کا سالار مقرر کر کے یہ حکم دیا کہ فوراً جوابی حملہ کردو ۔ یہ عظیم ذمہ داری سنبھالتے وقت مصطفیٰ کمال کے دل و دماغ کی جو حالت تھی اُس کا بیان انھوں نے یوں کیا ہے کہ :

''یقیناً اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا نہایت دشوار تھا ۔ تاہم میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں وطن کی تباہی دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں گا ، لہٰذا میں نے کمال افتخار کے ساتھ یہ عہدہ قبول کر لیا ۔''

اپنے نئے ہیڈکواٹر پر پہنچتے ہی مصطفیٰ کمال نے جوابی حملے کا کام خود سنبھالا جسے وہ پہلے سے طے کر چکے تھے ۔ غرض ایسا بندوبست کیا کہ دشمن کی بہتر و برتر فوج کو پسپا کر دیا ۔ اگلے دن کے لیے انھوں نے ایک اور حملے کی تیاریاں کیں ۔ ۱۰ اگست کو صبح صادق کے وقت انھیں دل کا ارمان نکالنے کا موقع ملا ۔ رائفل اور توپیں آگ برسا گیں ۔ سورج نکلا تو غنیم نے بھی خشکی پر سے نیز بحری جہازوں سے اپنی بھاری توپوں کے منھ جونق بائیری کی جانب کر دیے ۔ ایک گولی مصطفیٰ کمال کے سینے پر لگی لیکن ان کی دائیں جیب میں جو گھڑی تھی اُس پر ضرب پہنچا کر گر پڑی ۔

بعد ازاں لیمان پاشا (جنرل سانڈرس) نے ان سے یہ یادگار گھڑی لے کر اپنی گھڑی انھیں مرحمت کی جس پر ان کا خاندانی جنگی نشان کندہ تھا - اس کے بعد مصطفیٰ کمال نے آٹھویں ڈویژن کی پوری فوج کو شانہ بہ شانہ مرتب کر کے شجاعت و دلاوری کی اس چٹان کو حملے میں جھونک دیا - اس مرتبہ وہ پھر اپنے سپاہیوں کے آگے آگے تھے - غرض اس زور کا معرکہ پڑا کہ دشمن کا منھ پھیر دیا اور وہ جونق بائیری سے ہٹ گیا - یہ دوسرا موقع تھا کہ انھوں نے جانبازی سے کام لے کر گیلی پولی کو بچا لیا -

جب غنیم کو یہ محسوس ہوا کہ انافرتالر میں اس کی حالت بہت مخدوش ہوچکی ہے تو اس نے ۲۱ اگست کو موضع کوچک انافر تالر کے مقام پر پیش قدمی شروع کی - لیکن یہاں بھی اسے جانباز ترکوں سے دست بدست خوں ریز لڑائی لڑنی پڑی جس میں اسے شکست نصیب ہوئی - پھر خندقوں کی لڑائی ہوتی رہی - مصطفیٰ کمال کو اچھی طرح اندازہ ہوچکا تھا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں اور صرف ایک کاری ضرب اسے تباہ کرسکتی ہے - لیکن وہ افسران اعلیٰ کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے - انھوں نے دھاوے کی جو تجویز پیش کی تھی اسے یہ کہہ کر رد کردیا گیا کہ لڑائی میں جھونکنے کے لیے مزید فوج باقی نہیں ہے - اس سنہری موقع کے نکل جانے کا صدمہ مصطفیٰ کمال نے بہت شدت سے محسوس کیا اور ۱۰ ستمبر ۱۹۱۵ع کو سپہ سالاری سے استعفا بھیج دیا - لیکن سالار اعظم لیمان پاشا نے جو مصطفیٰ کمال کے بہت گرویدہ تھے، استعفا قبول کرنے کے بجائے انھیں رخصت عطا کی - وہ بہت مغموم و غمگین ہوکر استنبول چلے آئے - یہاں دس روز بعد ۱۹ دسمبر ۱۹۱۵ع کو انھیں معلوم ہوا کہ دشمن کی فوجیں اپنی کامیابی سے قطعی مایوس ہوکر گیلی پولی سے واپس چلی گئی ہیں -

گیلی پولی میں مصطفیٰ کمال نے شجاعت و جانبازی کے جو کارنامے دکھائے تھے اور ملک و ملت کی جو خدمت انجام دی تھی

اُس کا چرچا بہت جلد ساری فوج میں ہوگیا بلکہ تمام ترکوں کے کانوں تک پہنچا ۔ انھیں ساری قوم میں وہ ہر دلعزیزی اور ناموری حاصل ہوئی کہ بڑے بڑے افسروں کو ان پر رشک آنے لگا ۔ قوم کے دل میں اُن کا اتنا اعتبار و اعتماد قائم ہوگیا کہ جس روز سے انھوں نے جنگ آزادی کا آغاز کرنے کے لیے ساحل صامسون پر قدم رکھا تھا اُس دن سے لے کر مرتے دم تک ساری ترک قوم نے بے چون و چرا ان کی اطاعت کی ۔ اسی اعتماد و اعتبار کے سہارے مصطفیٰ کمال نے جنگ آزادی کو آغاز سے انجام تک پہنچایا اور ملک میں اصلاحات نافذ کیں ۔

باب ۵

مصطفٰی کمال بہ حیثیت سپہ سالار

گیلی پولی سے واپس آکر مصطفٰی کمال نے کچھ دنوں استنبول میں قیام کیا، پھر رخصت لے کر صوفیہ چلے گئے تاکہ اپنے نجی کاموں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ قیام صوفیہ کے زمانے میں نائب سپہ سالار اعظم کے دفتر سے انھیں نمبر ۱۶ فوجی کور کا کمانداز مقرر کردیا گیا جسے آرام دینے کے لیے گیلی پولی کے محاذ سے ہٹا کر ادرنہ میں بھیجا گیا تھا۔ مصطفٰی کمال نے ۱۴ جنوری ۱۹۱۶ء کو بہ مقام قرہ آغاج اپنے نئے عہدے کا چارج لیا۔ اگلے روز وہ ادرنہ میں اس شان سے سوار ہو کر داخل ہوئے کہ نمبر ۱۲ پیدل ڈویژن، جسے گیلی پولی سے ہٹا کر یہاں بھیجا گیا تھا، اُن کی جلو میں تھا۔ ادرنہ کے باشندوں نے پورے جوش و خروش سے انھیں خوش آمدید کہا۔ وہ فروری کے آخر تک ادرنہ میں رہے یہاں تک کہ نائب سپہ سالار اعظم نے نمبر ۱۶ آرمی کور کا ہیڈ کوارٹر ادرنہ سے دیار بکر میں منتقل کردیا۔ مقصود یہ تھا کہ دیار بکر میں ایک اور نمبر ۱۶ آرمی کور جو محاذ کاکیشیا (قفقاسیہ) پر خدمات انجام دینے کے لیے قائم کی جا رہی تھی، اس کا چارج بھی مصطفٰی کمال ہی سنبھالیں۔ ۲۷ فروری ۱۹۱۶ء کو وہ ادرنہ سے رأس العین کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یکم اپریل ۱۹۱۶ء کو انھیں برگیڈیر جنرل کے عہدے پر ترقی ملی۔ ۱۴ اپریل کو سلوان پہنچ کر مصطفٰی کمال نے اپنے فرائض منصبی سنبھالے۔ نمبر ۱۶ آرمی کور کے کماندار کی حیثیت سے مشرقی محاذ کے جس علاقے کی سپہ سالاری اُن کے سپرد تھی وہ جھیل 'وان' کے جنوبی کونے سے درۂ چپاقچور (بک گول) تک تقریباً ۸۰ کیلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ ان دنوں

ارض روم کا قلعہ دشمن کے ہاتھ میں جا چکا تھا اور نمبر ۳ عثمانی آرمی اپنی جگہ سے ہٹ کر اس لائن پر آ گئی تھی جو طربزون سے 'بایبورد' اورکوہ قوپ داغی تک پھیلی ہوئی تھی - عثمانی وزارت جنگ غنیم کی یلغار کو روکنے کے لیے یہ کوشش کررہی تھی کہ روسی بازو پر حملہ کیا جائے - اس مقصد کے لیے نمبر ۲ آرمی جو تین آرمی کوروں پر مشتمل تھی ، مغرب سے مشرق کی طرف بڑھائی جا رہی تھی ، علاقۂ بک گول (چپاقچور) اس کی گزر گاہ تھا - روسی بازو پر حملہ کرنے کے لیے نمبر ۱۶ آرمی کور کو نمبر ۲ آرمی میں شامل کر دیا گیا تھا۔

نمبر ۱۶ آرمی کور کے کماندار کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال نے محاذ کا کیشیا پر خدمات انجام دیں - انھوں نے بہت سے معرکے دیکھے اور بہت سی لڑائیوں میں خود ہدایات دیں - انھوں نے دیاربکر کی طرف غنیم کی پیش قدمی کو روکا - پھر ایسا جوابی حملہ کیا کہ ۶ اگست کو قصبہ "بتلیس" اور اگلے روز قصبہ "موش" دشمن سے چھین لیا - دسمبر ۱۹۱۶ع میں انھیں نمبر ۲ آرمی کا نائب کماندار مقرر کر دیا گیا - دشمن سے مذکورہ بالا قصبے چھین لینے کے صلے میں انھیں تمغۂ امتیاز اور طلائی تلواریں بطور اعزاز عطا ہوئیں - سیکرات میں جو نمبر ۲ آرمی کا ہیڈ کوارٹر تھا ، مصطفیٰ کمال کو کرنل عصمت جیسا رفیق ملا - وہی عصمت انونو جو آگے چل کر جمہوریۂ ترکیہ کے وزیر اعظم ، پھر صدر مملکت اور دوبارہ وزیراعظم بنے - ان دنوں کرنل عصمت چیف آف سٹاف تھے - باہم کام کرنے کے اسی ابتدائی زمانے میں دونوں اس فیصلے پر پہنچے کہ جب تک بنیادی اصلاحات نافذ نہ ہوں ، ترکیہ کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

کرنل عصمت نے صورت حال کی مکمل رپورٹ مصطفیٰ کمال کے سامنے پیش کی - جاڑے کا موسم تھا اور رسد پہنچانا بہت مشکل تھا لہذا دونوں سرداروں نے فیصلہ کیا کہ بیشتر فوج پیچھے ہٹا لی جائے اور محاذ پر صرف چند ہلکے دستے برقرار رکھے جائیں - غرض دونوں سرداروں نے جو پہلے پہل کئی سال قبل انقلاب نو کے سلسلے

میں ملے تھے ، یہاں دوبارہ باہمی اعتماد کے رشتوں کو ایسا استوار کیا کہ دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے - سیکرات ہیڈ کوارٹر میں آنے سے پانچ چھ روز بعد ہی مصطفیٰ کمال نے بالاعلان کہہ دیا کہ مجھے اپنے رفیق کرنل عصمت سے بہت محبت ہے - عشائیہ پر اپنی فوج کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے اپنے چیف آف سٹاف کی لیاقت کو بہت سراہا اور کہا کہ مجھے ایسا دوست اور رفیق کار مل جانے سے فخر محسوس ہو رہا ہے - کرنل عصمت نے بھی اپنے نئے کمانڈار کی بے حد تعریف کی - کچھ عرصے بعد مصطفیٰ کمال نے چیف آف سٹاف کرنل عصمت کی صلاحیتوں کے بہتر استعمال کی سبیل نکال لی یعنی انھیں نمبر ۴ آرمی کور کا کمانڈار مقرر کردیا کیونکہ یہ عہدہ اُن دنوں خالی تھا - ۱۹۱۶ء کے آخری ایام تھے کہ اناطولیہ کے ایک گاؤں میں دونوں سرداروں نے اتحاد و یک جہتی کی ایسی بنیاد رکھی کہ وہ نظریات کے علاوہ عملی اعتبار سے بھی متحد اور متفق ہو گئے -

کچھ عرصے بعد عثمانی وزارت جنگ نے مصطفیٰ کمال کو ایک نئی آرمی کی سپہ سالاری پر مقرر کیا جسے "حجاز ایکسپیڈیشن فورس" (حجاز قوۂ سفریہ سی اصلی نام ہے) کے نام سے قائم کیا جا رہا تھا - مصطفیٰ کمال دمشق پہنچے جہاں انھوں نے شام و حجاز کی صورت حال کا جائزہ لیا - اُن دنوں انور پاشا جو نائب سپہ سالار اعظم تھے ، دمشق ہی میں موجود تھے - مصطفیٰ کمال نے انھیں اطلاع دی کہ خطرہ نہایت شدید اور عمومی ہے اور شام کے محاذ پر کمک بھیجنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حجاز کو خالی کر دیا جائے -

وزارت جنگ نے مصطفیٰ کمال کی یہ تجویز تو مسترد کر دی لیکن اتنا ضرور کیا کہ حجاز ایکسپیڈیشن فورس کے قیام کا منصوبہ ترک کر دیا - مصطفیٰ کمال مشرقی محاذ پر واپس چلے آئے - اس مرتبہ وہ نمبر ۲ آرمی کے مستقل کمانڈار مقرر ہوئے - ۵ جولائی ۱۹۱۷ء کو ان کا تبادلہ نئی نمبر ۷ آرمی کی کمانداری پر ہوا - جنرل

فاکنین کی سپہ سالاری میں بغداد کو دوبارہ تسخیر کرنے کے لیے جو فوجیں بہ مقام حلب جمع ہوئی تھیں ، اُن کے برق انداز دستوں میں اس نمبر ۷ آرمی کو شامل کر لیا گیا ۔ عرب قبائل سے تعلقات کی بنا پر مصطفیٰ کمال کو جنرل فاکنین سے اختلاف تھا اور انھیں یقین کامل تھا کہ عراق میں لڑائی کی آگ بھڑکانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ اس کے باوجود جرمن جرنیل فاکنین نے مصطفیٰ کمال کا تعاون حاصل کرنے کی بہت کوشش کی ۔ با ایں ہمہ فاکنین نے وزارت جنگ کے سامنے یہ تجویز پیش کر دی کہ جب تک حلب میں برق انداز دستے کیل کانٹے سے لیس نہ ہو جائیں ، بغداد کو دوبارہ تسخیر کرنے کی کوشش غلط ہے ۔ خصوصاً اس حال میں کہ برطانوی فوجیں سینائی محاذ پر شام و فلسطین کی تاک میں لگی ہوئی ہیں ۔ مناسب یہ ہے کہ عراق میں جنگ کرنے کے بجائے نمبر ۷ عثمانی فوج کو سینائی محاذ پر بھیج دیا جائے ۔

اُن دنوں فلسطین میں جو برطانوی فوج مقیم تھی اُس میں بہت زیادہ کمک کا اضافہ کر دیا گیا تھا ۔ محاذ جنگ اتنا وسیع تھا کہ صحرا سے لے کر بحیرۂ روم تک پھیلا ہوا تھا ۔ بحیرۂ روم پر سراسر برطانوی بیڑا چھایا ہوا تھا ۔ برطانوی فوجوں نے جو لائن بنائی تھی، وہ بے حد مستحکم تھی ۔ علاوہ ازیں برطانوی فوجیں تعداد میں بھی ترکی فوجوں سے زیادہ تھیں ۔ جرمن جرنیل نے جو منصوبہ بنایا تھا ، اس میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ نمبر ۸ عثمانی آرمی حملہ کرے گی اور اس کے ساتھ ساتھ نمبر ۷ آرمی ، جو مصطفیٰ کمال کے تحت ہے بئرالسبع سے حملہ آور ہو کر انگریزی فوجوں کو سمندر میں پھینک دے گی ۔ اس طرح اس لڑائی کا سب سے مشکل حصہ مصطفیٰ کمال کے سپرد تھا جنھیں یہ خیال تھا کہ یہ منصوبہ ناقابل عمل ہے ، کیونکہ ترک فوج کی تعداد کم ہے ، مواصلات کے ذرائع مفقود ہیں ، آلات اور سامان جنگ ناکافی ہے اور علاقہ سنگلاخ ہے ۔ انھوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ محض ایک خیال خام کے پیچھے غیر ملکی

جرنیل[1] کی خواہش پر ترک سپاہیوں کو بھینٹ چڑھا دینا اچھا نہیں۔ اس وقت سیاسی معاملات اور فوجی حالات دونوں ہی خراب تھے۔ مصطفیٰ کمال نے ان سب خرابیوں کا خیال کرتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ میں اس فوج کا کمانڈار ہوں جسے ایک بہت ہی اہم مہم سونپی گئی ہے، یہ چاہا کہ ترکی وزارت جنگ کو ایک روداد لکھ بھیجیں اور اس میں فوج کی کمزوری اور دیگر نقائص کا بیان کریں نیز وہ تجاویز بھی لکھیں جن سے یہ نقائص رفع ہو سکیں۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۱۷ع کو انھوں نے کرنل عصمت کے ساتھ اپنی رپورٹ مرتب کی، جو نمبر ۳ آرمی کور کے کمانڈار کی حیثیت سے نمبر ۷ آرمی میں مصطفیٰ کمال کے ساتھ شامل تھے اور ان تجاویز میں ان کے ہم نوا تھے۔ یہ رپورٹ ملک کی صحیح صورت‌حال کے بیان اور آنے والے واقعات کی صحیح پیش گوئی کے اعتبار سے بہت واضح اور فصیح و بلیغ مراسلہ تھی۔ اس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ سول انتظام ناقابل اطمینان ہے، ملک کی تجارتی اور معاشی حالت ردی ہو چکی ہے اور فوج ساز و سامان کے علاوہ ہمت و حوصلے کے لحاظ سے بھی پست ہو رہی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے موقع پر جب کہ انتہائی خطرناک لڑائیوں کا ہر وقت امکان ہے، ترک فوج کی قسمت کو ایک غیر ملکی جرنیل کے ہاتھ میں دے دینا ہرگز مستحسن نہیں۔ اس رپورٹ میں یہ مشورہ بھی دیا گیا تھا کہ ترکی سلطنت کی بقا کے لیے نہایت طاقتور فوج موجود ہونی چاہیے۔ نظم و نسق بہتر ہونا چاہیے اور لوگوں کا حوصلہ بلند رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو سلطنت عثمانی کا عالی شان قصر یکایک بیٹھ جائے گا۔

تاہم رپورٹ میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا تھا، ترکی وزارت جنگ نے ان سے اختلاف کا اعلان کیا۔ اس پر مصطفیٰ کمال نے یہ

---

۱ - اُن دنوں جرمن جرنیل سانڈرس جسے ترکی حکومت نے لیمان پاشا کا خطاب دیا تھا، ترکی افواج کا سپہ سالار تھا۔ (مترجم)

بات جائز سمجھی کہ وزارت جنگ کی ہدایات کے برخلاف اپنی صواب دید پر اعتماد کریں۔ لہٰذا انھوں نے اپنا عہدہ کسی نائب کے حوالے کر دیا اور خود علیحدہ ہو گئے۔ ان سے استعفا واپس لینے کے لیے جو کچھ کہا گیا، انھوں نے اسے منظور نہ کیا۔ بالآخر وہ نمبر ۲ آرمی کے کمانڈار مقرر کر دیے گئے لیکن انھوں نے یہ عہدہ بھی نا منظور کیا۔ حکومت نے انھیں رخصت عطا کردی اور وہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں استنبول واپس آ گئے۔

قبل اس کے کہ جنرل فاکنین حملے کا آغاز کرتا، برطانوی فوجوں نے حملہ کر دیا اور فلسطین پر یلغار کر کے یروشلم پر قبضہ کرلیا۔ ان واقعات نے ثابت کر دیا کہ مصطفیٰ کمال کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔

جن دنوں مصطفیٰ کمال استنبول میں چھٹی پر تھے، انھیں ولی عہد سلطنت شاہزادہ وحیدالدین کی جلو میں رہنے پر متعین کردیا گیا جو قیصر جرمنی سے ملنے کے لیے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے قیصر جرمنی خود عثمانی سلطان سے ملنے کے لیے آئے تھے، اور ۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء سے ۵ جنوری ۱۹۱۸ء تک سلطان کے مہمان رہے تھے۔ اس طرح ولی عہد کا یہ سفر جوابی ملاقات کے بطور تھا۔ مصطفیٰ کمال کو ہمرکاب لیے ہوئے ولی عہد نے جرمنی کے جنرل ہیڈکوارٹر کا معائنہ کیا، جنگ کے محاذ دیکھے اور قیصر ولیم سے ملاقات کی۔ نیز مارشل ہنڈن برگ اور جنرل لڈن ڈورف سے بھی ملے۔ جرمنی کے جنگی محاذوں پر جو صورت حال تھی، مصطفیٰ کمال کو اس کے دیکھنے کا موقع ملا۔ انھوں نے اپنی فطری صاف گوئی سے کام لے کر اس خدشے کا اظہار کیا کہ مستقبل میں ترکی ولی عہد اور جرمنی کے سردار سخت تباہی سے دوچار ہوں گے۔ انھوں نے اپنے احساسات کو جن لفظوں میں بیان کیا وہ یہ ہیں:

"جنگی محاذوں اور صورت حال کا صحیح مطالعہ کرنے کے بعد میں نے بالآخر وہی رائے قائم کی جس کا اظہار میں نے اس وقت

کیا تھا جب ترکیہ نے جنگ میں شرکت کی تھی - یعنی جرمن فوج اور جرمنی کے تمام حلیف شکست کھائیں گے ۔"

بعد ازاں مصطفیٰ کمال بیمار ہو کر استنبول واپس آئے ۔ ایک دو ماہ بعد وہ آرام اور علاج کے لیے ویانا اور کارلسباد چلے گئے ۔ کارلسباد میں جو وقت مصطفیٰ کمال نے گزارا ، اس نے ان کی زندگی میں بڑا انقلاب پیدا کیا ۔ وہ ابھی کچھ عرصے پہلے تک محدود سی دنیا میں زندگی بسر کر رہے تھے ۔ یہاں آ کر انھوں نے یورپ کے ایک مہذب اور متمدن شہر میں زندگی بسر کی تو انھیں یہ موقع ملا کہ وہ اس نئے ماحول میں سے اپنے ملک کے مسائل پر ہمہ گیر نظر ڈالیں اور ان کا حل سوچیں ۔ یہاں انھیں یہ موقع بھی ملا کہ مطالعے کے ذریعے سے اپنے ذہن کو قوی تر بنائیں ۔ اُن دنوں انھوں نے اپنے دوستوں کو جو خط لکھے ، اُن میں اپنے نئے خیالات اور رجحانات کا اظہار کیا ۔ ابھی وہ کارلسباد ہی میں تھے کہ جنرل فاکنین کو جرمن حکومت نے واپس بلا لیا ، کیوں کہ ملک شام کی لڑائیوں میں اُسے سخت ناکامی ہوئی تھی۔ اس کی جگہ مارشل لیمان فان سانڈرس کو ترکی کی برق انداز فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا ۔ ۳ جولائی ۱۹۱۸ع کو عثمانی بادشاہ سلطان (رشاد) کا انتقال ہوا اور ولی عہد شاہزادہ وحیدالدین تخت سلطنت پر بیٹھے ۔ چند ہی روز بعد انھوں نے مصطفیٰ کمال کو استنبول میں طلب کرلیا ۔

۷ اگست ۱۹۱۸ع کو مصطفیٰ کمال پھر اُسی نمبر ۷ آرمی کے کماندار مقرر کیے گئے جو فلسطین میں تعینات تھی ۔ انھوں نے ۱۸ ستمبر کو اپنا عہدہ سنبھال لیا ۔ اس وقت نمبر ۷ آرمی دریائے اُردن اور نابلوس کے جنوبی حصے کے درمیانی علاقے میں مورچے جمائے ہوئے تھی ۔ گشتی دستوں اور جاسوسوں کی رپورٹوں سے یہ معلوم ہوا تھا کہ غنیم حملے کی تیاریاں کر رہا ہے ۔ صورت یہ تھی کہ نمبر ۷ آرمی کے دائیں بازو پر نمبر ۸ آرمی صف آرا تھی اور بائیں بازو پر دریائے اُردن موجزن تھا ۔ نمبر ۷ آرمی کے عقب میں

نمبر ۴ آرمی مورچے جمائے ہوئے تھی - ۱۸-۱۹ ستمبر کو برطانوی فوجوں نے جو ہر لحاظ سے برتر تھیں، پوری تیاری سے حملہ کردیا - حملے کا پہلا ریلا نمبر ۷ آرمی کے قلب پر ہوا جس کے کمانڈار مصطفیٰ کمال تھے۔ انھوں نے دن بھر مقابلہ کر کے انگریزی فوجوں کا منھ پھیر دیا - یہاں ناکام ہوکر غنیم نے نمبر ۸ آرمی پر حملہ کیا اور پہلے ہی دن اس میں شگاف ڈال کر اسے دو ٹکڑے کردیا - برطانوی فوج نے حربی داؤ پیچ سے کام لے کر بہت جلد منظم پیش قدمی کی جس سے نمبر ۸ آرمی کو پسپا ہونا پڑا۔ اس پسپائی میں اسے شکست فاش اٹھانی پڑی جس کی وجہ سے نمبر ۸ آرمی کا دایاں بازو دشمن کی زد میں آ گیا - یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ترکی فوجیں نرغے میں آ جائیں گی - نمبر ۸ آرمی اس طرح تباہ ہوئی کہ پیچھے ہٹ کر نئی دفاعی لائن بنانے کے قابل بھی نہ رہی - اس کے یہ معنی تھے کہ اب نمبر ۴ آرمی اور نمبر ۷ آرمی کو بھی اپنے مورچے چھوڑنے پڑیں گے - غنیم کی پیش قدمی اتنی تیز تھی کہ نمبر ۷ آرمی کا سلسلۂ مواصلات کٹ گیا اور وہ تین طرف سے دشمن کے نرغے میں آ گئی - مشرق کی جانب دریائے اردن موج زن تھا اور یہی وہ پہلو تھا جدھر سے یہ فوج پیچھے ہٹ سکتی تھی -

لیکن اس پہلو پر یہ مشکل تھی کہ دریا کو پار کرنے کے لیے کوئی کشتی دست یاب نہ تھی - نہ کوئی پل تھا - شمال میں قصبۂ بیسان کے پاس پل تھا - یہ پل اور قصبہ پہلے ہی دشمن کے قبضے میں جا چکے تھے - نمبر ۷ آرمی کے لیے صرف یہ صورت نجات باقی تھی کہ کسی طرح دریائے اردن کو عبور کرے اور شمال کی طرف ہٹ کر مورچے جما لے - یہ کام سخت مشکل تھا کیوں کہ اسے انجام دینے کے لیے یہ بات ضروری تھی کہ دشمن کے گھیرے کو توڑ کر کسی طرح کشتیوں اور پل کے بغیر دریا کو عبور کرنے کا بندوبست کیا جائے - تاہم نمبر ۴ اور نمبر ۷ آرمی نے اپنی مشترکہ تدبیروں سے دشمن کو قصبہ بیسان پر روکے رکھا اور ۲۲ و ۲۳ ستمبر کو

نمبر ۷ آرمی دریائے اردن عبور کر کے مشرق کی طرف نکل آئی۔ مختلف فوجوں کے دستے بھی اسی میں آ ملے اور یہ سب فوجیں شمال کی جانب ہٹ آئیں۔ یہاں ان سبھوں کو حکم ملا کہ کوہ عجلون سے گزر کر درعا کی طرف ہٹتے چلے آئیں۔

۲۶ ستمبر ۱۹۱۸ع کو نمبر ۷ آرمی نے درعا کے مقام پر اپنا ہیڈکوارٹر قائم کیا۔ یہاں یہ اطلاعات ملیں کہ غنیم طبریہ جھیل کے ساحل سے شمالاً جنوباً بڑھتا ہوا شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ مجبوراً ترکی فوجوں نے اگلے دن مزید ہٹ کر دمشق کی طرف حرکت شروع کی۔ ۳۰ ستمبر کو مصطفی کمال نے درعا کو خیرباد کہا اور کسوہ کی طرف روانہ ہوئے جو دمشق کے جنوب میں ہے۔ انھوں نے نمبر ۷ آرمی کو حکم دیا کہ کسوہ کے مقام پر اپنی ترتیب درست کرے۔ اس سے دو روز پہلے ۲۸ ستمبر کو برق انداز فوجوں کے سالار نے مصطفی کمال کو حکم دیا تھا کہ وہ مقام ریاق میں پہنچ کر محاذ کے دائیں بازو پر اپنے دستوں کو نئی ترتیب سے مورچہ بند کریں۔ ۳۰ ستمبر کو مصطفی کمال ریاق میں پہنچے۔ یہاں آنے سے ایک دن پہلے انھوں نے اپنی ماتحت فوجوں کے مختلف دستوں کے لیے یہ انتظام کر دیا تھا کہ انھیں مزید احکام نمبر۴ آرمی کی طرف سے ملتے رہیں۔ دمشق میں یہ صورت واقع ہوئی کہ وہاں کے عرب باشندوں نیز آس پاس کے عربوں نے ترکوں کے خلاف شورش برپا کردی جس سے غنیم ۳۰ ستمبر کو دمشق میں داخل ہوگیا۔ اس حادثے سے ترکی فوجوں کا یہ مرکز عملی اعتبار سے بالکل ٹوٹ گیا۔

ان حالات میں یہ طے پایا کہ ترکی برق انداز فوجوں کو بہ مقام حلب ہٹ آنے کا حکم بھیجا جائے۔ ۵ اکتوبر کو نمبر ۷ آرمی کا ہیڈکوارٹر حلب میں آ پہنچا۔ ۱۳ اکتوبر کو یہ ہیڈکوارٹر اور نمبر۴ آرمی کے بچے کھچے دستے نمبر ۷ آرمی میں شامل کر دیے گئے۔ اس طرح شام کے محاذ کو سنبھالنا سراسر نمبر ۷ آرمی کی ذمہ داری

قرار پایا جس کے کمانداز مصطفیٰ کمال تھے - اس اثنا میں بلغاریہ کی فوجوں نے اتحادی فوجوں کے ساتھ معاہدہ کر کے صلح نامۂ سالونیکا پر دستخط کردیے تھے۔ اس طرح جرمنی اور آسٹریا سے حکومت ترکی کے بّری مواصلات کٹ کر رہ گئے - ۸ اکتوبر کو طلعت پاشا کی وزارت نے استنبول میں استعفا پیش کردیا اور سلطان وحیدالدین نے توفیق پاشا کو نئی وزارت مرتب کرنے کا حکم دیا - یہ خبر سنتے ہی مصطفیٰ کمال نے سلطان کو تار بھیجا جس میں یہ گزارش کی کہ نئی وزارت بنانے کا کام عزت پاشا کے سپرد کیا جائے اور اس میں مجھے نیز فتحی بک، تحسین بک، رؤف بک، جانبولاد بک، عزمی بک اور شیخ الاسلام خیری آفندی کو شامل کیا جائے۔ مصطفیٰ کمال نے عزت پاشا کو بھی ایک تار بھیجا جس میں درخواست کی کہ مجھے نئی کابینہ میں وزیر جنگ بنایا جائے۔ عزت پاشا نے اس کا کچھ ایسا جواب دیا جس سے اس درخواست کی منظوری مترشح ہوتی تھی - لیکن چند روز بعد مصطفیٰ کمال کو معلوم ہوا کہ انھیں نئی کابینہ میں شامل نہیں کیا گیا - (۱۴ اکتوبر ۱۹۱۸ ع)

حلب کی طرف پیچھے ہٹتے وقت مصطفیٰ کمال نے حکم دیا تھا کہ نمبر ۷ آرمی کی دوبارہ تنظیم کی جائے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے ایک کمیشن (وفد) بھی تیار کیا تھا - اس کام میں نمبر ۳ کور کے کمانداز کرنل عصمت اور نمبر ۲۰ کور کے کمانداز جنرل علی فواد جبہ صوی (جو بعد ازاں وزیر مواصلات بنے) مصطفیٰ کمال کے قابل اعتماد معاون تھے - دوبارہ تنظیم کا کام زور شور کے ساتھ شروع ہوا اور نئے یونٹ بنائے گئے - اس اثنا میں دشمن نے دمشق کے شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی - اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ دشمن کی فوجیں اسکندرون پر اتریں گی لہٰذا اسکندرون کے ارد گرد اور جنوب میں دفاعی تیاریاں ضروری تھیں - حلب کے علاقے کو ایسے غنیم کی فوجوں سے محفوظ رکھنا قطعاً ناممکن تھا جنھیں سوار دستوں اور بکتر بند فوجوں کی کمک مل چکی تھی -

لہٰذا اسی علاقے کا دفاع ممکن تھا جو قصبے کے شمال میں پہاڑوں میں واقع تھا۔ برق انداز فوجوں کے ہیڈ کوارٹر کو اس حقیقت کا علم تھا اور اس نے نمبر ۷ آرمی کو یہ ہدایات جاری کردی تھیں کہ جہاں تک ممکن ہو غنیم کے مقابلے سے پیچھے نہ ہٹا جائے۔ لیکن اگر حلب کے آس پاس غنیم کی طاقت بہت بڑھ جائے تو وہ علاقہ خالی کردیا جائے اور پہاڑی علاقے میں مزاحمت جاری رکھیں۔ نمبر ۷ آرمی نے ان ہدایات کی تعمیل میں جرأت اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔ ۱۷ اکتوبر تک نمبر ۲۰ آرمی کور حلب کے قریب موجود رہی اور نمبر ۳ کور نے مسلمیہ اور قطمہ میں مورچے جمائے رکھے۔

اس وقت کرنل عصمت کو نمبر ۳ کور کی کمانداری سے ہٹا کر ان کا تبادلہ استنبول میں وزارت جنگ کے دفتر میں بحیثیت مشیر کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا فوجوں کی دوبارہ تنظیم اور ترتیب نیز فوجی اقدامات کا کام مصطفیٰ کمال نے اپنی ذاتی ہدایات کے تحت جاری رکھا۔ اس عرصے میں ان کا بیشتر وقت گھوڑے کی پشت پرگزرتا تھا۔ نمبر ۲۰ کور کے کماندار علی فواد ان کے ساتھ رہتے تھے جن پر وہ یہ حقیقت واضح کیا کرتے تھے کہ سلطنت عثمانیہ کو تباہی سے بچانے کی صرف ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ سلطنت کی حدود میں ایک اور نئی حکومت قائم کی جائے جس میں فقط ترک آباد ہوں۔

۲۳ اکتوبر کو نئے محاذوں پر لڑائیاں شروع ہوئیں اور ۲۵ اکتوبر کو محاربات حلب کے جنوب کی طرف ہونے لگے۔ اس روز شہر میں سنگین واقعات رونما ہوئے۔ ابھی حلب کے جنوب میں لڑائی ہو رہی تھی کہ شریف حسین کی عرب فوجیں جو انگریزوں کی حلیف تھیں، مشرق کی طرف سے حملہ آور ہوکر حلب میں داخل ہوگئیں۔ شہری آبادی بھی بغاوت کر کے ان کی رفیق ہوگئی۔ گلی کوچوں میں لڑائی ہونے لگی جس میں ترک فوجوں کی قیادت مصطفیٰ کمال خود کر رہے تھے۔ انھوں نے عرب فوج کو شہر سے نکال دیا۔ لیکن حلب پر مزید قبضہ رکھنا اب ناممکن ہوگیا تھا۔

لہٰذا ۲۵-۲۶ اکتوبر کی درمیانی شب میں نمبر ۷ آرمی شمال کی طرف پانچ کیلومیٹر تک ہٹ آئی ۔ اس کا ہیڈ کوارٹر حلب سے قطمہ میں منتقل کر دیا گیا ۔ ۲۶ اکتوبر کو برطانوی اور عرب فوجیں شمال کی طرف پیش قدمی کرنے کی کوشش کر رہی تھیں ۔ ترک سپاہیوں نے اتنی شدید مزاحمت کی کہ انھیں پیچھے ہٹا دیا ۔ دشمن کے پیہم حملوں کے باوجود نمبر ۷ آرمی حلب کے شمال میں اپنی آخری لائن پر ڈٹی رہی بلکہ دو روز بعد انطاکیہ کے شہر پر بھی قبضہ کرلیا ۔ اس طرح مصطفیٰ کمال نے اپنی تدبیر سے جو دفاعی لائن قائم کی وہ انطاکیہ سے حلب کے ایک شمالی نقطے تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ تقریباً وہی لائن ہے جو آج کل ترکیہ کی جنوبی سرحد بنی ہوئی ہے اور یہ کہنا درست ہوگا کہ ترکیہ کی یہ بین الاقوامی سرحد انھی جانباز ترکوں کی سنگینوں نے قائم کی تھی ۔ اس لائن پر جو محاربات ہوئے انھیں پہلی جنگ عظیم میں ترکی اور برطانوی فوجوں کی آخری لڑائی سمجھیے ۔ یہی محاربات جنگ آزادی کی پہلی لڑائی سمجھے جاسکتے ہیں ۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ مصطفیٰ کمال نے اپنے وطن کو تباہی سے بچانے کے لیے جنگ آزادی کا جو یقینی منصوبہ تیار کیا تھا وہ انھی محاربات کے نازک لمحوں کی پیداوار تھا۔ غرض یہ فیصلہ اسی سر زمین پر کیا گیا تھا جسے بعد میں عملی جامہ پہنایا گیا ۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو ترکی حکومت نے اپنی فوجوں کو جنگ بندی کے اس عہد نامے کی شرائط سے آگاہ کیا جس پر اس نے بہ مقام مودروس (موندو روس بھی درست ہے) دستخط کیے تھے ۔ عہد نامے میں یہ شرط بھی تھی کہ جرمنوں کو ترکیہ سے خارج کر دیا جائے اس لیے ۳۱ اکتوبر کو جرمنی جرنیل کے بجائے مصطفیٰ کمال کو برق انداز فوج کا کمانداز مقرر کیا گیا ۔ صلح تو ہو چکی تھی لیکن اب ملکی سیاست کا وہ نیا دور شروع ہوا جس میں حالات نے نیا پہلو اختیار کیا تھا ۔ ابھی مصطفیٰ کمال کو صلح نامے

کی پوری تفصیلات کا علم نہ تھا۔ انہوں نے صورت حالات پر قابو پانے کی کوشش کی اور یہ چاہا کہ ملک کو تباہی سے بچانے کے لیے کسی طرح کچھ مہلت حاصل کرلیں۔ انہوں نے برق انداز فوج پر جلد از جلد پورا تصرف کرنے کے لیے انتہائی تیزی سے حرکت کی۔ جس روز ان کا تقرر ہوا اس کی سہ پہر کو وہ آطنہ کی طرف روانہ ہوگئے جہاں برق انداز فوج کا ہیڈکوارٹر قائم ہوا تھا اور لیمان پاشا (جنرل سانڈرس) سے جو اُن کا منتظر تھا، چارج لے لیا۔ لیمان پاشا نے اپنے وداعی پیغام میں فوجوں سے خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں مصطفیٰ کمال کو خراج تحسین پیش کیا:

> "آج میں برق انداز فوج کی سپہ سالاری عالی جناب مصطفیٰ کمال پاشا کے سپرد کرتا ہوں جنھوں نے متعدد لڑائیوں میں اپنی لیاقت کے جوہر دکھائے ہیں۔"

جب ۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو صلح نامۂ مودروس کی شرائط سپاہیوں کو تعمیل کے لیے سنائی گئیں تو مصطفیٰ کمال نائب سپہ سالار اعظم کے دفتر میں چیف آف سٹاف سے ملاقات کے لیے گئے۔ صلح نامے کی بعض دفعات عام اصطلاحی زبان میں اس طرح وضع کی گئیں تھیں کہ ان کے مختلف مطالب نکل سکتے تھے۔ مصطفیٰ کمال کا مدعا یہ تھا کہ ان دفعات کی وضاحت کرا لیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان دنوں اس دفتر کی سر براہی سلطان وحیدالدین سے متعلق تھی کیونکہ جنگ کے آخری ایام میں سپہ سالاری اعظمیٰ کا منصب سلطان نے برائے نام خود سنبھال لیا تھا۔ اس کے بعد ۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو مصطفیٰ کمال نے ایک تار بھیج کر یہ التماس کی کہ اگر تمام فوجیں برخاست کردی جائیں اور فاتح حریفوں کی تمام خواہشات ان کے حسب مراد اس طرح پوری کی جائیں کہ دفعات صلح نامہ میں جو شرائط مبہم ہیں ان کا مفہوم تک واضح نہ ہو سکے تو دشمنوں کا حوصلہ اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کا تدارک ناممکن ہو جائے گا۔

۶ نومبر کو مصطفیٰ کمال نے ایک اور تار وزیراعظم عزت پاشا

کے نام بھیجا جو سپہ سالار اعظم کے چیف آف سٹاف کا منصب سنبھالے ہوئے تھے۔ تار میں انھوں نے عرض کیا تھا کہ :

"دغا باز دشمنوں کی تجاویز اور ان کے طرز عمل کو جائز تسلیم کرنے کے جو احکام جاری کیے گئے ہیں میں طبعاً ان کی تعمیل سے قاصر ہوں۔ صلح نامے کی شرائط میں جو رعایتیں فتح مند حریفوں کے لیے رکھی گئی ہیں ، ان سے زیادہ رعایتوں کی ہدایت کر کے آپ یہ حکم دے رہے ہیں کہ ہم حریفوں کے مطالبات کو من و عن تسلیم کریں۔ چیف آف جنرل سٹاف کے احکام کی تعمیل کرنا میرا منصبی فرض ہے لیکن میں ان باتوں کو گوارا نہیں کرسکتا لہٰذا مجھے میرے موجودہ منصب سے سبکدوش کر کے میری جگہ کسی اور شخص کو تعینات کر دیا جائے۔"

مصطفیٰ کمال نے ہر مناسب موقع پر وزیر اعظم کو تار بھیج بھیج کر اپنے اعتراضات اور اختلافات کا اظہار کیا اور عزت پاشا کی توجہ ان ہولناک آفات و مصائب کی طرف مرکوز کی جو صلح نامۂ مودروس کی وجہ سے ترکوں پر نازل ہونے والی تھیں۔ انھوں نے التجا کی کہ ملک کو کسی ایسی مشکل میں نہ پھنسنے دیں کہ ترک اغیار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ جائیں۔ انھوں نے ان تمام کارروائیوں کے خلاف پر زور احتجاج کیا جو صلح نامے کی دفعات سے تجاوز کر رہی تھیں۔ دشمنوں نے احتجاج کی خبریں سن کر استنبول کے حکام اعلیٰ سے رجوع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وزیر اعظم نے مزید احکام بھیج کر مصطفیٰ کمال کے کاموں میں خلل اندازی کی۔ ان احکام میں سے ایک یہ تھا کہ قصبہ اسکندرون کو انگریزوں کے قبضے میں دے دیا جائے۔ مصطفیٰ کمال نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا :

"یہ صلح نامہ جس کی تمام دفعات کو تسلیم کر کے دستخط ٹھونک دیے گئے ہیں ، دولت عثمانیہ کے وجود اور مفادات

کا تحفظ کرنے سے قاصر ہے - ہمیں لازم ہے کہ جلد از جلد صلح نامے کی دفعات کے ان اہم اور دور رس مطالب کی توضیح کرا لیں جن کا مفہوم ہمارے دشمن بہ آسانی اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر کے ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں - اگر ایسا نہ ہوا اور دشمن کے مطالبات اسی طرح منظور ہوتے رہے تو یہ لوگ جو آج پاپاس کیلیس تک کے علاقے کا مطالبہ کر رہے ہیں ، بہت جلد مزید مطالبات کریں گے اور کہیں گے کہ ترکی فوجوں کو ہمارے اختیار میں دے دو - نیز ہمیں وزیروں کے تقرر اور تبدیلی کا اختیار بھی دو - مجھے اپنی قوم کی کمزوری اور ذرائع کی کمی کا پورا علم ہے لیکن میری محکم رائے یہ ہے کہ ہمیں وقت سے پہلے اس بات کا ٹھیک ٹھیک تعین کر لینا چاہیے کہ ہمارا ملک کس حد تک نقصان اٹھا سکتا ہے -"

باب ٦

دوران صلح میں مصطفیٰ کمال کے حالات

۳ نومبر ۱۹۱۸ء کو مصطفیٰ کمال نے وزیراعظم کو آن خطرات کی طرف متوجہ کیا جو ترکی پر چاروں طرف منڈلا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مجبوراً اپنی فوج کو یہ ہدایت بھی کی کہ جنگ بندی کی شرائط پر عمل کریں۔ بہ ایں ہمہ وہ اس بات پر برابر زور دیتے رہے کہ اسکندرون اور انطاکیہ کے علاقے (جو موجودہ ترکیہ کے صوبۂ خطائی میں شامل ہیں) خالص ترکی علاقے ہیں اور انھیں شام کے ملک میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جب "شامی سرحدوں" کی حدود پر بحث کی جائے تو یہ حقیقت ملحوظ رکھی جائے کہ یہ دونوں علاقے ہرگز شام سے متعلق نہیں بلکہ خالص ترکی ہیں۔ انھیں کسی طرح شام کا حصہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ صلح نامۂ مودروس کی دفعہ ۱۶ کے بموجب وہ تمام ترکی فوجیں جو شام کی حدود نیز حجاز، شام اور یمن میں موجود تھیں، اتحادی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پابند تھیں۔ لہٰذا مصطفیٰ کمال نے اپنی تمام فوجوں کو شام کی حدود سے ہٹا کر خالص ترکی علاقے میں بلا لیا تھا۔ اتحادی فوجوں کا موقف یہ تھا کہ شام کی سرحد مرعش کے شمال تک ہے۔ اس بنا پر ان کا مطالبہ تھا کہ مصطفیٰ کمال کی وہ فوج جو حلب کے شمال میں موجود ہے، ہتھیار ڈال دے۔ مصطفیٰ کمال نے اس مطالبے کی قطعی تردید کی اور اس بات پر زور دیا کہ شام کی سرحد وہ ہے جو میں نے بہ ذات خود نقشے کی مدد سے معین کی ہے اور جس کی حفاظت غیور و جسور ترکوں کی سنگینیں عملاً کر رہی ہیں۔ ایک عرصے بعد جب جنگ آزادی زور شور سے جاری تھی، مصطفیٰ کمال نے بالآخر اپنا یہی موقف فرانسیسیوں سے

منوا لیا اور صلح نامۂ انقرہ میں انھیں اسی سرحد کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا ۔

مصطفیٰ کمال کی رائے یہ تھی کہ جنگ بندی کی شرائط پر عمل ضرور کیاجائے لیکن اس طرح کہ ترکوں کے مفادات مجروح نہ ہونے پائیں ۔ اسی نقطۂ نظر کے بموجب انھیں اس بات پر اصرار تھا کہ میری فوجوں نے جس لائن کو ترکیہ کی جنوبی سرحد بنا لیا ہے اسے قائم رکھا جائے ۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے قبضے میں اتنی فوج ضرور باقی رہنے دی جائے جس کے سہارے صلح کی گفت و شنید باعزت طریقے پر کی جا سکے ۔

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے یہ لازم تھا کہ برق‌انداز فوج کی کمانداری نیز نمبر ۶ آرمی کے ان دستوں کی کمان جو موصل کے محاذ پر تھے ، مصطفیٰ کمال کے قبضے میں رہے ، علاوہ ازیں دیگر دستوں کو اپنے تحت رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ یہ وقت ضرورت نمبر ۶ آرمی کے کماندار سے مواصلات کا سلسلہ قائم رکھا جائے ۔ مصطفیٰ کمال نے منصوبہ تیار کرنا شروع کیا ۔ انھوں نے آس پاس کے کمانداروں کو احکام اور ہدایات بھیج دیں کہ بالائی طوروس (کوہ) اور اندرونی اناطولیہ میں جہاں جہاں ضروری سمجھو فوجوں کو متعین کر دو ، نیز گولے بارود کے ذخیروں کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دو ۔ مقصد صاف ظاہر تھا کہ زخم خوردہ ترکی فوجوں کے بچے کھچے دستوں کو دوبارہ منظم کر کے ایسی طاقتور اور کارکن فوج تیار کر لی جائے جو ترکیہ کے مفاد اور آزادی کی حفاظت کر سکے ۔

ان دنوں غیر ملکی دہشت پسند دستے شام کی سرحد سے گزرکر ترکیہ میں داخل ہونے لگے تھے ۔ انھیں روکنے کے لیے مصطفیٰ کمال نے عینتاب کے مقام پر ایک تنظیم قائم کی اور وہاں کے باشندوں میں خفیہ طور پر اسلحہ تقسیم کر دیا ۔ اس طرح مرعش اور عینتاب کا دفاع کرنے کی سبیل نکالی اور ترکیہ کی جنگ آزادی کی

تاریخ میں دو شاندار ابواب کا اضافہ کیا - مصطفیٰ کمال کی دلخراش نکتہ چینی ، بیباک انتباہات اور ٹھوس عملی اقدامات سے عاجز ہو کر حکومت استنبول نے سب سے آسان تدبیر اختیار کی - یعنی ان سے نجات پانے کے لیے حکومت نے ۷ نومبر ۱۹۱۸ع کو برق انداز فوج کی برخاستگی اور نمبر ۷ آرمی کے ہیڈ کوارٹر کو ختم کرنے کا حکم جاری کر دیا - مصطفیٰ کمال کو ہدایت کی گئی کہ واپس چلے آئیں اور وزارت جنگ کے دفتر میں حاضر ہو جائیں -

جب مصطفیٰ کمال کو برق انداز فوج کی برخاستگی کا حکم ملا تو ان کی زبان پر یہ الفاظ آئے :

"فوج کو ختم کر دیجیے لیکن اس کا نام و نشان نہ مٹائیے - اگر مجھے ایک چھوٹے سے دستے کی کمانداری بھی عطا کردی جائے تو میں اُس پر قانع رہوں گا اور اُسی منصب پر قناعت کر کے اپنی قوم کی خدمت کرتا رہوں گا -"

صاف ظاہر ہے کہ مصطفیٰ کمال کو اناطولیہ میں رہ کر فوجوں کی کمانداری کی خواہش تھی -

صلح نامۂ مودروس کے بموجب ترکی حکومت کے اقتدار میں کمی واقع ہو گئی تھی اور وزیر اعظم کے اختیارات سلب ہو چکے تھے - ان حالات میں بہ تاریخ ۹ نومبر ۱۹۱۸ع عزت پاشا نے استعفا دے دیا - سلطان نے ان کی جگہ توفیق پاشا کو وزیر اعظم مقرر کیا جنھوں نے ۱۱ نومبر کو نئی وزارت بنا لی - استعفا دینے سے پہلے عزت پاشا نے مصطفیٰ کمال کو ہدایت کی تھی کہ استنبول واپس چلے آؤ - مصطفیٰ کمال نے اس وقت تک آطنہ (Adana) میں تمام ضروری اقدامات کرلیے تھے - آن کا سرکاری منصب ختم ہو چکا تھا لہذا آطنہ میں آن کا مزید قیام بے سود تھا - اس کے برعکس استنبول واپس جانے میں یہ امکان تھا کہ وہ وہاں رہ کر ترکیہ کی سیاسی فلاح و بہبود کا کام کر سکیں -

۱۳ نومبر ۱۹۱۸ع کو مصطفیٰ کمال استنبول کے سٹیشن

"حیدر پاشا" پر اترے - اُسی روز جنگ بندی کی شرائط کے مطابق اتحادی بیڑہ آبنائے باسفورس سے گزر کر استنبول کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا - مصطفیٰ کمال یہ دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور اپنے ایڈی کانگ سے بولے کہ "یہ اتحادی بیڑہ جس راستے آیا ہے اسی راستے واپس جائے گا -" اپنے گھر تک پہنچنے میں انھیں محلۂ بک اوغلو سے گزرنا تھا جہاں غیر ترکی باشندوں کی آبادی تھی اور جنھوں نے اتحادی بیڑے کی تہنیت کے بطور اپنے گھروں پر غیر ملکی جھنڈے لگا رکھے تھے - مصطفیٰ کمال نے پہلا کام یہ کیا کہ عزت پاشا سے ملے، اُن کی مہینے بھر کی وزارت میں جو غلطیاں ہوئی تھیں، وہ سمجھائیں، اور مزید کارروائی کے متعلق اُن سے تبادلۂ خیال کیا -

ابھی توفیق پاشا کی کابینہ نے اپنا پروگرام پارلیمنٹ کی مجلس ارکان میں پیش نہیں کیا تھا، نہ اُسے اب تک اعتماد کا ووٹ ملا تھا - مصطفیٰ کمال چاہتے تھے کہ اُسے اعتماد کا ووٹ نہ ملے اور اس کے بجائے کوئی اور مضبوط اور حوصلہ مند کابینہ قائم ہو جائے جسے قومی مفادات سے مخلصانہ دلچسپی ہو - انھوں نے اپنے چند دوستوں نیز مجلس آئین کے چند ارکان کو اپنا ہمنوا بنا لیا لیکن انھیں خوف تھا کہ یہ انفرادی کوششیں کافی نہ ہوں گی - ۱۸ نومبر کو توفیق پاشا کے کابینہ کا پروگرام سنایا جانے والا تھا - اُس روز مصطفیٰ کمال مجلس ارکان میں پہنچے تا کہ ممبروں کو اپنے نظریات سنا کر اپنا ہمنوا کر سکیں - یہ ارکان جو مصطفیٰ کمال سے واقف تھے اور اُن پر اعتماد کرتے تھے، اُن کے گرد جمع ہو گئے اور اُن سے موجودہ صورت حالات کے متعلق سوال کرنے لگے - بعض کی صلاح یہ ہوئی کہ ان غیر رسمی گفتگوؤں کو چھوڑو، مناسب یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال پارلیمنٹ سے خطاب کریں - مصطفیٰ کمال نے کھل کر کہا کہ پہلا اقدام تو یہ ہونا چاہیے کہ نئی حکومت کو اعتماد کا ووٹ نہ دیا جائے - ممبروں نے کہا کہ اس صورت میں پارلیمنٹ کو توڑ دیا جائے گا - مصطفیٰ کمال نے سمجھایا کہ خواہ اعتماد کا ووٹ

دو یا نہ دو ، سلطان کے حکم سے پارلیمینٹ تو بہرحال توڑی ہی جائے گی ۔ لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ جو ارکان نجی کانفرنس میں حصہ لے رہے ہیں وہ توفیق پاشا کی کابینہ کو توڑنے پر آمادہ ہیں ۔ جلد ہی پارلیمینٹ کا اجلاس منعقد ہوا ۔ وزیر اعظم توفیق پاشا اپنے وزرا سمیت تشریف لائے اور پروگرام پڑھ کر سنایا ۔

جب انھوں نے اعتماد کا ووٹ طلب کیا تو کسی بحث یا اعتراض کے بغیر انھیں بے غل و غش اعتماد کا ووٹ دے دیا گیا ۔

مصطفیٰ کمال تماشائیوں کے احاطے میں بیٹھے یہ سب کارروائی دیکھ رہے تھے ۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ سخت مایوس ہوئے اور طے کیا کہ کوئی اور تدبیر اختیار کریں ۔ وہ سلطان کے خصوصی ایڈی کانگ تھے ۔ انھوں نے اسی حیثیت میں سلطان وحید الدین سے درخواست کی کہ مجھے شرف باریابی بخشا جائے ۔ سلطان نے جواب دیا کہ ۲۲ نومبر کو نماز جمعہ کے جلوس کے بعد انھیں باریابی کا شرف عطا کیا جائے گا ۔ وقت مقررہ پر باقی تمام ملاقاتیوں سے پہلے انھیں حضور میں طلب کیا گیا ۔ لیکن قبل اس کے کہ مصطفیٰ کمال اپنے نظریات کی وضاحت کر سکتے ، سلطان نے اُن سے اس فوج کی وفاداری کے متعلق سوالات شروع کر دیے جو مصطفیٰ کمال کی بہت گرویدہ تھی ۔ اس کے جواب میں مصطفیٰ کمال نے گذارش کی کہ کیا ظل سبحانی کو کوئی ایسی اطلاع ملی ہے یا کوئی ایسی وجہ ہے جس کی بنا پر یہ یقین کیا جا سکے کہ فوج حضور کے خلاف کسی تحریک میں حصہ لینے پر آمادہ ہے ؟ سلطان نے اس بات کا صاف جواب دینے سے پہلوتہی کی لیکن ان کی گفتگو سے یہ مترشح ہو گیا کہ انھیں فوج کی طرف سے جلد یا بہ دیر شورش کا یقینی اندیشہ ہے ۔ اس جواب سے مصطفیٰ کمال کے دل میں سلطان کی طرف سے بدظنی پیدا ہو گئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ ایسے مذبذب بادشاہ پر اعتماد کرنا بیکار ہے جس کے دل میں اس قسم کے اندیشے جاگزیں

ہوں - اس باریابی سے اگلے روز کرنل عصمت کو جنھیں فوج میں بے حد اہمیت حاصل تھی اور جو وزارت جنگ میں مشیر کے عہدے پر فائز تھے ، اس عہدے سے ہٹا کر وزارت جنگ کی تحویل میں دے دیا گیا تا کہ انھیں کسی فوجی دستے کی کمانداری پر مقرر کر دیا جائے - اس اقدام سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سلطان کی حکومت کو نوعمر کمانداروں پر مطلق اعتماد نہیں ہے -

پارلیمینٹ کے اجلاس والی تدبیر کی ناکامی سے ، نیز سلطان وحیدالدین سے ناکام ملاقات کے بعد مصطفٰی کمال کو صاف اندازہ ہو گیا کہ سلطان یا نام نہاد رفیقوں پر مزید اعتماد کرنا بیکار ہے - اسی روز سے انھوں نے طے کر لیا کہ وہ دوسروں سے مشورہ کرنے کے بجائے خود ہر معاملے کا فیصلہ اور ہر منصوبے پر آزادانہ عمل کیا کریں گے - انھی دنوں وہ اپنی والدہ کے مکان میں رہنا ترک کر کے "پیرا پالاس" ہوٹل کے ایک کمرے میں رہنے لگے جہاں وہ غیرملکی عمائد اور تنظیموں سے بہ آسانی رابطہ پیدا کر سکتے تھے - اُن دنوں استنبول میں مختلف غیر ملکی اخباروں کے نمائندے موجود تھے - مصطفٰی کمال نے سوچا کہ اگر اُن سے بات چیت کر کے انھیں اپنا ہمنوا بنا لیا جائے تو ترکیہ کے قومی مقاصد کو تقویت پہنچے گی یا کم از کم اتنا فائدہ ضرور ہو گا کہ ترکیہ کے دشمن جو پروپیگنڈا کر رہے ہیں اُس کو باطل کر دیا جائے - اس طرح صلح کانفرنس میں ترکیہ کی آزادی اور سالمیت کو محفوظ کرا لینے کے لیے زمین ہموار ہو جائے گی - یہاں رہنے سے ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ ملک و ملت کے مقامی اور بیرونی دشمن ترکیہ کے خلاف جو داؤ پیچ کر رہے ہیں ، اُن کا قریب سے مطالعہ کیا جا سکے - ان دنوں استنبول سیاسی سرگرمیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا - ملک کی آزادی کا پروگرام بنانے کے لیے ہر ہفتے نئی سیاسی پارٹیاں وجود میں آتیں جن میں سے بعض فقط چار چھ رفیقوں پر مشتمل ہوتیں - لیکن جب بھی قومی جذبے کے تحت کوئی تحریک قائم ہوتی ، مخالف اخباروں اور

پارٹیوں کا نعرہ یہی ہوتا کہ یہ تحریک بھی آسی انجمن ترقی و اتحاد کا شاخسانہ ہے جو جنگ عظیم میں ترکیہ کی شکست کی بدولت اپنی تمام سیاسی اہمیت کھو بیٹھی ہے - اس قسم کے لگاتار حملوں سے قومی اتحاد کی تمام آمیدیں برباد ہو رہی تھیں - داماد فرید پاشا جو سلطان کے بہنوئی تھے "حریت و ائتلاف فرقہ سی" کے سربراہ تھے - اس انجمن کا اثر اور دائرۂ عمل پورے ترکیہ پر حاوی تھا اور یہ انجمن "رفقائے انگلستان پارٹی[1]" کے ساتھ تعاون کرتی تھی جو ترکیہ میں جا بجا اپنے گرگے پھیلانے اور ان کے ذریعے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے کوشاں تھی - ملک کی اقلیتیں یعنی یونانی اور عیسائی وغیرہ جنھیں غیر ملکی اثر و نفوذ پر بھروسا تھا ، ترکیہ کا وقار برباد کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر سرگرمیاں دکھا رہی تھیں - اس اثنا میں ترکیہ کے ذی فہم دانشوروں نے ملک کی سالمیت محفوظ رکھنے کی تمام آمیدیں چھوڑ کر جگہ جگہ مـلّی انجمنیں بنانی شروع کر دی تھیں تا کہ ترکوں کے قومی حقوق ہی کو محفوظ کرسکیں - ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ع کو ازمیر میں "مدافعۂ حقوق عثمانیہ جمعیتی" قائم کی گئی - تھریس اور پاشا ایلی کے واسطے ایک سوسائٹی یکم دسمبر کو ادرنہ میں قائم ہوئی - ۴ دسمبر کو "ولایات شرقیہ مدافعۂ حقوق ملیہ جمعیتی" نامی انجمن قائم ہوئی جس کا مرکزی دفتر استنبول میں تھا - ساتھ ساتھ فوج کی برخاستگی جاری تھی اور روز افزوں غیر ملکی تسلط کے زیر اثر حکومت اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کر رہی تھی -

مصطفیٰ کمال پیرا پالاس ہوٹل میں وقت گزارتے رہے اور یہ کوشش کرتے رہے کہ جو با اثر اشخاص ملکی سیاسیات میں اہم حصہ لے رہے تھے ان سے یکے بعد دیگرے ملتے رہیں تا کہ یہ اندازہ کرسکیں کہ وہ کتنے لائق اور کس حد تک قابل اعتماد ثابت ہو سکتے ہیں - کچھ عرصے بعد وہ استنبول کے محلہ "شیش لی" میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگے - قیام استنبول کی پوری مدت انھوں نے اسی

۱ - ترکی نام "انگلیز محب لری جمعیتی"

گھر میں گزاری ۔ اب یہ مکان اتاترک میوزیم بنا دیا گیا ہے ۔ جنگ آزادی کی اولین تیاریاں اسی جگہ کی گئی تھیں ۔ یہیں مصطفیٰ کمال اپنے دوستوں سے ملتے، آئندہ کارروائیوں کے فیصلے کرتے اور لوگوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کیا کرتے کہ ایک دن ترکیہ ضرور آزاد ہو گا ۔

انھی ہنگاموں میں انھوں نے ایک کتابچہ شائع کرنے کا انتظام کیا جو انھوں نے ۱۹۱۴ع میں لکھا تھا ۔ ان دنوں وہ صوفیہ میں ملٹری اتاشی تھے۔ کتابچے کا نام "ایک افسر اور کمانڈر سے بات چیت" تھا ۔ جدید ترکیہ کی بغاوت ، جنگ بلقان اور محاربات طرابلس الغرب میں انھیں لڑائی کے جو تجربات ہوئے تھے ، انھیں بنیاد بنا کر مصطفیٰ کمال نے فوجی تربیت کے اصول وضع کرکے اس کتابچے میں درج کیے تھے ۔ جنگ میں حوصلہ مندی ، جارحانہ عزم اور ایجاد و تدبیر کی جو بنیادی اہمیت ہے ، اس کی وضاحت کے لیے انھوں نے متعدد مثالیں درج کی تھیں ۔ ترکی فوج کے افسر اور عہدہ دار جو جنگ عظیم کے محاذوں سے شکست کھا کر ابھی آئے تھے ، ان کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے یہ کتابچہ شائع کیا گیا تھا ۔ ان تمام سیاسی سرگرمیوں کے دوش بدوش انھیں اس حقیقت کا بھی احساس تھا کہ ملک کی حالت روز بروز نازک ہوتی جا رہی ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی صحت گر گئی اور وہ بیمار پڑ گئے ۔ اس کے باوجود وہ بستر پر لیٹے لیٹے اپنا کام کرتے رہتے ۔ حکومت نے انھیں نمبر ۲ آرمی کا انسپکٹر بنا کر قونیہ بھیجنا چاہا لیکن انھوں نے بیماری کا عذر کرکے یہ پیشکش مسترد کردی ۔ حقیقت یہ تھی کہ کسی آخری فیصلے پر پہنچنے ، نیز قابل اعتماد دوستوں کے ساتھ عہد و پیمان کرنے کے لیے انھیں مزید وقت درکار تھا ۔

ایک روز انھوں نے اپنے دوست ، سٹاف کرنل عصمت کو اسی مکان میں مدعو کیا ۔ دونوں نے اناطولیہ کا نقشہ کھول کر آئندہ منصوبوں کے متعلق بحث و تمحیص کی ۔ مصطفیٰ کمال نے اپنے

دل کی بات کرنل عصمت سے کہہ ڈالی - انھوں نے بھی کامل اتفاق کیا اور دونوں نے طے کیا کہ ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ کام کریں گے -

باب ۷

مصطفیٰ کمال قومی جد و جہد کی سربراہی کرتے ہیں

جب مصطفیٰ کمال کو یقین ہو گیا کہ اب میں استنبول میں تمام مفید اور ضروری کام کر چکا ہوں تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ اناطولیہ چلے جائیں اور وہاں اپنی تحریک کا آغاز کریں ۔ اُن کے سیاسی مخالف بھی انھیں استنبول سے سرکانا چاہتے تھے ۔ استنبول کے قیام کے دوران میں انھوں نے تعلقات پیدا کر کے اپنی سرگرمیوں سے جو نتائج پیدا کیے تھے ، نیز ان دنوں جو صورت حال تھی ، اس کی تفصیل انھوں نے یوں بیان کی ہے :-

”عوامی بہبود کے حامیوں نے استنبول میں مختلف ناموں کی پارٹیاں اور پروگرام بنائے تھے تا کہ مصیبت سے نکلنے کی کوئی سبیل سوچیں ۔ میں نے یکے بعد دیگرے یہ سب پروگرام مطالعہ کیے ۔ تجویزیں سب میں تھیں لیکن عمل درآمد کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہے ، اُس سے سب کے سب خالی تھے ۔ ظاہر تھا کہ اگر اس قسم کے سیاست دانوں کے ساتھ تعاون کیا بھی جاتا تو کوئی مفید مقصد حاصل نہ ہوتا ۔ مجھے کامل یقین تھا کہ جس چیز پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ عوام کی طاقت ہے ۔

”استنبول میں جو کچھ ہو رہا تھا ، ترکوں کو اس کی خبر نہ تھی ۔ صورت حال جتنی بھیانک تھی نیز جو تدابیر اختیار کی جا رہی تھیں اُن سے کسی کو آگاہی نہ تھی ۔ استنبول میں رہتے ہوئے قوم کو آنے والے مصائب سے آگاہ کرنا بھی ممکن نہ تھا ۔ لہٰذا میں نے طے کیا کہ استنبول سے نکل کر اپنی قوم کے جانباز سپاہیوں کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو جاؤں اور

اپنا کام کروں ۔ جن دنوں میں ان باتوں پر غور کر رہا تھا اور ان تجاویز کو بروئے کار لانے کے لیے دوستوں سے مشورے کر رہا تھا ، حکومت نے مجھے آرمی انسپکٹر کی حیثیت سے اناطولیہ بھیج دینے کی تجویز کی ۔ میں نے بے تامل خوشی خوشی یہ پیشکش قبول کر لی ۔"

۳۰ اپریل ۱۹۱۹ع کو مصطفیٰ کمال نمبر۹ آرمی کے انسپکٹر مقرر کر دیے گئے ۔ ۱۵ جون کو اس عہدے کا نام بدل دیا گیا اور وہ نمبر ۳ آرمی کے انسپکٹر کہلانے لگے ۔ مصطفیٰ کمال نے اسی روز سے اپنا کام شروع کر دیا اور افسران بالا سے مل کر دریافت کیا کہ میرے منصبی فرائض کیا ہیں ۔ انھوں نے اپنے زیر حکم دستوں کا تعین کرالیا اور ان کو مزید کمک سے مستحکم کروایا ۔ وزارت جنگ کی وساطت سے وزیر بحریہ سے درخواست کی کہ بحیرۂ اسود کے ساحل کی نگہداشت کے لیے انھیں دو عدد توپ بردار کشتیاں مہیا کی جائیں ۔ انھوں نے باب عالی (دفتر وزیراعظم) سے سیواس ، وان ، طربزون اور ارض روم کے گورنروں کو نیز ضلع صامسون کے سول ناظم کو یہ ہدایات جاری کروا دیں کہ مصطفیٰ کمال وقتاً فوقتاً جو احکام جاری کریں ، وہ ان کی تعمیل کریں ۔ یہ وہ حکام تھے جو اس علاقے میں جو مصطفیٰ کمال کی انسپکٹری کے تحت تھا ، حاکم تھے ۔ اس مقصد کے لیے جو ہدایات جاری کی گئیں ان کا مسودہ مصطفیٰ کمال نے خود بنایا تھا ۔ یہ مسودہ اسی وقت منظور ہوگیا اور مجلس وزرا نے ۶ مئی ۱۹۱۹ع کو انھیں شائع کر دیا ۔ ان ہدایات میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ مصطفیٰ کمال کے فرائض میں فوجی کارروائیوں کے علاوہ ملکی نظم و نسق بھی شامل ہے ۔ لہٰذا ان کی انسپکٹری کے حلقے میں نیز آس پاس کے علاقے میں جتنے فوجی یونٹ اور جتنے سول حکام ہیں ان پر ان کے احکام و ہدایات کی تعمیل فرض ہے ۔ باب عالی سے مصطفیٰ کمال کو ہدایت کی گئی کہ ایک وسیع رقبے میں جو سامان جنگ منتشر پڑا ہوا ہے اسے سمیٹ کر جلد از جلد

کسی جگہ ذخیرہ کرنے کا انتظام کریں ۔ انھیں یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ تمام نام نہاد انجمنیں اور غیر سرکاری تنظیمیں جن کی حوصلہ افزائی فوجی حکام کررہے ہیں اور جو اپنے رضاکار بھرتی کرنے میں مشغول ہیں ، اُن سب کو منسوخ کردیں ۔ آخری ہدایت یہ تھی کہ ہر قسم کی بھرتی کو ختم کر دیا جائے ۔

فوجی معاملات میں انسپکٹر کا فرض تھا کہ وزارت جنگ سے رجوع کرے لیکن اسے یہ اجازت تھی کہ دیگر معاملات میں براہ راست دوسرے اعلیٰ حکام سے گفت و شنید کر سکے ۔ یہ تمام ہدایات مصطفیٰ کمال کے مقاصد کے لیے ازبس موزوں تھیں ۔ وہ انھیں ہدایات سے مسلح ہو کر اپنے ہیڈ کوارٹر کی تنظیم اور کارآمد رفیقوں کو منتخب کرنے میں سرگرم ہوگئے ۔ استنبول کی جن تنظیموں اور جن اشخاص سے مل کر کام کرنے کا فیصلہ انھوں نے کیا تھا وہ ان سے ایک بار پھر ملے اور انھیں آخری احکام و ہدایات جاری کیے ۔ اتحادی قوموں کے جو ہائی کمشنر استنبول میں موجود تھے ان سے بھی ملاقات کی ۔ اناطولیہ میں ان کے اس اہم مشن پر روانہ ہونے سے ان ہائی کمشنروں کے کان کھڑے ہو گئے تھے ۔ اور جن ترک سیاست دانوں سے ان کے تعلقات تھے ان سے انھوں نے اپنے اندیشوں اور شبہات کا اظہار کر دیا تھا ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود سلطان وحید الدین اور ان کی حکومت کے ارکان جو مصطفیٰ کمال کو اناطولیہ بھیج رہے تھے ، ان کی جانب سے بدظن تھے ۔ جو ہدایات مصطفیٰ کمال کو دی گئی تھیں ان پر وزیر جنگ نے اپنے دستخط نہیں کیے ، بس اتنا ہی کیا کہ فرمان پر اپنی مہر لگا دی ۔ داماد فرید پاشا وزیر اعظم نے مصطفیٰ کمال کی روانگی سے پہلی رات کو انھیں عشائیے پر مدعو کیا ۔ کھانے کے بعد انھوں نے اناطولیہ کا نقشہ نکالا اور مصطفیٰ کمال کے انسپکٹری کے علاقے پر اور ان کے اختیارات پر بحث کرتے رہے ۔ اس بات چیت میں وزیراعظم نے ان شکوک و شبہات کا اظہار کر ہی دیا جو انھیں مصطفیٰ کمال کے

مقاصد کے متعلق تھے۔ اس کھانے پر جواد پاشا بھی موجود تھے جو بعد ازاں جنرل جواد چوپانلی کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ اسی روز انھیں چیف آف جنرل سٹاف مقرر کیا گیا تھا۔ وزیراعظم کے مکان سے واپس آتے وقت وہ مصطفٰی کمال سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ کیا تم کسی کارروائی کا منصوبہ بنا رہے ہو؟ مصطفٰی کمال نے جواب دیا کہ جی ہاں میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔

داماد فرید پاشا کی عشائیہ والی دعوت کے دن یعنی ۱۵ مئی ۱۹۱۹ع کو یونانیوں نے ازمیر پر قبضہ کر لیا۔ جب مصطفٰی کمال جانے سے پہلے وزیروں سے وداعی ملاقات کے لیے باب عالی میں گئے تو دیکھا کہ سب کے سب مایوس سے ہیں۔ جب انھوں نے مصطفٰی کمال کو زینے کے اوپر دیکھا تو بہت فکرمندی سے پوچھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ مصطفٰی کمال نے آخری مرتبہ مختصر الفاظ میں انھیں یہ ہدایت کی کہ ہمّت سے کام لیجیے۔

اگلے دن یعنی جمعہ ۱۶ مئی کو مصطفٰی کمال آخری مرتبہ سلطان کے نماز جمعہ والے جلوس (سلاملق) میں شریک ہوئے۔ سلطان وحید الدین نے انھیں شرف باریابی بخشا۔ اس روز سلطان بہت افسردہ و دل گیر تھا۔ اس نے ان جنگی جہازوں کی طرف اشارہ کر کے جو آبنائے باسفورس میں لنگر انداز تھے اور جن کی توپوں کے دھانے قصر شاہی کی طرف تھے یوں کہا:

”جو صورت حالات ہے وہ تم بھی دیکھ رہے ہو۔ مجھے کچھ نہیں سوجھتا کہ قوم کو تباہی سے بچانے کا کیا طریقہ ہے۔“

پھر سلطان نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا:

”کاش کہ ہماری قوم ہوش مندی اختیار کرے۔ کاش کہ یہ اپنی حفاظت کر سکے اور ہمیں بھی اس اندوہ ناک حالت سے نکالے۔“

مصطفٰی کمال نے سلطان سے عرض کیا کہ مجھے اپنے فرائض کی انجام دہی میں حضور کے اعتماد کی ضرورت ہے۔ مجھ پر اعتماد کیجیے۔

مصطفیٰ کمال نے انھیں اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ غیر ملکی افراد نیز میرے بدخواہ دشمن حضور کے سامنے میری برائیاں کیا کریں گے جس سے ان کا مقصد یہ ہوگا کہ میرے کام میں خلل پیدا کر دیں۔ میری استدعا ہے کہ حضور ان سازشوں پر توجہ نہ فرمائیں۔ مصطفیٰ کمال نے داماد فرید پاشا وزیراعظم نیز دیگر ممتاز سیاست‌دانوں سے بھی یہی صورت حالات صاف صاف بیان کر دی اور کہا کہ یہ سازشیں مجھے میرے مقاصد سے ہٹا نہیں سکتیں۔

اُسی رات کسی نے مصطفیٰ کمال کو اطلاع دی کہ جس جہاز سے تم جانے والے ہو، دشمنوں نے اُسے غرق کر دینے کی سازش کی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ استنبول میں رہ کر گرفتار ہونے سے یہ بات کہیں بہتر ہے کہ میں سمندر میں ڈوب جاؤں۔ غرض اپنے رفیقوں کو جلو میں لیے ہوئے وہ ایک دخانی کشتی "باندرمہ" پر سوار ہو کر استنبول سے روانہ ہوئے۔ دوشنبہ ۱۹ مئی کو صامسون کی بندرگاہ پر اتر کر سرزمین اناطولیہ پر قدم رکھا۔ اپنی عظیم الشان تقریر میں انھوں نے ان جذبات کا بہت تفصیلی بیان کیا ہے جو اُس وقت اُن کے سینے میں موج زن تھے:

"جنگ عظیم میں ترکیہ نے جن ملکوں کے ساتھ اتحاد کیا تھا وہ شکست کھا چکے تھے۔ جنگ بندی کے عہد نامے کی شرطیں نہایت سخت تھیں چنانچہ ترکی فوج پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا۔ جنگ عظیم کے صبر آزما، طویل سال اس طرح گزرے تھے کہ قوم تھک کر چور ہو گئی تھی اور افلاس میں مبتلا تھی۔ جن رہنماؤں نے ملک کو جنگ کی آگ میں جھونکا تھا وہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے۔ سلطان وحیدالدین جو تخت خلافت پر جلوہ افروز تھے، نہایت ذلالت سے ایسی تدبیریں سوچ رہے تھے جن سے وہ اپنی زندگی اور تخت سلطنت کو محفوظ رکھ سکیں۔ کابینہ جس پر سلطان کے بہنوئی (داماد فرید پاشا) کا تصرف تھا، سمجھ بوجھ،

ذرائع اور وقار سے عاری تھا - یہ بزدل کابینہ سلطان کے چشم و ابرو کے اشاروں پر چلتا تھا اور اس کے وزیر اپنی جانیں اور سلطان کی زندگی محفوظ رکھنے کے لیے ہر ذلّت کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے!

فوج سے ہتھیار اور گولہ بارود لیا جا چکا تھا: اگر کچھ باقی رہا تھا تو وہ بھی چھینا جا رہا تھا -

فتح مند اتحادی ملکوں نے طے کر لیا تھا کہ جنگ بندی کی شرائط کا پابند ہونا چنداں ضروری نہیں - اتحادی فوجیں اور بیڑے مختلف بہانوں کی آڑ میں استنبول پر چھائے ہوئے تھے - اورفہ، مرعش اور عین تاب کے صوبوں پر برطانیہ کا اور صوبہ آطنہ پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا - انطاکیہ اور قونیہ میں اطالوی سپاہی اور مرزیفون اور صامسون میں برطانوی فوجیں موجود تھیں - غیر ملکی افسر، عہدہ دار اور ان کے گماشتے ہر جگہ دندنا رہے تھے - آخر میں یہ تماشا اور ہوا کہ ہمارے روانہ ہونے سے چار روز پہلے ۱۵ - مئی ۱۹۱۹ع کو یونانی فوج ازمیر کے ساحل پر آکر اتر گئی کیونکہ اتحادی طاقتوں نے انھیں اس کی اجازت دے دی تھی!

ان سب آفتوں پر طرہ یہ تھا کہ ملک کی عیسائی آبادی ہر جگہ خفیہ طریقے یا علانیہ طور پر اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھی - یہ لوگ چاہتے تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو اپنے حوصلے نکال لیں اور ترکی سلطنت کو ملیا میٹ کر دیں -"

اس کے بعد مصطفٰی کمال نے اقلیتوں کی ان کوششوں کی تفصیل بتائی جو وہ ترکیہ کی سالمیت کو تباہ کرنے کے لیے کر رہی تھیں - ترکوں کی بنائی ہوئی بعض انجمنیں اور تنظیمیں بھی مقامی مفادات کی خاطر بلکہ غیر ملکیوں کی خوشنودی کے لیے انھی حرکتوں میں مصروف تھیں -

ملک کی جو حالت تھی اس کی مزید تفصیلات بیان کرتے

ہوئے انھوں نے بتایا کہ دشمنوں نے سلطنت عثمانی کو پارہ پارہ کرکے آسے آپس میں بانٹ لینے کا فیصلہ کر رکھا تھا ۔ ساری دنیا جس شخص کو سلطان اور خلیفہ کہہ کر پکارتی تھی اس کا یہ حال تھا کہ وہ اور اس کی حکومت کے ارکان اپنی زندگیوں اور عیش و آرام کو محفوظ رکھنے کے سوائے اور کچھ سوچتے ہی نہ تھے ۔ ترک عوام کو ان باتوں کی خبر نہ تھی اور پوری قوم اچھے قائدوں سے محروم ہوکر مایوسی و اضطراب کے عالم میں منتظر تھی کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے ۔ وہ لوگ جنھیں اندازہ تھا کہ قوم کے سر ہر کیسے مصائب ٹوٹنے والے ہیں ، اپنی معلومات اور لیاقت کے مطابق تدبیریں کر رہے تھے ۔ فوج فقط برائے نام رہ گئی تھی ۔ فوج کے کمانڈار اور افسر ، جو جنگ کے شدائد سے خستہ و درماندہ ہو رہے تھے ، یہ دیکھ کر اور بھی مغموم ہوتے تھے کہ ملک و ملت کے ٹکڑے اڑ چکے ہیں ۔ سب تباہی کے کنارے کھڑے تھے اور حیران تھے کہ اس سے بچنے کی کیا تدبیر کریں ۔ ترکی عوام اور فوج اب تک خود غرض سلطان کی دغا بازی سے آگاہ نہ تھے ۔ جب کبھی کوئی تدبیر سوچی جاتی تو یہ خیال بھی رکھا جاتا کہ فرانس اور برطانیہ وغیرہ کو ناراض نہ کیا جائے بلکہ ان کی دوستی اور حمایت ہی میں پناہ تلاش کی جائے ۔ ہر شخص کا پختہ خیال یہ تھا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے اتحادی ناراض ہو جائیں اور دوبارہ جنگ شروع ہو جائے ۔

ملک کو بچانے کے لیے جو تدبیریں تجویز کی گئیں مصطفیٰ کمال نے ان پر خوب بحث و تمحیص کی اور پھر وہ جس فیصلے پر پہنچے انھیں ان الفاظ میں بیان کیا :

”مجھے ان تمام تجویزوں میں کوئی معقولیت نظر نہیں آئی ۔ جن شہادتوں اور جن دلائل پر ان لوگوں کو اعتماد تھا وہ سب کے سب بے بنیاد تھے ۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت ترکی سلطنت کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور اب وہ تباہی سے ہمکنار

تھی - اس کے تمام مقبوضات ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بٹ چکے تھے اور وطن عزیز کا تھوڑا سا ٹکڑا باقی تھا جس میں ترکوں نے پناہ لی تھی - لیکن حریف اس بچے کھچے ٹکڑے کو بھی آپس میں بانٹ لینا چاہتے تھے - ترکی سلطنت ، آزاد حکومت ، سلطان ، خلیفہ ، انتظام سلطنت ــــــ یہ سب کے سب مہمل الفاظ تھے جن کا مفہوم اور معنی کچھ نہ تھا -

سوال یہ تھا کہ کن لوگوں کی حفاظت کی جائے ؟ اور یہ حفاظت کس کی امداد سے کی جائے ؟ ان حالات میں صحیح فیصلہ کیا تھا ؟ موجودہ حالات میں صحیح فیصلہ یہی ہوسکتا تھا کہ ایک نئی ترکی سلطنت قائم کی جائے جو مختار مطلق ہو، غیر مشروط طور پر آزاد ہو اور جس کی بنیاد قومی حکومت پر ہو -

یہی وہ فیصلہ تھا جسے میں اور میرے رفیق استنبول سے نکلنے سے پہلے کر چکے تھے اور جس کی تکمیل کے لیے ہم نے صامسون اور اناطولیہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عمل شروع کر دیا تھا - ہمارے فیصلے کی بنیاد مندرجہ ذیل قوی دلائل پر تھی :

ترکوں کے لیے باعزت زندگی بسر کرنا شرط حیات ہے - اسے حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد ہوں - ایک آزادی سے محروم قوم اگرچہ مال‌دار اور خوش حال ہو تاہم وہ معزز و محترم ہونے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی اور نہ یہ آرزو کر سکتی ہے کہ مہذب قومیں اس ذلت و پستی میں اس کے ساتھ با عزت سلوک کریں -

کسی غیر ملک کی حمایت اور سر پرستی قبول کر لینے کے یہ معنی ہیں کہ انسانی صفات کے تمام دعووں سے دست بردار ہوجائیے اور اس بات کا اعتراف کر لیجیے کہ ہم درماندہ و ضعیف ہیں - غور کرنے کی بات ہے کہ اپنی مرضی سے کون شخص غیروں کی غلامی میں جانے کو تیار ہوگا - ترکوں میں پاس عزت بہت زیادہ ہوتا ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ غلامی میں

رہنے سے یہ بہتر ہے کہ ہم فنا ہو جائیں ۔ لہٰذا ہم نے طے کیا کہ یا تخت یا تختہ ۔ جو لوگ ان دنوں صحیح حل ڈھونڈنا چاہتے تھے ان کا قول یہی تھا کہ یا آزادی یا موت ۔ ذرا سوچیے تو سہی کہ اگر اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے میں ہم کامیاب نہ ہوتے تو کیا انجام ہوتا ۔ یقیناً ہم سب غلام بن جاتے ۔
لیکن اگر خاموشی اختیار کر لی جاتی اور ہم ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے تب بھی یہی انجام ہوتا ۔
تاہم دونوں باتوں میں بڑا فرق تھا ۔ تباہی دونوں صورتوں میں ہوتی لیکن اگر ہم جان پر کھیل کر بھی ناکام ہوتے تو ساری دنیا ہماری عزت کرتی اور ہم بھی یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے کہ قوم نے عزت و آزادی کی راہ میں جان قربان کی ہے ۔ دوست دشمن ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ۔ اس کے برعکس اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے تو دنیا یہ فیصلہ کرتی کہ ترک وہ ذلیل اور درماندہ لوگ ہیں جنھوں نے غلامی کی بیڑیاں دیدہ و دانستہ پہن لی ہیں ۔"

ان سب باتوں کے باوجود صورت حال یہ تھی کہ اگرچہ مصطفیٰ کمال بذات خود ایک اٹل فیصلہ کر چکے تھے لیکن ان کی نگاہ میں بہت سی مشکلات بھی تھیں ۔ وہ جانتے تھے کہ قوم کو اس فیصلے کے تمام نتائج و عواقب سے آگاہ کر دیا جائے تو بہت سی دقتیں پیدا ہو جائیں گی ۔ لہٰذا انھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنی تحریک کے کئی حصے کر دیں تا کہ ایک مرحلہ طے کر لینے کے بعد اس کے واقعات سے مدد لے کر اگلے مرحلے کی تیاری کریں اور اس طرح درجہ بہ درجہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں ۔

مصطفیٰ کمال تقریباً ایک ہفتے تک صامسون میں ٹھہرے رہے ۔ پھر انھوں نے چاہا کہ کسی پرسکون مقام میں منتقل ہو جائیں ۔ ۲۵ مئی کو وہ قصبہ "حوضہ" میں چلے گئے تا کہ وہاں اپنی صحت بحال کر سکیں ۔ یہ قصبہ اپنے قدرتی چشموں اور آبجوؤں کی بدولت

مشہور جگہ ہے ۔

انھوں نے پہلا اقدام یہ کیا کہ اپنی ماتحت فوج کے ذریعے اُن یونانیوں پر دباؤ ڈالا جو صامسون میں اور اُس کے گرد و پیش موجود تھے ۔ ان لوگوں کے عزائم یہ تھے کہ ”پونطوس“ میں ایک یونانی ریاست قائم کر لیں ۔ مصطفیٰ کمال نے اس ضلع میں نظم و نسق بحال کردیا ۔

ان دنوں دشمنوں نے ازمیر (پرانا نام سمرنا) پر قبضہ کر کے جبر و تشدد اور نا انصافی کی نئی راہیں کھول دی تھیں ۔ مختلف مقامات کے لوگوں نے میونسپلٹی کی معرفت یا انجمن تحفظ حقوق کی وساطت سے مصطفیٰ کمال کی خدمت میں یہ عرضداشت پیش کی کہ ان ظالموں کے خلاف مزاحمت کی تحریک جاری کر کے اُس کی قیادت کیجیے ۔ مدتوں بعد مصطفیٰ کمال نے اس سلسلے میں بیان کیا کہ:-

”شریف اور مظلوم قوم کا یہ جایز مطالبہ سن کر میں نے اپنا مقدس فریضہ یہی قرار دیا کہ قومی خواہش کے سامنے سرتسلیم جھکا لوں کیونکہ میرا جسم اور جان قوم ہی کی امانت ہے ۔“

غرض انھوں نے قومی آزادی کا منصوبہ بروئے کار لانے کے لیے کوشش شروع کی ۔ اناطولیہ میں جتنے کماندار افسر تھے ، ان سے مصطفیٰ کمال نے مستقل رابطہ قائم کیا ۔ ایک مقبول عوامی تنظیم کی قیادت اختیار کی اور لوگوں کے دلوں کو نور یقین سے روشن کر کے عوامی جدوجہد کی بنیاد ڈال دی ۔ انھوں نے اپنے خیالات اور پروگرام نہایت سادہ زبان میں پیش کیے ۔ ۲۶ مئی کو حوضہ کے معزز اشخاص سے انھوں نے یوں خطاب کیا :

”ہم ہرگز ہمت نہ ہاریں گے ۔ ہماری کوششیں جاری رہیں گی اور ہم اپنے وطن عزیز کو بچائیں گے ۔ اغیار ہمیں مارنا نہیں چاہتے بلکہ زندہ در گور کرنے کے خواہش مند ہیں ۔ ہم تباہی کے غار کے منہ پر کھڑے ہیں ۔ پس و پیش کی گنجائش ہی نہیں ۔ ایک بار اور ہمت سے کام لو تو قوم بچ سکتی ہے ۔“

۲۶ مئی کو انھوں نے "حوضہ" سے اناطولیہ کے تمام فوجی کمانداروں ، سول حکام اور قومی تنظیموں کو ایک خفیہ مراسلہ بھیجا ۔ انھوں نے ان تمام تباہ کن خطرات کی تفصیل بیان کی جن سے قوم دوچار تھی اور کہا کہ دشمنوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے ۔ تمام اہم اور کلیدی مقامات پر اُن کا قبضہ ہے اور بیرونی دنیا سے ہمارا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے ۔ مصطفیٰ کمال نے لوگوں کی ہمت افزائی کر کے انھیں بڑے بڑے اور پرجوش اجلاس منعقد کرنے کی ترغیب دی تا کہ جہاں تک ممکن ہو قومی جذبات کا اظہار بار بار واشگاف الفاظ میں کیا جائے اور ملک بھر میں یہ تحریک پھیلا دی جائے ۔ انھوں نے سمجھایا کہ اغیار نے ہمارے ملک پر قبضہ کر کے اُس کے حصے بخرے کر لیے ہیں جس سے ترکیہ کی آزادی اور زندگی کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی ہیں اور قوم کا ہر فرد نڈھال ہو چکا ہے ۔ لہٰذا ساری دنیا پر واضح کر دو کہ اب ہم اپنے غیظ و غضب کو ضبط نہیں کر سکتے ۔ دنیا کے ہر حصے میں تار بھیج بھیج کر یہ اعلان کر دو کہ اب ترکیہ پر یہ مظالم ختم ہونے چاہییں !

اگلے روز انھوں نے آرمی کور کو ایک حکمنامہ بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے :-

"دشمن جو راہ اختیار کرنے والے ہیں اُس کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہم پر شمال ، مشرق اور مغرب کی طرف سے بہ یک وقت حملہ ہونے کا شدید خطرہ ہے ۔ اور کیا عجب ہے کہ جنوب کی طرف سے بھی حملہ ہو جائے ۔"

اس قسم کے جارحانہ حملے کی صورت میں دفاع کا بہترین ذریعہ گوریلا جنگ ہی ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ کم تعداد فوج سے لمبے چوڑے محاذ پر مقابلہ کرنے کا مؤثر طریقہ یہی ہے ۔ اس لحاظ سے ضروری تھا کہ عوامی دستوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے ۔ باقاعدہ

فوج سے صرف اس وقت کام لینا مناسب تھا جب گھمسان کی لڑائی پیش آ جاتی۔ مصطفیٰ کمال نے دفاع کا پہلا منصوبہ یہی بنایا۔

اس اثنا میں سلطان وحیدالدین نے شاہی کونسل کا اجلاس منعقد کیا تا کہ جنگ بندی کے معاہدے کے اصول طے کیے جائیں۔ لیکن اس اجلاس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اکثر ارکان نے حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے بیان کیا کہ معاہدے کے اصولوں پر قوم کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا یہ اصول قومی اسمبلی کے سامنے زیر بحث آنے چاہییں جو قوم کی نمائندہ ہے۔ اس کے باوجود داماد فرید پاشا وزیراعظم نے کمال جسارت سے کام لے کر ۲۶-مئی کو اخباروں کو یہ بیان جاری کر دیا کہ اجلاس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ترکیہ کو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک طاقت کی تولیت (حفاظت) میں دے دیا جائے!

مصطفیٰ کمال کو یہ خبر ملی تو انھوں نے وزیر اعظم کو احتجاجی تار بھیج کر گزارش کی کہ مجھے صحیح واقعات سے آگاہ کیا جائے۔ اسی روز یعنی یکم جون ۱۹۱۹ع کو انھوں نے ایک گشتی مراسلہ بھیج کر سارے ملک میں وزیراعظم کی دروغ بافی کا پردہ چاک کر دیا۔

سپریم صلح کونسل نے، جس کا اجلاس اتحادیوں نے پیرس میں کیا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ ترکیہ کے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے لیے استنبول سے ایک وفد بلایا جائے جو معاہدۂ صلح کے اصول سن لے۔ داماد فرید پاشا نے قوم سے مشورہ کیے بغیر، بجائے اس کے کہ قوم کا اعتماد حاصل کریں، ایک وفد بنایا اور خود اس کے قائد بن گئے۔

جب یہ خبریں مصطفیٰ کمال تک پہنچیں تو انھوں نے ۳ جون کو ایک اور گشتی مراسلہ جاری کیا جس کا مضمون یہ تھا:-

"چونکہ قومی حقوق کی حفاظت کے لیے پوری قوم نے قربانیاں دی ہیں اور وہی ان حقوق کو بہتر سمجھ سکتی ہے، لہٰذا

فتح مند قوموں کو لازم ہے کہ پوری قوم کے جذبات کا احترام کریں اور ہمارے حقوق کی پوری نگہداشت کریں - یہ حقوق جن کی حفاظت کا مصمم ارادہ پوری قوم کر چکی ہے یہ ہیں : اول ، دولت ترکیہ اور ترک قوم کی مکمل آزادی - دوم ، وطن عزیز کی اکثریت کو اقلیت کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے - کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے جو وفد جا رہا ہے اُسے لازم ہے کہ ان اصولوں کو ملحوظ رکھے -"

مصطفیٰ کمال کے ان مراسلوں نے قوم پر واضح کردیا کہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے - انھوں نے اپنے قول ہی سے نہیں بلکہ مخلصانہ خدمت سے بھی قوم کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا - اُن کی سرگرمیوں سے گھبرا کر استنبول کے غیر ملکیوں نے سلطان وحیدالدین کی حکومت پر اتنا دباؤ ڈالا کہ اس نے انھیں دارالسلطنت میں طلب کر لیا - ۸ جون کو وزیر جنگ نے انھیں بذریعۂ تار حکم بھیجا کہ فوراً استنبول میں واپس آ جاؤ - اس کے جواب میں مصطفیٰ کمال نے سلطان کو ایک تفصیلی تار بھیجا - ملک میں جو افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور وطن جن خطروں سے دوچار تھا اُن کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا کہ قوم کی خدمت کا جو فریضہ میں نے اپنے ذمے لے لیا ہے ، اُسے تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں استنبول میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں - بلکہ اگر ضروری ہوا تو میں سرکاری ملازمت ترک کر کے اناطولیہ کے عوام کے ساتھ رہنا چاہوں گا اور حب وطن کے فریضے کو زیادہ عزم و خلوص سے ادا کروں گا -

اُن دنوں انگریز لاکھوں رائفل اور اُن کے حصے بہ مقام صامسون منتقل کر رہے تھے - یہ رائفل وہ تھے جو انھوں نے صلح نامۂ مودروس کی شرائط کے بموجب دیار بکر میں ترک فوجوں سے لے لیے تھے - مصطفیٰ کمال نے گاڑیوں کے پورے قافلے کو روک کر سب سامان چھین لیا - مشرق صوبوں کی انجمن تحفظ حقوق کے اجلاس کے لیے ارض روم میں تیاریاں کی گئیں - اس اجلاس میں شریک

ہونے کے لیے مصطفیٰ کمال ۱۳ جون ۱۹۱۹ع کو حوضہ سے اماسیہ کی طرف روانہ ہوئے - انھوں نے عام لباس پہن رکھا تھا - حوضہ میں انجمن کے نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا :

"اب میرے پاس فوجی وردی نہیں ہے - جیسا کہ پہلے آپ صاحبان سے کہہ چکا ہوں ، اب میں اپنی قوم کا فقط ایک فرد ہوں -"

اس طرح انھوں نے فوجی ملازمت سے علیحدہ ہو جانے کا جو فیصلہ بذریعۂ تار سلطان کے گوش گزار کیا تھا ، اب اُس کی علانیہ تصدیق کر دی -

صورت حال یہ تھی کہ :

"مصطفیٰ کمال اُن تمام سرکاری احکام کی خلاف ورزی کر رہے تھے جن میں اُن کو استنبول واپس پہنچنے کی ہدایت کی جاتی تھی - اس کے ساتھ ساتھ وہ عوامی جد و جہد کی تنظیم اور قیادت بھی کر رہے تھے -"

اب انھیں یہ آرزو تھی کہ اپنی نجی کوششوں کو قومی سطح پر لے آئیں - اس مقصد کے لیے انھیں پوری قوم کی حمایت حاصل ہو چکی تھی جس کی قیادت وہ قوم کی کسی نمائندہ جماعت کے نام سے کرنا چاہتے تھے - اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہ ہمہ تن مصروف ہو گئے - ۱۸ جون کو انھوں نے تمام متعلقہ اشخاص کو یہ اعلان سنا دیا کہ مشرقی صوبوں کی انجمن تحفظ حقوق کے مستند نمائندوں کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس بہ مقام سیواس منعقد ہو گا - ان کی رائے میں یہ جگہ غیر ملکی حکومتوں کے اثر سے آزاد اور محفوظ تھی ، جہاں وہ واشگاف الفاظ میں قوم کی ترجمانی کر سکتے تھے -

۲۱-۲۲ جون ۱۹۱۹ع کی درمیانی رات میں مصطفیٰ کمال نے اپنا وہ تاریخی اعلان سنا دیا جس میں انھوں نے ملک کی آزادی اور سالمیت کی بقا کے لیے قوم کو متحد و متفق ہونے کی دعوت دی تھی - اس اعلان کے الفاظ کو انھوں نے مختصر کر کے اپنی "عظیم

تقریر" میں شامل کر لیا - اعلان کی دو ٹوک دفعات یہ تھیں :-

۱ - ملک کی سالمیت اور قوم کی آزادی خطرے میں ہے -

۲ - مرکزی حکومت نے جو ذمہ داری سنبھالی تھی وہ اسے انجام دینے سے قاصر ہے -

۳ - قوم کی آزادی کے تحفظ کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ قوم اس معاملے میں عزم بالجزم کا ثبوت دے -

۴ - ایک ایسی قومی جماعت کی تشکیل لازمی ہے جو ترکیہ کے مسائل کو حل کرنے اور دنیا کے رو برو اس کے حقوق کا اعلان کرنے میں غیر ملکی تسلط اور اثر سے آزاد ہو -

۵ - یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جلد از جلد قومی اجلاس بہ مقام سیواس منعقد کیا جائے کیونکہ یہ جگہ اناطولیہ میں ہر لحاظ سے محفوظ ترین مقام ہے -

۶ - مذکورہ بالا مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے ہر صوبے کے ہر ضلعے سے جلد از جلد تین ایسے نمائندے بھیجے جائیں جنھیں قوم کا اعتماد حاصل ہو -

۷ - واقعات کا مقابلہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ اجلاس کی کارروائی کو قومی راز کی طرح مخفی رکھا جائے۔ نمائندوں کو چاہیے کہ جہاں ضروری ہو ، وہاں اپنا بھیس بدل لیں -

اس کے ساتھ ساتھ مصطفیٰ کمال نے استنبول کے بعض ممتاز لوگوں کو نجی خطوط بھیجے - انھوں نے مندرجہ ذیل نکات پیش کر کے ان اشخاص سے تعاون کی درخواست کی :-

۱ - عظیم مقاصد کے حصول کے لیے محض جلسے اور مظاہرے کافی نہیں ہوتے -

۲ - اس قسم کی سرگرمیاں صرف اس وقت نتیجہ خیز ہوتی ہیں ، جب ان کی تائید کے لیے پوری قوم عملی طور پر اپنی مشترکہ قوت سے کام لے -

۳ - استنبول میں مختلف مکتب خیال موجود ہونے کے علاوہ قومی

مفاد کے خلاف پروپیگنڈا بھی ہو رہا ہے جس سے قومی مقاصد پارہ پارہ ہوتے جاتے ہیں ۔ یہ صورت حال سخت نقصان دہ ہے جو اگرچہ سر دست صرف مشکل اور صبر آزما ہے لیکن کسی بھی لمحے یہ ممکن ہے کہ حالات سخت نازک ہو جائیں ۔ اس سے پورا ملک مصیبتوں میں مبتلا ہے ۔

۴ ۔ مناسب یہ ہے کہ آج سے استنبول کی حکومت اناطولیہ پر حکمرانی کرنے کے بجائے اس کی محکوم ہو کر رہے ۔

مصطفیٰ کمال کی ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے دولت ترکیہ کے وزیر داخلہ علی کمال نے ۱۸ جون ۱۹۱۹ع کو صوبائی گورنروں کے نام تار بھیجے ۔ اس کے بعد اس نے ۲۳ جون کو صوبے کے گورنروں اور ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں کے نام اس مضمون کے تار بھیجے کہ حکومت نے مصطفیٰ کمال کو برخاست کردیا ہے ۔ اب ان کا کوئی عہدہ نہیں اور تمھیں لازم ہے کہ ان کے احکام کی تعمیل نہ کرو ۔ مصطفیٰ کمال کو یہ خبر بھی لگ گئی کہ سیواس کے باشندوں کو ان کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے ۔ نیز ایک شخص جو علاقۂ الغریز کا ناظم مقرر ہوا ہے ، راستے میں سیواس میں ٹھہر گیا ہے اور انھیں گرفتار کر لینے کی فکر میں ہے ۔ یہ خبر پا کر مصطفیٰ کمال ۲۶ جون کو خفیہ طریقے سے آماسیہ سے نکل کر اگلے دن توقات میں پہنچے ۔ یہاں انھوں نے قومی تنظیموں کے قائدوں سے رابطہ پیدا کیا ۔ انھوں نے صورت حال کی وضاحت کی ۔ بعض مقامی قائدوں نے تذبذب کے ساتھ دفاعی محاذ کی مشکلات بیان کیں تو مصطفیٰ کمال نے انھیں اندلس کے بدنصیب مسلمانوں کا حوالہ دے کر سمجھایا کہ ہتھیار ڈال دینے سے اس کے سوا اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مستقبل تاریک ہو جائے ۔ نجات کا راستہ یہی ہے کہ جان توڑ کر کوشش کی جائے ۔ ترکوں کے خون میں جفا کشی اور سخت کوشی کا وہ جوہر ہے جو اس مشکل وقت میں ان کی کامیابی کا ضامن بنے گا ۔ کامیابی یقینی ہے ، یہ پیغام دے کر مصطفیٰ کمال توقات سے بھی

چھپ کر نکل گئے اور ۲۷ جون کو سیواس میں پہنچ گئے۔

سیواس پہنچ کر مصطفیٰ کمال نے دیکھا کہ عوام اور فوج ان کی حمایت کے مظاہرے کر رہے ہیں۔ انھوں نے پہلا اقدام یہ کیا کہ الغریز کے ناظم یعنی علی غالب کو جو ان کی گرفتاری کی فکر میں تھا، بلا کر سوالات کیے۔ اس نے یہی کہہ کر معذرت کی کہ میں تو آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اور سیواس میں صرف اس لیے ٹھہر گیا ہوں کہ آپ سے ہدایات لوں۔

پھر مصطفیٰ کمال نے وزیراعظم اور وزیر جنگ کے نام تار بھیجے جن میں وزیر داخلہ کے اس حکم کے خلاف احتجاج کیا جو اس نے ان کی برطرفی کے لیے جاری کیا تھا۔ انھوں نے یہ وضاحت کی کہ میں یہ عزم کر چکا ہوں کہ قوم کے عوام کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر بھی فرد واحد کی حیثیت سے قومی خدمت انجام دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے ضروری ہدایات دیں اور سیواس میں مرکزی کمیٹی کے اجلاس کا انتظام کر کے وہاں سے ارض روم کو روانہ ہو گئے۔

راستے میں بہ تاریخ ۲ جولائی ۱۹۱۹ع ارزنجان میں انھیں سلطان کے چیف سیکریٹری کا تار ملا۔ اس تار میں جو سلطان کے ایما پر بھیجا گیا تھا، مرقوم تھا کہ:

"تمھاری سرگرمیوں سے جو یقیناً تمھارے شہرۂ آفاق جذبۂ حب وطن پر مبنی ہیں، دولت برطانیہ کو تشویش ہو چلی ہے اور وہ سلطنت عثمانیہ پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ اگرچہ مشرقی صوبوں میں ابتری پھیلی ہوئی ہے لیکن انھیں دیکھ کر یہ قیاس کر لینا غلط ہے کہ دولت عثمانیہ کی حالت بھی اتنی ہی تشویش ناک ہے۔ سلطنت عثمانیہ کی آزادی جوں ہی بحال ہو گی، مرکزی حکومت آسانی سے صوبوں کی حالت ٹھیک کر دے گی۔ انھی باتوں کے پیش نظر تمھیں استعفیٰ دے دینے اور استنبول واپس چلے آنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ وزارت جنگ کو تمھاری

برخاستگی منظور نہیں ہو سکتی لہٰذا تم دو ماہ کی رخصت لے کر جہاں جی چاہے چلے جاؤ - اس عرصے میں صورت حال بہتر ہو جائے گی اور صلح کی کارروائی بھی مکمل ہو جائے گی -"

اسی روز شام کے وقت مصطفیٰ کمال کو وزارت جنگ کا تار رمزیہ زبان میں ملا جس میں یہی تجاویز درج تھیں - اس وقت مصطفیٰ کمال بہ مقام مماخاتن تھے - وہاں سے انھوں نے دونوں تاروں کا جواب بھیج دیا کہ میں اناطولیہ سے واپس آنے کے لیے تیار نہیں ہوں - اگلے روز تین جولائی اتوار کی سہ پہر کو وہ ارض روم میں پہنچ گئے جہاں عوام اور فوجی سپاہیوں نے بڑے جوش و خروش سے اُن کی حمایت کے مظاہرے کیے - یہاں پہنچ کر انھوں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ہمرکاب فوجی دستے سے نیز اپنے ہمدرد و ہوا خواہ اشخاص سے جو شہر میں ان کے منتظر تھے ، مشورے کیے - ان مشوروں میں بالاتفاق اصول طے ہو گئے - یہاں مصطفیٰ کمال نے صورت حال کی وضاحت کی اور جو اقدامات ان کے پیش نظر تھے ان کو تفصیل سے بیان کیا - یہ بھی سمجھایا کہ ہم سب خطروں میں گھرے ہوئے ہیں جن میں سے بعض خطرے عمومی ہیں اور بعض ذاتی - ہمیں بہت سی قربانیاں دینی ہوں گی ، تاہم یقین رکھیے کہ حالات سازگار ہیں - اس وقت سلطان ، ان کی حکومت کے ارکان اور غیر ملکی حکومتیں محض اس لیے ہماری تباہی کے درپے ہیں کہ ہم اپنے قومی مفادات کے لیے سر بہ کف ہیں- تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ ساری قوم کو بھکا کر ہم سے بدگمان کر دیا جائے اور یہی قوم ہماری دشمن ہو جائے -

تاہم ان تمام مشکلات کے باوجود تحریک کے قائدوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی کوششوں سے ہرگز ہاتھ نہ اٹھائیں - وہ مرتے دم تک اپنی قربانیاں جاری رکھیں اور ملک کے جس گوشے میں بھی ممکن ہو ثابت قدمی سے جمے رہیں - جن لوگوں میں یہ بارگراں اٹھانے کی طاقت نہیں ہے ، انھیں آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر وہ

ایک بار بڑھ کر پیچھے ہٹ جائیں گے تو وہ قوم فریبی کے بھی مجرم ہوں گے اور خودفریبی کے بھی - اس سے زیادہ اہم معاملہ یہ ہے کہ کسی عہدے یا سرکاری وردی کے ساتھ تحریک کی قیادت کرنا اب ممکن نہیں رہا - ہو سکتا ہے کہ کسی اور جگہ آپ سرکاری عہدہ دار ہونے کے باوجود تحریک میں حصہ لیتے رہیں لیکن فی الجملہ اب یہ صورت باقی نہیں رہی - جسے آنا ہو وہ کھل کر میدان میں آئے ، قوم کے حقوق کا مطالبہ علانیہ کرے اور سارے ملک کو وطن پرستی کے جذبے سے سرشار کر دے -

یہ خبر بالکل صحیح ہے کہ حکومت نے مجھے برخاست کر دیا ہے اور ہر قسم کی سزا کا مستوجب قرار دیا ہے - جو لوگ کھلم کھلا میرے ساتھ کام کریں گے وہ اسی پاداش کے مستحق ٹھہرائے جائیں گے - علاوہ ازیں مجھے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ جس صورتِ حال کا بیان میں نے آپ کے سامنے کیا ہے ، اس کو سنبھالنے کا دار و مدار فقط مجھ پر ہے - آپ کا فرض ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی صبر آزما اور نازک ہوں ، ملک کا کوئی نہ کوئی سپوت سر بہ کف ہو کر آگے بڑھے - قوم کی قیادت جو شخص بھی کرے وہ یہ طے کر لے کہ میں اپنے فرض سے ہرگز منہ نہ موڑوں گا -

مذکورہ بالا تقریر سے ظاہر ہے کہ ان دنوں مصطفیٰ کمال نے یہ عزم کر لیا تھا کہ قومی مفاد کی حفاظت کے لیے کھل کر میدان میں آنا چاہیے - ان کے دوستوں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ آپ بے کھٹکے اپنا سرکاری عہدہ سنبھالے رہیے ، ہم آپ کو پوری امداد دیں گے - مصطفیٰ کمال نے سمجھایا کہ اب میں نہ فوجی افسر ہوں نہ سپاہی ، تاہم تحریک کی کامیابی کے لیے لازم ہے کہ آپ مجھے سالار اعلیٰ تصور کر کے حسب دستور میرے احکام کی تعمیل کرتے رہیں -

۴ جولائی ۱۹۱۹ع کو مصطفیٰ کمال کو وزیر جنگ کا ایک اور تار ملا جس میں یہی تاکید تھی کہ استنبول واپس چلے آؤ -

مصطفیٰ کمال نے اُس کا جواب دیتے ہوئے دریافت کیا کہ سابقہ تجویز کس لیے مسترد کردی گئی ہے اور بہ شد و مد یہ بھی واضح کیا کہ میں فقط اپنے ملک کی خدمت کرنے کا آرزومند ہوں۔ اگلے روز پھر ایک تار آ گیا جس میں وہی ہدایات تھیں۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ :

"ہمارے ملک میں وطن پرستی کا جو جذبہ باقی ہے وہ اُن بہادروں کے دل و دماغ کا مرہون منت ہے جنھوں نے تباہی و بربادی سے بیدار مغزی کا سبق لیا ہے۔ میری تمام تر کوشش کا ماحصل یہ ہے کہ اپنے حقیر ذرائع سے تحریک آزادی کی جتنی خدمت کرسکوں ، کرتا رہوں۔ مجھے اس راستے سے ہٹانے کی کوششیں محض غلط اندیشی اور تباہ کاری کے مترادف ہیں۔ اگر ملک و ملت کی فلاح و بہبود اور قوم کی نجات کے لیے میرا پیچھے ہٹ جانا ضروری ہو تو میں اپنے ضمیر کے تقاضے کو پہچان کر بے تامل اپنی قربانی پیش کر دوں گا اور کسی عہدے یا کسی خوش آئند امید سے واسطہ نہ رکھوں گا۔"

اگلے روز انھوں نے وزیر جنگ کو ایک اور تار بھیج دیا۔ مضمون یہ تھا کہ:

"میرا جسم و جان نیز میرا ضمیر آپ کی ان ہدایتوں کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں کہ میں مشرقی صوبوں کے اُن وطن پرست عوام کو چھوڑ کر چلا آؤں جنھیں یہ معلوم ہے کہ حکومت اُن کے وطن (مشرقی صوبوں) کو اہل آرمینیا کے قبضے میں دے دینے کا وعدہ کر چکی ہے اور جن کا خون اس وعدے کی وجہ سے کھول رہا ہے۔"

۷ جولائی کو سلطان وحیدالدین کے چیف سیکرٹری نے انھیں ایک تار اور بھیجا جس میں انھیں حکم دیا گیا تھا کہ استنبول واپس چلے آؤ۔ ابھی وہ اس تار کا جواب دینے نہ پائے تھے کہ ایک تار اور آ پہنچا جس میں اُن کی برطرفی کا اعلان تھا اور یہ ہدایت تھی

کہ فوراً استنبول چلے آؤ ۔ مصطفیٰ کمال نے ان کاغذی احکام کی مطلق پروا نہ کی ۔ اس کے بجائے یورپی ترکی اور اناطولیہ کی تمام فوجوں کو ایک حکم نامہ جاری کردیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

۱ ۔ قومی فوجوں کو جو ملک و ملت کی آزادی کے تحفظ کی خاطر میدان میں آئی ہیں ، لازم ہے کہ اگر کوئی شخص اس مقدس فریضے میں خلل ڈالنے کے لیے کچھ کہے یا کچھ کرے تو اُسے معاف نہ کریں ۔ اب قوم کی قسمت کا فیصلہ افراد قوم کی مرضی سے ہوگا ۔ فوج کا فرض ہے کہ وہ قوم کی مرضی کو ملحوظ رکھے اور اس کی اطاعت کرے ۔

۲ ۔ اگر فوج کے انسپکٹر (ناظر اعلیٰ) یا کمانداراپنے عہدوں سے ہٹائے جائیں تو اُن کا فرض ہے کہ اپنے عہدے کا چارج صرف اُن اشخاص کے حوالے کریں جن پر اُنھیں اعتماد ہو ۔ انھیں چاہیے کہ بہ ہر صورت اپنے علاقے میں موجود رہیں اور قوم کے واسطے اپنی خدمات انجام دیتے رہیں ۔ اگر کسی وقت یہ اندیشہ ہو کہ اُن کے عہدے کا چارج اُس قسم کے غداروں کے ہاتھ میں جانے والا ہے جنھوں نے ازمیر کا علاقہ دشمن کے حوالے کر دیا تھا ، تو ہرگز چارج نہ دیں ۔ اس صورت میں تمام انسپکٹروں اور کماندار افسروں کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے احکام کی تعمیل نہ کریں اور یہ جواب دے دیں کہ ہمیں حکام بالا پر کوئی اعتماد باقی نہیں رہا ۔

۳ ۔ اگر اتحادیوں کا یہ منصوبہ ہو کہ وہ ہماری حکومت پر دباؤ ڈال کر بے غل و غش ترکیہ کی سرزمین پر قابض ہوجائیں ، اور اس دباؤ کے زیر اثر حکومت عثمانی ہماری کسی فوجی تنظیم یا فوجی یونٹ کو توڑ دینے کا حکم جاری کر دے تو اس حکم کی تعمیل نہ کی جائے ۔

۴ ۔ انجمن ہائے تحفظ حقوق یا انجمن ہائے انسداد الحاق کے وظائف کو برباد کرنے یا کمزور کرنے کے لیے جو شخص کوئی

کوشش کرے ، فوج کو اُس کی سرکوبی کرنی چاہیے کیونکہ یہی انجمنیں آزادی ملک و ملت کا فریضہ انجام دے رہی ہیں ۔

۵ ۔ سول عہدہ داروں کا بھی فرض ہے کہ آزادی کی جد و جہد کو تیز تر کرنے کے لیے ان انجمنوں کی حمایت کریں ۔

۶ ۔ اگر ملک کے کسی حصے پر حملہ ہو تو تمام حکام کا فرض ہے کہ دفاع کی مشترکہ تنظیم کے لیے فوری اقدام کریں اور اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ پوری قوم اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے سر بہ کف ہے ۔

جب مصطفیٰ کمال کو حکومت کی طرف سے وہ تار ملا جس میں اُن کی برطرفی اور سرکاری عہدہ و اقتدار سے علیحدگی کی اطلاع تھی تو انھوں نے اسی وقت یعنی رات کے دس بج کر پچاس منٹ پر وزیر جنگ کو اور گیارہ بجے سلطان کو اس مضمون کے تار بھیج دیے کہ :

''آپ نے مجھے جو خدمات تفویض کی تھیں ، میں اُن سے اپنا استعفا پیش کرتا ہوں ، نیز فوج کے کمیشن یعنی اُس منصب سے بھی دست بردار ہوتا ہوں جو مجھے نہایت عزیز تھا ۔''

۱۸ جولائی ۱۹۱۹ع کو انھوں نے ترک قوم کو نیز اپنی فوجوں کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا ۔ اُن کے اعلان کا مضمون یہ تھا :

''میرا سرکاری اور فوجی منصب میری راہ میں حائل تھا ۔ حکومت چاہتی تھی کہ اہل یونان اور اہل آرمینیا کی تمنائیں پوری کرنے کے لیے ملک کو تقسیم کردے اور ترکوں کو اغیار کے منصوبوں کی بھینٹ چڑھا دے ۔ میں قوم کی تباہی اور ملک کی تقسیم کو روکنے کے لیے قوم کے عوام کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر آزادی کی جد و جہد میں حصہ لینا چاہتا ہوں ۔ میں نے تمام مقدس چیزوں کی قسم کھا کر یہ عہد کیا ہے کہ اس پاک مقصد کی خاطر میں قوم کے عوام کے دوش بہ دوش

مرتے دم تک اپنا فرض انجام دوں گا۔ اس مقصد کی خاطر میں اس تمام فوجی اعزاز و اقتدار سے دست بردار ہوگیا ہوں جو مجھے از حد عزیز تھا۔ آج سے میں ترک قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے مجاہدان قوم کی صفوں میں کھڑا ہوکر اس مقدس مقصد کی کامیابی کے لیے جنگ کروں گا۔"

انجمن تحفظ حقوق، صوبجات مشرقی کی ارض روم والی شاخ کی دعوت پر مصطفٰی کمال نے مجاہدین کمیٹی کی سربراہی سنبھالی جس کی تشکیل انجمن مذکورہ نے کی تھی۔ انجمن کے صدر دفتر نے جو استنبول میں قائم تھا، مصطفٰی کمال کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ کمیٹی کی مرکزی عاملہ کی ترجمانی کیا کریں۔

کچھ عرصے سے ارض روم کانگریس کے انعقاد کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس کا پہلا اجلاس بہ تاریخ ۲۳ جولائی ۱۹۱۹ع ایک پرائمری سکول کے کمرے میں ہوا۔ بہ اتفاق رائے مصطفٰی کمال کو کانگریس کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ یہاں انھوں نے افتتاحی تقریر کی اور ملک کی صورت حال جس طرح اُن کے پیش نظر تھی اُس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنے نظریات کی اتنی وضاحت کی جتنی کہ مصلحت وقت کے لحاظ سے مناسب تھی۔ انھوں نے اُن ہولناک خطروں کی طرف اشارہ کیا جن سے پورا ملک دوچار تھا۔ ان خطرات کا سرچشمہ کچھ تو وہ واقعات تھے جو جنگ عظیم کے سلسلے میں پیش آئے اور کچھ وہ جو سابقہ تاریخ کی پیداوار تھے۔ انھوں نے وضاحت کی کہ تاریخ کسی قوم کے وجود یا اس کے حقوق کی منکر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا دشمنوں نے ترکیہ کے خلاف جو فیصلہ صادر کیا ہے اُس کی تعمیل نہیں کی جا سکتی۔ قوم کی رائے اور مرضی جو قوم کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے، صرف اناطولیہ کی آزاد فضا میں ظاہر ہوسکتی ہے، اور کہیں نہیں۔ لہٰذا ہمارا پہلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ یہاں اپنی قومی اسمبلی بنائیں، قوم کے عزم و تعاون پر اعتماد کریں اور اُس حکومت سے اپنی امیدیں وابستہ

کریں جیسے قومی عزم و تعاون نے اختیارات عطا کیے ہوں۔

یہاں یہ سرگرمیاں جاری تھیں اور اُدھر اسی روز وزیراعظم داماد فرید پاشا نے استنبول میں اخباری نمائندوں کو اپنا بیان دیا جس میں ارض روم والی کانگریس کے انعقاد کو 'باغیانہ فعل' ٹھہرایا!

ارض روم کانگریس ۷ اگست ۱۹۱۹ع کو ختم ہوئی۔ اس میں مشرقی صوبہ جات کی انجمنوں کے کام کے متعلق قواعد و ضوابط تیار کیے گیے۔ اس اثنا میں وزیر جنگ نے استنبول سے ایک تار روانہ کیا جس میں مصطفیٰ کمال کی گرفتاری کا حکم تھا جنھوں نے "حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔" کانگریس کے اجلاس نے ایک اعلان جاری کیا جو مندرجہ ذیل اصولوں اور فیصلوں پر مشتمل تھا:

۱ - وطن مقدس ناقابل تقسیم سرزمین ہے جس کی بین الاقوامی سرحدیں معین ہیں۔

۲ - اگر کسی غیر ملکی طاقت نے وطن عزیز پر قبضہ کرنے یا خلل اندازی یا عثمانی حکومت کو ختم کرنے کی جرأت کی تو پوری قوم یک دل اور یک جہت ہو کر مزاحمت کرے گی۔

۳ - اگر مرکزی حکومت ترکیہ کی آزادی کا تحفظ کرنے کے قابل نہ رہے تو ایک عارضی حکومت قائم کرلی جائے۔ اس حکومت کے ارکان کا انتخاب قومی کانگریس کرے گی۔ اگر کانگریس کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو ارکان کا تقرر مجلس قائمہ کے ذمے ہو گا۔

۴ - بنیادی امر یہ ہے کہ وقت ضرورت میدان جنگ میں قومی فوج صف آرا ہو اور اس امر کا اطمینان کر لیا جائے کہ قوم کے عوام کی مرضی کو ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا۔

۵ - ملک کی عیسائی آبادی کو یہ موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ سیاست پر چھا جائے یا ایسی مراعات حاصل کر لے جس سے معاشرے کا توازن بگڑ جائے۔

۶ - ترکیہ کا کسی غیر ملکی طاقت کے زیر حمایت یا زیر تولیت آ جانا منظور نہیں کیا جائے گا -

۷ - کوشش کی جائے گی کہ مجلس نمائندگان کا اجلاس کیا جائے، تاکہ ان نمائندوں کے ذریعے قوم حکومت کے کاموں پر نظر رکھ سکے -

کانگریس کے منظور شدہ قواعد کے بہ موجب ایک مجلس قائمہ بنائی گئی جس کے ارکان کی تعداد نو تھی - ان ارکان نے مصطفٰی کمال کو اپنا صدر منتخب کیا -

ارض روم کانگریس کا اجلاس ختم ہوتے ہی مصطفٰی کمال نے مجلس قائمہ کے صدر کی حیثیت سے اپنے اختیارات کا استعمال شروع کر دیا تا کہ مشرقی صوبوں کی انجمن تحفظ حقوق کی تنظیم کو مزید طاقت حاصل ہو اور اُس کا دائرۂ عمل وسیع ہو جائے - وہ اُن قبائلی سرداروں سے نیز اُن مختلف مقامی معزز اشخاص سے ملے جن سے اُن کی ملاقات اُسی وقت سے تھی جب وہ جنگ عظیم کے دنوں میں نمبر ۲ آرمی کے سپہ سالار تھے - ان لوگوں کو مصطفٰی کمال سے محبت اور عقیدت تھی جس پر بھروسا کر کے مصطفٰی کمال نے انھیں جنگ آزادی کی تیاری کے لیے مختلف خدمتیں تفویض کر دیں - اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے بہ مقام سیواس ایک اور کانگریس کے اجلاس کی تیاریاں کیں - وہ ۲۹ - اگست کو ارض روم سے روانہ ہو کر ۲ ستمبر کو سیواس پہنچے - یہاں کے باشندے اُن کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے اور اس طرح اپنی محبت کا مظاہرہ کیا -

۴ ستمبر ۱۹۱۹ع کو دن کے دو بجے سیواس ہائی اسکول کے ایک ہال میں کانگریس کا اجلاس شروع ہوا - اس مرتبہ بھی مصطفٰی کمال ہی کو صدر منتخب کیا گیا - انھوں نے پہلے ہی روز اپنی تقریر میں ترکیہ کی سیاسی صورت حال کا بیان کیا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں اُس تباہی و بربادی کا نقشہ کھینچا جس کی طرف عثمانی سلطنت اور ترک قوم دونوں کھنچے چلے جا رہے تھے :

"غیر ملکی طاقتوں نے ہمارے ملک کے قلب استنبول میں بیٹھ کر ہماری سیاست ، حکومت اور اقتدار پر اپنی اجارہ‌داری قائم کر لی ہے - ان طاقتوں کے جبر و استبداد سے عاجز آ کر مرکزی حکومت نے ایسی چپ سادھ لی ہے کہ اس کی نظیر تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی - مرکزی حکومت کمزور، عاجز اور درماندہ ہے - ترک قوم یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ چکی ہے کہ اتحادی قوموں نے ہمیں اپنا صید زبوں قرار دے رکھا ہے اور وہ یہ یقین کر چکی ہیں کہ ترک قوم میں اب نہ اتنی طاقت باقی ہے نہ اتنا عزم کہ وہ مادر وطن کی حرمت کا تحفظ کرسکیں اور اس کی تقدیر کو بدل ڈالیں - لیکن اغیار کے یہ خیالات بالکل غلط ہیں - ان کی غلط اندیشی نے انھیں اس بات پر مائل کر دیا ہے کہ وہ ترکوں سے ایسا سلوک روا رکھیں جو کسی مردہ اور بے اصول و بے آئین قوم کے ساتھ کیا جاتا ہے - ہم ترک قوم کے افراد اس فیصلے کی توثیق کرچکے ہیں کہ عجز و انکسار اور تسلیم کی پالیسی کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قوم مکمل تباہی کی آغوش میں چلی جائے -"

سیواس کی کانگریس میں ارض روم کانگریس کے فیصلوں پر بحث و تمحیص ہوتی رہی - اس کے بعض ارکان نے ایک قرارداد بھی تیار کرلی - یورپی ترکیہ اور اناطولیہ کی انجمن تحفظ حقوق کا پروگرام اور اس کے داخلی قواعد و ضوابط کی تشکیل بھی اسی کانگریس کے آغاز میں ہوئی - اس طرح ۷ ستمبر ۱۹۱۹ع کو یہ قومی تنظیم پورے ملک میں پھیل گئی - اس کی مجلس قائمہ کو سراسر پورے ترکیہ کی نمائندگی کا اختیار دے دیا گیا - قومی دفاع اور مزاحمت کا اصول تسلیم کیا گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اگر مرکزی حکومت ترکیہ کے کسی حصے کو اغیار کے قبضے میں دے دینے یا اس سے غافل ہو جانے کا ارتکاب کرے تو ایک عارضی حکومت قائم کر لی جائے

جو قوم کے نام پر ملکی نظم و نسق کا کام سنبھال لے۔ قومی تحریک کے عہد و پیمان کے اصول بھی اسی اجلاس میں منظور کیے گیے۔

سیواس کی کانگریس نے مصطفیٰ کمال کو یہ اختیار بھی عطا کیا کہ وہ ملکی افواج کی سپہ سالاری کا عہدہ سنبھالیں اور انھیں اس منزل مقصود کی طرف بڑھنے کی ہدایت کریں جو غور و فکر کے بعد معین کی گئی ہو۔

اب استنبول میں سلطان وحیدالدین کی حکومت کو یہ احساس ہوا کہ سیواس کانگریس ہمارے وجود کے لیے مستقل خطرہ ہے۔ ارباب حکومت نے اسے منتشر کر دینے نیز مصطفیٰ کمال کو گرفتار کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہی قومی آزادی کی اس تحریک کے قائد تھے۔ علی غالب کو جو حال ہی میں علاقہ الغریز کا گورنر مقرر ہوا تھا، حکومت نے حکم دیا تھا کہ معائنے کا دورہ کرنے کے بہانے ملاطیہ میں جائے۔ وہاں فوج جمع کرے اور فوج فراہم کر کے سیواس پر حملہ کر دے۔ مصطفیٰ کمال نے جو حالات کی رفتار پر برابر نظر جمائے رکھتے تھے، اس سازش کی اطلاع پاتے ہی علی غالب کو گرفتار کر لینے کا انتظام کیا۔ سیواس کی کانگریس کا کام انھوں نے جاری رکھا۔ جب علی غالب کو اندازہ ہو گیا کہ اس بطل جلیل کے سامنے اس کی ایک نہ چلے گی تو اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ بھاگ کر استنبول چلا جائے۔ حکومت کی اس دغابازی اور سازش سے سارے ملک میں غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سیواس کانگریس اور زیادہ مقبول ہوگئی اور مصطفیٰ کمال جو مجلس قائمہ کے صدر تھے اور زیادہ ہر دل عزیز ہوگئے۔

سیواس کانگریس بہ تاریخ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۹ع ختم ہوگئی لیکن ارکان کو ہدایت کی گئی کہ وہ سیواس میں مزید قیام کریں کیونکہ ممکن ہے کہ کانگریس کا دوسرا اجلاس بھی ضروری ہو جائے۔ کانگریس کا مطالبہ یہ تھا کہ حکومت جلد از جلد مجلس نمائندگان کا اجلاس منعقد کرے جسے سلطان نے کالعدم کر دیا تھا۔ ایک اور فیصلہ

یہ تھا کہ انتخابات فوراً کرائے جائیں ۔ فرید پاشا کی حکومت کا رویہ سیواس کانگریس کے معاملے میں جیسا تھا اُسے ہر شخص جانتا تھا اور سبھوں کو اندازہ تھا کہ یہ حکومت سیواس کانگریس کے فیصلوں کے خلاف ہے کیونکہ وہ آغاز ہی سے اُس کو مٹا دینے کے درپے ہے ۔

اب مصطفیٰ کمال نے فیصلہ کر لیا کہ استنبول کی حکومت سے جو نام نہاد تعلق قائم ہے اُسے بالکل توڑ دیں ، اور جب تک کہ وہاں شریف ، باعزت اور محب قوم اشخاص کی حکومت قائم نہ ہو ، اُس سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ۔ سلطان کو بھی صاف نظر آ گیا کہ عوام میری حکومت سے متنفر ہیں کیونکہ وہ عملی طور پر ملک کو تباہی میں پھنسانے پر آمادہ ہے ۔ اگرچہ سلطان کی حکومت نے لوگوں کو ہر طرح روکنا چاہا لیکن مقامی گورنروں اور کمان دار افسروں نے ایک لمبے چوڑے تار کے ذریعے سلطان کو یہ جتا دینے کا انتظام کیا کہ مصطفیٰ کمال نے فلاح قوم کے لیے کچھ فیصلے کیے ہیں اور قوم نیز ترکی فوج اُن کی حامی ہے ۔ فرید پاشا کے ارکان حکومت نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ یہ تار قصر سلطانی تک نہ پہنچے ۔ اس واقعے نے مصطفیٰ کمال کو مجبور کیا کہ وہ کانگریس کی طرف سے ۱۲ ستمبر کو ایک تار وزیراعظم کے نام بھیجیں ۔ چنانچہ انھوں نے بذریعہ تار یہ اعلان وزیراعظم تک پہنچا دیا کہ جب تک استنبول میں کوئی جائز اور معقول حکومت برسر اقتدار نہ آئے ، میں مرکزی حکام سے اپنے تمام تعلقات توڑ دوں گا ، اور استنبول سے ڈاک اور تار کے تمام سلسلے منقطع کردوں گا ۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مقامی گورنروں اور کمانداروں کو حکم بھیجا کہ نمائندوں کے انتخاب کا کام جلد از جلد مکمل کیا جائے ۔ قومی تحریک کو سارے ترکیہ کے طول و عرض میں فروغ دینے کے لیے ۱۳ ستمبر کو سیواس سے ایک قومی اخبار "ارادۂ ملیہ" کا اجرا ہوا۔ چونکہ استنبول سے تمام تعلقات منقطع ہو چکے تھے لٰہذا ۱۳ ، ۱۴ ستمبر

کی درمیانی رات میں مصطفیٰ کمال نے بہ ذات خود ملکی نظم و نسق کے قواعد و ضوابط مرتب کیے ۔ فوجی کمانداروں نیز صوبائی گورنروں کو بتا دیا گیا کہ اب قوم کی طرف سے فقط کانگریس کی مجلس قائمہ احکام جاری کرے گی ۔ کانگریس کی جانب سے مصطفیٰ کمال نے سلطان کو بھی اس فیصلے کی اطلاع دی ۔ تاہم سلطان اور ان کی حکومت اس قومی فیصلے کی مخالفت کرتے رہے جو بالآخر سیواس کانگریس کی صورت میں نمودار ہو چکا تھا ۔

اسی موقع پر حکومت امریکہ کا ایک وفد صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے سیواس میں وارد ہوا ۔ جنرل ہاربورڈ نے جو اس وفد کے صدر تھے ، ۲۲ ستمبر کو مصطفیٰ کمال سے ملاقات کی ۔ انھیں اس قومی تحریک کے نصب العین اور تنظیم سے بالتفصیل آشنا کیا گیا اور ان اسباب کی وضاحت کی گئی جن کی بنا پر ترک قوم اس متفقہ مزاحمت کے لیے آگے بڑھی تھی ۔ جنرل ہاربورڈ نے مصطفیٰ کمال سے پوچھا کہ اگر آپ ناکام ہوئے تو پھر کیا کریں گے ؟ انھوں نے جواب دیا :

”جب کوئی قوم اپنے تمام ذرائع سے کام لے کر اپنا آزاد وجود قائم رکھنے کے لیے میدان میں آتی ہے اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتی تو اس کی کامیابی یقینی ہوتی ہے ۔ یہ سوال کرنا کہ ناکامی کی صورت میں کیا کرو گے ، عبث ہے ۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ آپ نے اس قوم کو مردہ سمجھ لیا ہے ۔ جب تک قوم میں زندگی کی حرارت اور قربانی کا جذبہ موجود ہے ، ناکامی ناممکن ہے ۔“

صورت حال کو سنبھالنے کے لیے فرید پاشا کی حکومت نے مصالحت کے لیے کچھ اشخاص کو ثالث بنا کر بھیجا تاکہ مصطفیٰ کمال اپنے موقف سے ہٹ جائیں اور مرکزی حکومت کے ساتھ مفاہمت کر لیں ۔ جب یہ کوششیں ناکام ہوئیں تو یکم اکتوبر ۱۹۱۹ع کو فرید پاشا کی حکومت مستعفی ہو گئی اور سلطان نے

مجبور ہو کر علی رضا پاشا کو وزیراعظم مقرر کر دیا۔

اس موقع پر مصطفیٰ کمال نے نئے وزیراعظم کو ایک تار بھیجا جس میں متعدد مطالبات تھے۔ یعنی نئی حکومت کو لازم ہے کہ ارض روم اور سیواس میں کانگریس نے قومی خواہشات کی ترجمانی کرتے ہوئے جو فیصلے کیے ہیں اور کانگریس کے اجلاسوں میں جو تنظیم قائم کی گئی ہے، اُن کا احترام کرے۔ جب تک قومی اسمبلی کی تشکیل نہ ہو اور وہ ملکی نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں نہ لے، وزیراعظم اور اس کی کابینہ کا فرض ہے کہ وہ سرکاری طور پر کوئی ایسا فیصلہ یا معاہدہ نہ کریں جس سے قوم کی تقدیر اور مستقبل وابستہ ہو۔ قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے صلح کانفرنس میں جو نمائندے بھیجے جائیں وہ فرید پاشا کے گرگوں کی طرح نااہل و نافہم نہ ہوں بلکہ اُن اشخاص میں سے چنے جائیں جو قوم کے حقوق اور خواہشات سے آگاہ ہوں اور جنھیں قوم کا اعتماد حاصل ہو۔ قومی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے فرید پاشا کی حکومت نے جن عہدہ داروں کو برخاست کر دیا ہے اُنھیں بحال کیا جائے۔ جن اشخاص نے قومی تحریکوں میں حصہ لیا تھا اور قوم نے اُن کی حوصلہ افزائی کی تھی، اُن پر جبر و تشدد بند کر دیا جائے۔ قومی اسمبلی کے قائم ہوتے ہی فرید پاشا کی کابینہ کے بعض ارکان پر مقدمہ چلانے کے لیے انھیں خصوصی ہائی کورٹ کے حوالے کردیا جائے۔ غیرملکی طاقتوں نے ترکیہ کے اخباروں پر جو احتساب بٹھا رکھا ہے اُسے ہٹا دیا جائے۔

یہ شرطیں پیش کر کے مصطفیٰ کمال نے وزیراعظم کو لکھا کہ اگر آپ کو یہ شرائط منظور ہوں تو ہماری قومی تحریک، جس کی پشت پر پوری قوم کا عزم موجود ہے اور جسے اتحادیوں نے بھی جائز اور با اختیار قوت تسلیم کر لیا ہے، آپ کی حکومت کی تائید کر سکے گی۔ انھوں نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ کانگریس کی مجلس قائمہ نے جو اقدامات کیے ہیں، ہنگامی یا عارضی نہیں ہیں بلکہ

انھیں بہت غور و خوض کے بعد مستحکم اصولوں کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے ۔ یہ اقدامات قوم کے اس عزم صمیم اور ان بہترین صلاحیتوں کے بل پر کیے گئے ہیں جو ہماری صالح اور منظم قومی تحریک کی روح رواں ہیں ۔

دراصل مصطفیٰ کمال نے یہ عزم کر لیا تھا کہ وہ آزاد منش ترکوں کی قومی عظمت کو ساری دنیا سے تسلیم کرائیں گے ۔ انھوں نے وزیراعظم کو ان حقیقتوں اور کانگریس کے فیصلوں سے واشگاف الفاظ میں آگاہ کر دیا ۔ انھوں نے مجلس قائمہ کی طرف سے ایک اعلانیہ بھی جاری کر دیا کہ کانگریس صرف اس صورت میں علی رضا پاشا کی حکومت سے تعاون کرے گی کہ حکومت ہر حال میں ان اصولوں پر کاربند رہے جن کا اعلان قومی تحریک میں کیا جا چکا ہے ۔ انھوں نے اعلانیہ میں یہ بھی بیان کیا کہ میرا اولین فرض یہی ہے کہ میں قومی فوج کی تنظیم جاری رکھوں ۔ ترک قوم نے انتہائی صبر آزما مشکلات میں بھی اپنے وقار کو نیز دوسری قوموں کے حقوق کے احترام کو ہاتھ سے نہیں دیا کیونکہ یہ صفات ترکوں کا اخلاقی ورثہ ہیں ۔ ترک اپنے موقف پر ثابت قدمی سے جمے رہیں گے ۔ مجھے یقین ہے کہ بالآخر ساری دنیا ہمارے اس معقول مطالبے کو تسلیم کرے گی کہ ترکیہ کی سرزمین پر غیروں کا قبضہ نہیں ہونا چاہیے ۔ یہ اعلانیہ بہ تاریخ ۷ اکتوبر ۱۹۱۹ع جاری ہوا ۔

علی رضا پاشا کی کابینہ نے یہ پیشکش کی کہ ہم مجلس قائمہ سے مفصل فیصلے یا معاہدے کی گفت و شنید کے لیے وزیر بحریہ صالح پاشا کو اناطولیہ روانہ کرنا چاہتے ہیں ۔ مصطفیٰ کمال نے یہ تجویز منظور کی اور آماسیہ میں اجلاس منعقد کرنا چاہا ۔ ۲۰ اکتوبر کو صالح پاشا وہاں آ پہنچے اور تین روز تک گفت و شنید کا سلسلہ قائم رہا ۔ بالآخر معاہدہ مرتب ہوا جس کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل تھے :-

۱ - مرکزی حکومت اور قومی تنظیم کے مابین ایک جامع و مانع معاہدہ ہو گیا ہے ۔

۲ - نمائندوں کے انتخاب میں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کی جائے گی -
۳ - حکومت کے خلاف یا حکومت کے حق میں کسی قسم کی تحریر یا اعلان شائع نہیں کیا جائے گا -
۴ - سیواس کانگریس کے فیصلے اصولی طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں، البتہ یہ شرط ہے کہ مجلس نمائندگان اُن کی توثیق کر دے -
۵ - قومی اسمبلی کا اجلاس استنبول میں نہیں ہوگا ، کیونکہ یہ مقام محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا -

جب صالح پاشا استنبول واپس آئے تو علی رضا پاشا کی حکومت نے یہ ظاہر کیا کہ ہمارا طرز عمل مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ہو گا - لیکن اس کے باوجود اس نے مجلس نمائندگان کا اجلاس استنبول سے الگ کسی اور جگہ منعقد کرنے سے انکار کردیا - عذر یہ پیش کیا گیا کہ دارالسلطنت سے باہر اجلاس کرنا آئین کے خلاف ہے - مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ واقعات بہت جلد ثابت کر دیں گے کہ مجلس نمائندگان کا اجلاس کسی ایسی جگہ ہونا چاہیے جو دشمنوں کے حلقۂ اثر سے باہر ہو - لہٰذا انھوں نے طے کیا کہ سردست استنبول میں مجلس نمائندگان کے اجلاس پر اعتراض کرنا ضروری نہیں - واقعات خود ثابت کر دیں گے کہ حکومت کا یہ اقدام غلط ہے - غرض جب ۲۹ اکتوبر کو مجلس قائمہ کا اجلاس ہوا تو انھوں نے اپنے رفیقوں کو اس امر پر متفق کرلیا کہ سردست علی رضا پاشا کی حکومت کی تائید کرنی ضروری ہے - مجلس نمائندگان کو اجلاس کر کے اپنے قانونی فرائض سنبھال لینے دو - اسی اجلاس میں مصطفیٰ کمال نے تمام فوجی کمانداروں کو بہ مقام سیواس طلب کیا تا کہ بالاتفاق ایک فوجی پالیسی طے کر لی جائے - سارے ملک میں نمائندوں کا انتخاب ہوا - اس کے کئی مرحلے تھے - ۷ نومبر ۱۹۱۹ع کو ارض روم کے نمائندے کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال کا انتخاب ہوا -

۱۶ نومبر کو فوجی کمانداروں نے سیواس میں مجلس قائمہ کے ممبروں اور دیگر ممتاز اشخاص سے مل کر جن کی موجودگی اس اجلاس میں مفید سمجھی گئی ، بحث و تمحیص شروع کی ۔ یہ اجلاس جن میں مصطفیٰ کمال بحیثیت صدر شریک تھے ، ۲۹ نومبر تک ہوتے رہے ۔ ان میں کتنے ہی فیصلے ہوئے جن کا خلاصہ مصطفیٰ کمال نے بہ تفصیل ذیل کیا ہے :-

۱ ۔ متعدد خطروں اور نقائص کے باوجود یہی مناسب قرار دیا گیا کہ مجلس نمائندگان کا اجلاس استنبول ہی میں ہو ۔ تاہم یہ انتظام ضرور کیا گیا کہ استنبول جانے والے تمام نمائندوں کو راستے میں روک کر جانچ پڑتال کر لی ۔ جائے تا کہ آن کے رد عمل کا اندازہ کیا جا سکے ۔ اس اثنا میں استنبول اور دیگر صوبوں کے اجلاسوں کے لیے حفاظتی انتظامات کرنے بھی ضروری تھے ۔ سب سے آخر میں یہ بھی ضروری تھا کہ نمائندوں کا ایک ایسا مضبوط گروہ تیار کیا جائے جو مجلس نمائندگان کے اجلاس میں قومی تنظیم کے پروگرام اور اس کے مفادات کا تحفظ کر سکے ۔

۲ ۔ فوجی کمانداروں کا فرض ہے کہ وہ انجمن تحفظ حقوق کے دائرۂ کار کو وسیع کرنے اور اسے تقویت دینے کے لیے فوری اقدامات کیا کریں ۔ بلکہ اس مقصد کے لیے سول حکام کی اعانت بھی طلب کیا کریں ۔

۳ ۔ جب تک یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ قومی اسمبلی استنبول میں آزادی کے ساتھ مصروف عمل ہے ، مجلس قائمہ کو اناطولیہ ہی میں رہ کر اپنا قومی کام جاری رکھنا چاہیے۔ تاہم ہر انتظامی ضلع کے نمائندے اپنے تعاون سے اس کے مقاصد کو تقویت پہنچاتے رہیں گے ۔ مجلس کے اجلاس اسکیشہرمیں ہوا کریں گے جو استنبول سے قریب تر ہے ۔ آن کے اجلاسوں میں یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ قومی اسمبلی کن خطوط پر گامزن ہے ۔ اس کے بعد

نمائندے استنبول پہنچ کر مجلس نمائندگان کے کام میں حصہ لیا کریں گے۔

۴ - جب کبھی یہ محسوس ہو کہ مجلس نمائندگان مکمل تحفظ کے حالات میں کام کر رہی ہے تو انجمن تحفظ حقوق (مدافعۂ حقوق عثمانیہ جمعیتی) کی عمومی کانگریس کا اجلاس کیا جائے گا اور اس میں یہ فیصلہ ہوگا کہ اناطولیہ اور رومیلیا میں تحفظ حقوق کے متعلق انجمن کا طرز عمل کیا ہوگا۔

۵ - اگر پیرس کی صلح کانفرنس نے کچھ ایسے فیصلے کیے جو ترکیہ کے لیے ساز گار ہوں اور ان فیصلوں کو مجلس نمائندگان اور حکومت دونوں منظور کر کے ان کی توثیق کر دیں تو اس معاملے میں قومی خواہشات کی تکمیل کے لیے انجمن کے قواعد کے مطابق مناسب اقدام کیا جائے گا۔

اس اجلاس میں بعض خفیہ ہدایات بھی طے کی گئیں جن کے ذریعے تمام محب وطن اشخاص کو ہدایت کی گئی کہ ملک و ملت کے دفاع کے لیے آبادی کو کس طرح منظم اور مسلح کیا جائے۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۹ع کو مصطفیٰ کمال نے ان نمائندوں کو جو ابھی ابھی منتخب ہوئے تھے ان اصولوں سے آگاہ کیا جو فوجی کمانداروں کی مجلس میں طے کیے گئے تھے۔

انھوں نے ان کو یہ بھی ہدایت کی کہ استنبول جانے سے پہلے اسکیشہر میں مجھ سے ملاقات کر لینا۔ چند روز بعد انھوں نے یہ طے کیا کہ مجلس قائمہ کا صدر دفتر انقرہ میں منتقل کردیا جائے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ انقرہ میں اجلاس کرنا زیادہ سہولت رکھتا ہے۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی عظیم تقریر میں ان اسباب کا مفصل بیان کیا جنھوں نے ان کو منصوبے کی اس تبدیلی پر آمادہ کیا تھا۔ یعنی:

"جن لوگوں نے معاملات کا انتظام کرنے کی ذمہ‌داری قبول کی تھی، ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے نصب‌العین سے حتی‌الامکان قریب تر رہیں۔ اس کے یہ معنی تھے کہ وہ فوری

خطروں سے بھی اتنے ہی قریب ہوں گے - لیکن اگر وہ اپنی مطلوبہ منزل کے بالکل قریب آ جاتے تو حالات کی مجموعی تصویر دیکھنے سے قاصر رہتے -اس نقطۂ نظر سے انقرہ ہی مناسب جگہ ہے - اگر بالیکسر ، نازللی یا قرہ حصار میں اجلاس کیے جائیں تو مناسب نہیں کیونکہ یہ مقام سرحد سے بہت قریب ہیں - انقرہ کا انتخاب اسی لیے کیا گیا ہے کہ یہ ریل کے ذریعے سرحد سے بھی ملا ہوا ہے اور استنبول سے بھی اور اس میں وہ تمام سہولتیں حاصل ہیں جو سیواس میں میسر ہیں -"

مصطفٰی کمال اور ان کے رفیق ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ع کو سیواس سے رخصت ہوگئے - ان کا سفر شرقیشلا والی شاہراہ سے ہوا جہاں جا بجا لوگوں نے اپنی محبت ، احترام اور تائید کے مظاہرے کیے - ۲۰ دسمبر کو وہ قیصری میں پہنچے - ۲۴ دسمبر کی دوپہر کو وہ قیر شہر میں تھے - یہاں بھی خلوص کے پر جوش مظاہرے نظر آئے اور مصطفٰی کمال نے یہاں کے معزز اور سنجیدہ و فہمیدہ اشخاص سے ملاقاتیں کیں - انھوں نے یہاں کے نوجوانوں کے کلب میں ایک تقریر کی اور بیان کیا کہ قومی مفادات کی تکمیل کے لیے قوم کی اپنی ہی فوجیں میدان میں اتریں گی اور ہر معاملے میں قوم کی مرضی ہی کارفرما ہوگی - شام کے وقت چراغاں کا جلوس نکلا جس میں مصطفٰی کمال نے ایک اور تقریر کی اور یہ الفاظ کہے :

"قوم کی صفوں سے نکل کر ایک شخص نے جس کا نام کمال تھا (نامق کمال شاعر مراد ہے) بڑی درد مندی سے یہ سوال کیا کہ دشمن اپنا خنجر مادر وطن کے سینے میں گھونپ رہا ہے - کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس نامراد ملک کو تباہی سے بچا سکے ؟ ایک اور شخص کہ اس کا نام بھی کمال ہی ہے (اپنی ذات مراد ہے) قوم کی صفوں سے نکلا جس نے نہایت حوصلے سے اس آواز پر لبیک کہی اور جواب دیا کہ دشمن کو اپنا خنجر مادر وطن کے سینے میں اتار لینے دو - یقیناً

ترکیہ کا کوئی جواں مرد اس ملک کو بچانے کے لیے ضرور اٹھے گا۔"

ان الفاظ سے مصطفیٰ کمال کا عظیم نصب العین مترشح ہوتا ہے جو یہی تھا کہ ترکیہ کو تباہی سے بچالیں ۔ وہ اگلے روز قیر شہر سے روانہ ہوکر انقرہ پہنچے ۔ دسمبر ۱۹۱۹ع کی ۲۷ تاریخ کو بروز ہفتہ دوپہر کے دو بجے وہ پہلی بار انقرہ میں داخل ہوئے۔ انقرہ اور اس کے نواحی دیہات کے باشندے جنھوں نے بعد ازاں وقتاً فوقتاً تائید اور اعانت کا ثبوت دیا ، سڑکوں پر جوق در جوق جمع تھے ۔ وہ سب مصطفیٰ کمال کو خوش آمدید کہتے تھے اور ان کی تشریف آوری پر اپنی مسرت کا مظاہرہ کررہے تھے۔ مصطفیٰ کمال اور ان کے رفقا نے تھوڑی دیر گورنمنٹ ہاؤس میں آرام کیا اور پھر انقرہ کے زراعتی کالج کی عمارت میں قیام اختیار کر لیا ۔ انقرہ کا یہ زراعتی کالج قومی جد و جہد اور تحریک آزادی کا گہوارہ بن گیا اور بعد ازاں ترکیہ کا صدر مقام بھی قرار پایا ۔ اسی روز یعنی ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ع کو مصطفیٰ کمال نے ایک اعلان کے ذریعے انقرہ میں اپنے آ جانے کی اطلاع ملک بھر میں مشتہر کر دی ۔

باب ۸

مصطفیٰ کمال انقرہ میں

اگلے روز مصطفیٰ کمال نے انقرہ کے مقامی باشندوں سے ملاقات کی - انھوں نے ان کے ساتھ بہت وقت صرف کیا اور ان اسباب کی تشریح کی جن کی بنا پر قوم نے اپنے آپ کو منظم کر کے اپنی نجات کے ذرائع تلاش کیے تھے - انقرہ میں قیام کر لینے کے بعد مصطفیٰ کمال نے قومی تنظیم کی رہنمائی کا کام اپنے اس دفتر میں شروع کیا جو انھیں وہاں کے گورنمنٹ ہاؤس میں دیا گیا تھا - اس دفتر سے دن رات سیکڑوں خطوط بھیجے جاتے تھے جن کے ذریعے وطن پرست ترکوں میں بیداری کی لہر پیدا کی جاتی تھی اور انھیں صورت حال کے صحیح حقائق سے آگاہ کر کے ملک و ملت کی خدمت کے لیے متحد کیا جاتا تھا - مصطفیٰ کمال نے پہلا کام یہ کیا کہ جو نمائندے حال ہی میں منتخب ہوئے تھے اور اپنے راہنما سے ہدایات لینے آئے تھے ، ان سے ملاقات کی - اس کے ساتھ ساتھ یہ کوششیں بھی کی گئیں کہ علی رضا پاشا کی کابینہ کو جو مجلس قائمہ کے وجود اور اس کے اقتدار سے جلتی تھی ، معقولیت کا سبق پڑھائیں کیونکہ یہ کابینہ ہر روز نئی مشکلات پیدا کر رہی تھی -

۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء کو مجلس قائمہ نے انقرہ سے ''حاکمیت ملیہ'' نام کا ایک اخبار نکالا - یہ اخبار اناطولیہ اور رومیلیا کی انجمن تحفظ حقوق کا نمائندہ تھا اور ایک سیواس سے شائع ہونے والے اخبار ''ارادۂ ملیہ'' ہی کے مسلک پر گامزن تھا -

انھی دنوں کرنل عصمت بھی استنبول سے آ کر مصطفیٰ کمال کے ساتھ شریک ہو گئے - وہ نہ صرف خیالات میں بلکہ ہر اقدام میں ان کے نہایت عزیز معاون تھے - دونوں کا اس بات پر ایمان تھا کہ ملک کی

آزادی کے لیے اب تک جو کوششیں کی گئی ہیں انھیں کامیاب کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اب انھیں سمیٹ کر آزادی کی جد و جہد کے لیے ایک فیصلہ کن معرکہ کیا جائے ۔ انھیں یقین تھا کہ اس اقدام نیز فوج کی تنظیم کے لیے ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ افسروں کو اناطولیہ میں کھینچ لیا جائے ۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اخراجات کے لیے مطلوبہ روپیہ اور ذرائع بھی فراہم کیے جائیں ۔

اگرچہ استنبول کی حکومت رکاوٹیں پیدا کر رہی تھی لیکن مصطفیٰ کمال نے یہ موقع نکال ہی لیا کہ کئی دن تک ملاقات کرنے والے نمائندوں سے تفصیلی صلاح مشورہ کرتے رہیں ۔ ان نمائندوں سے گفتگو کر کے وہ اس فیصلے پر پہنچے کہ قومی مقاصد کی حفاظت کے لیے بہت سوجھ بوجھ اور عزم صمیم کے ساتھ کوشش کی جائے تو اس سے ایک ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوگی ۔ ملک کی نجات اور آزادی کے لیے ضروری ہے کہ پوری قوم متحد ہو کر میدان میں آئے اور ایک منظّم تحریک قائم رکھے جس کے ارکان ، فکر و خیال اور اغراض و مقاصد میں یک دل و یک جہت ہوں ۔ مصطفیٰ کمال نے بار بار اس بات پر بھی زور دیا کہ استنبول کی مجلس نمائندگان میں چند ایسے نمائندوں کا موجود ہونا ضروری ہے جو با اثر اور ہم خیال ہوں ۔

مصطفیٰ کمال نے اپنے ملاقاتیوں کو وضاحت کے ساتھ وہ تمام طریقے بتائے جن سے قوم کی آرزوئیں اور مقاصد بروئے کار لائے جاسکتے تھے ۔ انھوں نے ان چیزوں کو ایک مختصر لائحۂ عمل کی صورت میں پیش کر کے اس کا نام ''میثاق ملی'' رکھا تھا ۔ ملاقاتیوں کو مستقبل میں جو کام انجام دینے تھے ، انھیں ان سے آشنا کرنے کے لیے مصطفیٰ کمال نے اس پروگرام کا پہلا مسودہ تیار کیا ۔

مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ استنبول میں مجلس نمائندگان پر حملہ ہوگا اور اسے ختم کر دیا جائے گا ۔ لہٰذا انھوں نے پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ اس صورت میں ایک اجلاس انقرہ میں کیا جائے ۔

وہ چاہتے تھے کہ مذکورہ بالا صورت میں وہ کسی فوری اقدام کرنے کے قابل ہوں اور اسی لیے وہ یہ چاہتے تھے کہ مجھے مجلس نمائندگان کا صدر منتخب کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ وہ استنبول جانے کے لیے تیار نہ تھے لیکن انھیں اس بات سے بھی گریز نہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی بہانے سے اپنی روانگی ملتوی کرتے رہیں اور اس عرصے میں ایک نائب صدر کے ذریعے مجلس نمائندگان کی قیادت کیے جائیں۔

ان دنوں استنبول میں ایسے واقعات پیش آئے جنھوں نے مصطفیٰ کمال کو بے چین رکھا۔ مجلس نمائندگان کا آخری اجلاس اسی زمانے میں ہوا اور پھر ۱۶ مارچ ۱۹۲۰ع کو یورپ کی اتحادی فوجوں نے استنبول پر قبضہ کرلیا۔

علی رضا پاشا کی حکومت نے قوم پرست فوجوں کی سرکوبی کے لیے ایک فوج بھیجی جس نے ان گوریلوں کا قلع قمع کر دیا جو استنبول کے نزدیک جزیرہ نمائے قوجا ایلی میں یحییٰ کپتان کے ماتحت لڑ رہے تھے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۲۰ع کو مجلس نمائندگان کا اجلاس شروع ہوا۔ اس میں سلطان وحیدالدین نے خرابی صحت کی بنا پر شرکت نہ کی۔ ان کی طرف سے وزیراعظم علی رضا پاشا نے تقریر پڑھی۔ اتحادی حکومت نے اجلاس کی کارروائی میں کئی بار دخل دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وزیر جنگ اور چیف آف جنرل سٹاف کو تبدیل کر کے ان کی جگہ دوسرے اشخاص مقرر کیے جائیں۔ ان واقعات سے مصطفیٰ کمال نے یہ نتیجہ نکالا کہ قومی اسمبلی بہت جلد توڑ دی جائے گی۔ انھوں نے استنبول میں اپنے دوستوں کو یہ ہدایت کردی کہ اپنی ذاتی حفاظت کا انتظام کر رکھنا اور اس واقعے کے فوراً بعد ارکان اسمبلی کو اجازت دے دینا کہ وہ انقرہ میں جمع ہو جائیں۔

نمائندوں نے اپنا چیرمین منتخب کرنے کے لیے ایک خفیہ اجلاس کیا۔ انھوں نے مصطفیٰ کمال کو منتخب کرنے سے تو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکتے کیونکہ انقرہ میں رہتے ہیں۔ نمائندوں نے مصطفیٰ کمال کے زیر ہدایت

ملکی آزادی کی بقا کے لیے جو گروہ بنایا تھا اُس کا نام رکھنے کے معاملے میں بھی کچھ اختلافات ہوئے - اگرچہ اُس کا صحیح نام ''آنا طولو و روملی مدافعہ حقوق غروبی'' ہونا چاہیے تھا لیکن اُس کا نام ''فلاح وطن غروبی'' رکھا گیا - تاہم دولت عثمانیہ کی اس آخری مجلس نمائندگان نے ایک معاملے میں مصطفیٰ کمال کی ہدایات پر عمل کیا - اس مجلس نے ۲۸ جنوری ۱۹۲۰ء کو ''میثاق ملی'' کا مسودہ مرتب کر کے اُس پر اپنے دستخط ثبت کیے - ۱۷ فروری کو مجلس نے ایک کھلے اجلاس میں قوم کی طرف سے اس کا اعلان کردیا اور فیصلہ کیا کہ اُسے دنیا بھر کی پارلمینٹوں اور اخبارات کو بھیج دیا جائے - مجلس نے سلطان پر اور اُس کی حکومت پر دباؤ ڈال کر وہ حکم بھی منسوخ کرایا جس کے ذریعے داماد فرید پاشا کی حکومت نے مصطفیٰ کمال کو برخاست کر کے اُن کے فوجی مناصب ضبط کیے تھے - برطرفی کے حکم میں ترمیم کرکے اُسے استعفا کی صورت دے دی ، اگرچہ حکومت نے بعد ازاں اس ترمیم کو شائع کرنے کی زحمت گوارا نہ کی -

اس اثنا میں فوزی پاشا وزیر جنگ مقرر ہوچکے تھے - کرنل عصمت اُن فیصلوں کی تکمیل میں مدد کرنے کے لیے جو مصطفیٰ کمال نے جد و جہد آزادی کے معاملے میں کیے تھے ، استنبول چلے آئے - بدقسمتی سے کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ قومی مقاصد کو پورا کرنے کے معاملے میں مجلس نمائندگان کو قدم قدم پر ناکامیاں پیش آئیں - ارکان حکومت پر مجلس نمائندگان کا اثر پڑنے کے بجائے سلطان کا زیادہ اثر پڑا - ان ارکان نے قومی جد و جہد کے باب میں مخالفت کا اظہار کیا - اس پر مصطفیٰ کمال نے شدید رد عمل ظاہر کیا اور علی رضا پاشا کو مجبوراً اپنی کابینہ کے بعض ارکان کو ہٹانا پڑا - اس اثنا میں سپریم صلح کونسل نے پیرس میں اپنا کام شروع کر دیا تھا - ترکیہ کے متعلق مزید فیصلے کیے گئے اور صلح نامہ ''سہ ور'' کا خاکہ تیار ہوا - اس کے ساتھ ساتھ ترکیہ میں اتحادی طاقتوں کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا - ازمیر میں یونان کی تازہ فوجوں کا اجتماع

ہونے لگا - بیغا اور باندرمہ کے علاقے میں "انزاوور" نام کا ایک شخص جو دشمنوں کا زر خرید اور ساختہ پرداختہ تھا، یہ کوشش کرنے لگا کہ قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ترکیہ کی فوجوں کی پشت میں خنجر گھونپ دے -

اتحادی طاقتوں نے یہ کوشش بھی کی کہ جس محاذ پر یونانی افواج قابض تھیں، وہاں سے ترکیہ کی فوجوں کو ہٹا لیا جائے - جب انھیں بتایا گیا کہ یہ صورت ہرگز ممکن نہیں تو یونانی افواج نے ۳ مارچ ۱۹۲۰ع کو جارحانہ حملہ کر دیا - اس پر علی رضا پاشا کی کابینہ کو استعفا دینا پڑا - مصطفیٰ کمال نے براہ راست دباؤ ڈال کر نیز مشرقی صوبوں کی طرف سے بالواسطہ اثر ڈلوا کر سلطان کو مجبور کیا کہ وہ دوبارہ داماد فرید پاشا کو وزیراعظم مقرر نہ کرے - آخر پانچ روز بعد صالح پاشا نے نئی کابینہ بنائی -

اُدھر پیرس میں سپریم صلح کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ اتحادیوں کی فوجیں استنبول پر باقاعدہ قبضہ کریں اور اُن کے کمشنر ترکی پارلمینٹ کے ممتاز ارکان کو گرفتار کرلیں - ۱۳ مارچ کو جوں ہی مصطفیٰ کمال کو ان فیصلوں کی اطلاع ملی، انھوں نے اپنے انتہائی مقرب دوستوں سے کہا کہ ایسے آدمی ساتھ لےکر میرے پاس آؤ جو حکومت بنانے اور اس کی قیادت کرنے کے اہل ہوں - مصطفیٰ کمال کے ان انتظامات کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے دل کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر استنبول کی مجلس نمائندگان اور حکومت نے مزاحمت یا احتجاج کا مظاہرہ کیا تو یہ کوشش بیکار ثابت ہوگی -

۱۵ مارچ کو اتحادی فوجوں کے سپہ سالار نے استنبول میں ترکیہ کے ڈیڑھ سو سربرآوردہ دانشوروں کو گرفتار کرلیا - اگلے روز شہر پر فوج کا قبضہ ہوگیا - تار گھر کا ایک وطن پرست کلرک حمدی آفندی مصطفیٰ کمال کو ایک ایک بات کی اطلاع دیتا رہا - یہ محب وطن جو ۱۸۹۲ع میں بہ مقام مناستر پیدا ہوا اور ۱۹۴۵ع میں فوت ہوا، "اون آلتی مارت" کے لقب سے اپنا کام

کرتا رہا ۔ اس لقب کے معنی ۱۶ مارچ ہیں یعنی وہ تاریخ جس پر اس محب وطن نے اپنا کام شروع کیا ۔ حمدی آفندی تار گھر میں ہی ٹھہرا رہا اور اتحادیوں نے دارالسلطنت پر جو قبضہ کیا تھا اُس کے درجہ بہ درجہ شدت پکڑنے کی اطلاعیں مصطفیٰ کمال کو دیتا رہا ۔ مصطفیٰ کمال نے فوراً سارے ملک میں ان حالات کا اعلان کر دیا ۔ انھوں نے احتیاطاً قومی تنظیم کو ہدایت کردی کہ ترکیہ کے بیرونی دنیا سے جو رابطے ہیں انھیں کاٹ دیا جائے ، نیز یہ بھی ہدایت کی کہ اپنی ہم‌وطن عیسائی آبادی کے ساتھ شفقت آمیز برتاؤ کیا جائے کیونکہ اتحادیوں نے اُن کی کسی قسم کی سرپرستی نہیں کی ہے ۔ ایک اور گشتی مراسلہ جاری کرکے عوام کو اُس جھوٹے پروپیگنڈے سے خبردار رہنے کی ہدایت کی جس سے قوم میں بے اطمینانی و مایوسی پھیلتی ہے ۔ انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ اناطولیہ اور روسیلی (یورپی ترکیہ) کی انجمن تحفظ حقوق ، ساری قوم کو حالات کی رفتار سے با خبر رکھے گی ۔

اس کے علاوہ مصطفیٰ کمال نے یہ انتظام بھی کیا کہ استنبول میں اتحادیوں کے کمشنروں کو نیز تمام غیرجانب‌دار ملکوں کے وزرائے خارجہ کو اور فرانس ، برطانیہ اور اٹلی کی پارلیمنٹوں کو احتجاجی تار روانہ کر دیے ۔ ان تاروں کا مضمون یہ تھا کہ ترکیہ کی سیاسی حاکمیت اور قومی آزادی پر یوں حملہ کرنا اُن تمام اصولوں کی خاک اڑانا ہے جو بیسویں صدی کی مہذب دنیا نے قائم کیے ہیں ۔ استنبول پر فوجی قبضے نے آزادی ، قوم‌پرستی اور حب وطن کے ان تمام جذبات کا خون کردیا ہے جو مہذب معاشرتوں

روح رواں اور ضمیر انسانی کا بنیادی مطالبہ ہیں ۔ اپنے حقوق اور آزادی کے تحفظ کے لیے ہم نے جو جدوجہد شروع کی ہے وہ مقدس فریضے کی مانند ہمیں عزیز ہے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت کسی قوم سے زندہ رہنے کا حق نہیں چھین سکتی ۔ انھوں نے غاصب اتحادی حکومتوں کو اس حقیقت کی

طرف بھی متوجہ کیا کہ آپ کے یہ اقدامات آپ کے قومی وقار کے منافی ہیں اور آپ کو تاریخ کی بارگاہ میں اپنے ان افعال کی جواب دہی کرنی پڑے گی ۔

اس کے ساتھ ہی مصطفیٰ کمال نے ایک اعلان کے ذریعے ترکی قوم سے یہ خطاب کیا کہ سات صدیوں تک سلطنت کرنے کے بعد دولت عثمانیہ کا وجود اور جاہ و جلال ختم ہو چکا ہے اور اب قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی ، اپنی آزادی ، اپنے مستقبل اور مہذب دنیا میں زندہ رہنے کے حق کی حفاظت خود کرے ۔ کئی کانفرنسوں اور مسلسل مذاکروں کے بعد انھوں نے ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ کو ایک مراسلہ جاری کیا جس میں یہ اعلان تھا کہ ترکیہ کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے انقرہ میں قومی اسمبلی قائم کی جائے گی جس کے اختیارات غیر معمولی ہوں گے ۔ اس نئی اسمبلی میں نئے منتخب شدہ نمائندوں کے علاوہ مجلس نمائندگان کے وہ ارکان بھی شامل کیے جائیں گے جو استنبول سے کسی طرح نکل کر انقرہ چلے آئیں ۔ یہ لوگ جوں ہی اناطولیہ کی حدود میں داخل ہوں گے ، انھیں ملک کو بچانے اور آزادی کا تحفظ کرنے کے لیے ہر قسم کے اقدامات کی سہولت حاصل ہوگی ۔

استنبول سے فرار کر کے اناطولیہ میں آنے والے نمائندوں کی حالت پر مصطفیٰ کمال نے پوری نظر رکھی اور ان کے بہ حفاظت انقرہ پہنچنے کے تمام انتظامات کیے ۔ جن اشخاص نے ان کے ساتھ تعاون کرنا پسند کیا ، انھوں نے ان کو حالات حاضرہ سے ہر طرح باخبر رکھا ۔

استنبول سے انقرہ آنے والے اشخاص میں کرنل عصمت بھی تھے جو فوجی قبضے کے چوتھے روز وہاں سے نکل آئے اور ۹ اپریل ۱۹۲۰ء کو انقرہ آ پہنچے ۔ جن دنوں فوزی پاشا وزیر جنگ تھے ، عصمت کو ایک نہایت اہم منصوبے کے سلسلے میں استنبول بھیجا گیا تھا ۔ وہ وہاں سے ادرنہ کے نمائندے بن کر انقرہ واپس آئے اور یہاں مصطفیٰ کمال کے خاص رفیق قرار پائے ۔

۵ اپریل کو داماد فرید پاشا پھر وزیر اعظم مقرر ہو گئے - اتحادی فوجوں کے طمطراق پر اعتماد کرکے انھوں نے قومی جد و جہد آزادی کی تحریک کو کچلنا چاہا - انھوں نے اپنے اعلانوں اور مولویوں کے فتووں سے قوم پرست ، محب وطن فوجوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ بغاوت اور فساد کا ارتکاب کر رہی ہیں - انھوں نے ۱۱ اپریل کو مجلس نمائندگان کو توڑ دیا جس نے ۱۸ مارچ ہی کو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب جب کہ دارالسلطنت پر غیرملکی جارحیت کا قبضہ ہو چکا ہے ، ہمیں اپنی سرگرمی معطل کردینی چاہیے - داماد فرید پاشا نے ایک طرف اناطولیہ میں بغاوت کروانے اور اسے انقرہ تک پھیلا دینے کی کوشش کی ، دوسری طرف انھوں نے استنبول میں ایک تادیبی فوج قائم کی جسے قومی فوج کے خلاف صف آرا کیا جا سکے -

اب مصطفیٰ کمال کی بے پناہ مشغولیت کا دور شروع ہوا - وہ بغاوت کو دبانے کا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ یونانی محاذ پر بھی مصروف رہتے تھے - استنبول سے قوم پرستوں کے خلاف جو فتویٰ شائع کیا گیا تھا اُس کے جواب میں انھوں نے اناطولیہ کے ۱۵۳ علما سے ایک فتویٰ حاصل کرلیا جس کا مضمون یہ تھا کہ تحریک آزادی کے علم بردار ہرگز غدار نہیں ہیں - غدار وہ لوگ ہیں جو اس مقدس تحریک کو دبانے کے درپے ہیں - انھی ہنگاموں میں مصطفیٰ کمال نے انقرہ میں عظیم قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس کی بھی تیاری کرلی - ۲۲ اپریل کو ایک گشتی مراسلے کے ذریعے یہ اعلان کر دیا گیا کہ عظیم قومی اسمبلی اگلے دن سے اپنے فرائض سنبھال لے گی اور اسی تاریخ سے وہ انتظامی معاملات اور فوجی امور میں اعلیٰ ترین اقتدار کی حامل ہوگی -

اسمبلی کے افتتاح کے دن مصطفیٰ کمال نے بہت وسیع پیمانے پر پورے ملک میں قومی اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کا پروگرام تیار کیا - اُن کی خواہش تھی کہ اس عظیم تاریخی واقعے کو پورے

تقدس کے ساتھ منایا جائے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے اسمبلی کے مذاکرات کے لیے بہت جلد عمارت تیار ہو گئی۔ (یہی عمارت کچھ عرصے بعد جمہوری عوامی پارٹی کا صدر دفتر بنی)

باب ۹

مصطفیٰ کمال عظیم قومی اسمبلی کے صدر اور ترکیہ کی قومی حکومت کے بانی بنتے ہیں

جمعہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کے ارکان مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اسمبلی کی عمارت میں داخل ہوئے - یہ سب اشخاص صف بستہ سپاہیوں کی صفوں کے درمیان سے باقاعدہ جلوس کی شکل میں گزرے - قوم کی نجات ، فلاح و بہبود اور آزادی کے لیے دعائیں مانگی گئیں، اور دن کے پونے دو بجے سینوپ کے نمائندے شریف نے ، جو سب سے سن رسیدہ رکن تھے ، کرسیِ صدارت کو زینت بخشی - اسمبلی کے مقرر نے اپنا یادگار فریضہ سنبھالتے ہوئے ساری دنیا کو یہ اعلان سنا دیا کہ اسمبلی نے مکمل داخلی اور خارجی آزادی کی فضا میں قوم کی قسمت اپنے ہاتھ میں لی ہے - مصطفیٰ کمال اُس کے پہلے مقرر (سپیکر) تھے - انھوں نے اسمبلی کی ماہیت اور اختیارات کی وضاحت کرتے ہوئے وہ تمام قاعدے بھی بیان کیے جن سے اسمبلی کی کارروائی میں سہولتیں پیدا کی جا سکتی تھیں -

اگلے روز مصطفیٰ کمال اسمبلی کی فضا پر چھا گئے - انھوں نے ایک یادگار تقریر کی جو تین طولانی نشستوں میں ختم ہوئی - انھوں نے جا بجا دستاویزیں پڑھ پڑھ کر اُن تمام واقعات پر تبصرہ کیا جو جنگ بندی کے عہد نامۂ مودروس سے لے کر اُس وقت تک پھیلے ہوئے تھے جب ترک قوم نے اپنی قومی اسمبلی کی وساطت سے اپنی تقدیر کا سفینہ خود سنبھالا- انھوں نے اس سیاسی جد و جہد کی پوری تاریخ بھی بیان کی جو انھوں نے قومی آزادی کے حصول کے لیے شروع کی تھی - تقریر کا اختتام مندرجہ ذیل فیصلوں پر ہوا :

۱ - نئی حکومت کی تشکیل ناگزیر تھی -
۲ - کسی شخص یا کسی نائب السلطنت کو نئی حکومت کا مطلق العنان فرماں روا تسلیم کرنا غلط ہوگا ، خواہ عارضی طور پر ہی ایسا کیا جائے -
۳ - اس حقیقت کا اعتراف لازم ہے کہ قوم کی مرضی نے اسمبلی کی شکل میں ملک کی قسمت کو سنبھال لیا ہے - کسی ادارے کو ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی سے بالاتر نہیں تسلیم کیا جا سکتا -
۴ - ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی نے مقننہ اور عاملہ کے تمام فرائض سنبھال لیے ہیں - حکومت کا کام ایک کمیٹی انجام دے گی جس کے ارکان کا انتخاب اسمبلی اپنے ممبروں میں سے کر کے اُسے اختیارات تفویض کر دے گی - اسمبلی کا چیرمین مذکورہ کمیٹی کا بھی چیرمین ہوگا -

مصطفیٰ کمال نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ جب سلطان وحیدالدین خلیفۃ المسلمین اتحادیوں کے تسلط سے آزاد ہو جائیں تو اپنے اختیارات کا استعمال کرنے لگیں - لیکن اُن کے اختیارات اُن قانونی حدود میں ہوں جنھیں اسمبلی نے منظور کیا ہو - اسمبلی نے اس قرارداد کو بعینہٖ منظور کرلیا اور اس طرح نئی ترکی حکومت کا پہلا آئین اختیار کیا گیا -

اس کے بعد اسمبلی نے متعدد قراردادیں منظور کیں اور مصطفیٰ کمال نیز اُن کے اُن رفیقوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے قومی جد و جہد میں حصہ لیا تھا - مصطفیٰ کمال نے بھی اسمبلی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں نے فقط ایک محب وطن کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیا ہے - اتنی بات ضرور ہے کہ مجھے اپنی قوم سے دلی لگاؤ ہے اور اس پر مکمل اعتماد ہے - اُسی روز مصطفیٰ کمال کو قومی اسمبلی کا چیرمین منتخب کر لیا گیا -

اسمبلی کے ارکان نے مصطفیٰ کمال پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا ، اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھوں نے کہا :

"مجھ پر جتنا اعتماد آپ صاحبان کو ہے وہ میرے استحقاق سے کہیں زیادہ ہے تاہم میں اسے آخری انعام کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا - یہ اعتماد تو قوم کی اس اعانت و امداد کا مظہر ہے جو قوم نے اُس مقدس مقصد کی تکمیل کے لیے پیش کی ہے جس میں ہم سب ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ میدان عمل میں آترے ہیں - میں اور آپ سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قوم نے میرے کاندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ڈالی ہے - اگرچہ حالات حاضرہ بے انتہا نازک ہیں ، اتنے نازک کہ تاریخ میں اُن کی مثال نہیں ملتی - تاہم میں کوشش کروں گا کہ یہ قومی فریضہ انجام دوں - پھر بھی اس کا انجام دینا جبھی ممکن ہے کہ آپ صاحبان میری تائید اور امداد کرتے رہیں -"

مصطفیٰ کمال کے ایما پر اسمبلی کا خفیہ اجلاس ہوا تاکہ داخلی اور خارجہ پالیسی پر بحث کی جائے - انھوں نے اپنا پروگرام جن الفاظ میں واضح کیا وہ یہ ہیں :

''اگر ہماری قوم کو ایک طاقتور، شادماں اور آزاد قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو ہماری حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسی قومی پالیسی اختیار کرے جو ہماری قومی خصوصیات پر مبنی ہو اور اسی کی نمائندگی کرے - قومی پالیسی سے میری مراد ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی قومی فوجوں پر اعتماد کریں ، اپنی بین الاقوامی حدود میں اپنی قوم کی زندگی کی حفاظت کریں اور اپنے ملک نیز اہل ملک کی حقیقی فلاح و بہبود اور مسرت کے لیے کام کرتے رہیں - ہمیں دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنے کے خیالات دماغ سے بالکل نکال دینے چاہییں کیوں کہ ان پر قوم کا وقت اور مفاد قربان کرنا غلط ہے - ہم مہذب دنیا سے یہ توقع بھی ضرور رکھیں گے کہ وہ ہمارے ساتھ تہذیب کا برتاؤ کرے اور دوستی کا جواب دوستی سے دے -''

یہ وہ نصب العین تھا جس پر مصطفیٰ کمال مرتے دم تک قائم رہے -

۲۵ اپریل ۱۹۲۰ع کو قومی اسمبلی نے سات ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کا انتخاب کیا جس کے صدر مصطفیٰ کمال تھے۔ اسی مجلس عاملہ نے ملک کے نظم و نسق کو سنبھالا۔ مصطفیٰ کمال کے ایما پر اسمبلی نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ کرنل عصمت جنھیں کچھ عرصہ پہلے فوجی محاربات کے ناظم اور چیف آف جنرل سٹاف کی حیثیت سے خدمات تفویض کی گئی تھیں، مجلس عاملہ کے بھی رکن بنائے جائیں۔

انقرہ میں آنے کے بعد اول اول مصطفیٰ کمال زراعتی کالج ہی میں رہتے رہے، پھر کچھ عرصے کے لیے کسی عمارت کے ایک حصے میں منتقل ہو گئے جو ریلوے سٹیشن کے پاس تھی۔ بالآخر وہ ایک کوٹھی میں رہنے لگے جو چان قیا میں تھی اور جو انقرہ کی میونسپلٹی نے خرید کر انھیں تحفةً پیش کی تھی۔ اُن کی ساری زندگی قوم کی خدمت کے لیے وقف تھی۔ وہ اکثر اسمبلی کی صدارت کیا کرتے۔ عارضی مجلسِ عاملہ کی قیادت کا کام بھی اُنھی کے ذمے تھا۔ وقت کا باقی حصہ داخلی معاملات اور امور خارجہ کی دیکھ بھال میں نیز اُن تدابیر اور ذرائع کی جستجو میں صرف ہو جاتا جو اس نو زائیدہ مملکت کی بقا کے لیے ضروری تھیں۔ انھوں نے قانون کا مسودہ تیار کرنے اور نمائندوں کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی قائم کر دی تھی۔ ۲۷ اپریل ۱۹۲۰ع کو وہ اس کے بھی صدر منتخب ہوئے اور اس کے کام میں بہ ذات خود حصہ لینے لگے۔

۲ مئی ۱۹۲۰ع کو عظیم قومی اسمبلی نے وزرائے عاملہ یعنی کمشنروں کے انتخاب کے متعلق قانون نمبر ۳ منظور کیا۔ وزیروں کا انتخاب کیا اور حکومت کی تشکیل کر لی۔ عظیم قومی اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے اب مصطفیٰ کمال وزرائے عاملہ کے اجلاسوں کی صدارت بھی کرنے لگے۔ یہ فریضہ وہ برابر انجام دیتے رہے یہاں تک کہ فوزی پاشا مجلس وزرائے عاملہ کے صدر منتخب ہو گئے جن کا تقرر ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ع والے آئین کے تحت عمل میں آیا۔ اسمبلی

کی طرف سے کرنل عصمت فوجی امور (وزارت جنگ) کے سربراہ مقرر ہوئے اور وزارت جنگ ہی نے انھیں چن کر چیف آف جنرل سٹاف کے عہدے پر متعین کیا۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی عظیم تقریر میں اس انتخاب کی تعریف ان الفاظ میں کی :

''چیف آف جنرل سٹاف اور بعد ازاں سپہ سالار محاذ کی حیثیت سے عصمت پاشا نے اپنی لیاقت اور ان تھک محنت سے میرے انتخاب کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ اس معاملے میں، میں پوری سرخ روئی کے ساتھ قوم کے، فوج کے اور تاریخ عالم کے روبرو آ سکتا ہوں۔''

ان الفاظ سے اُس محبت کا اظہار ہوتا ہے جو مصطفیٰ کمال کو کرنل عصمت سے تھی اور وہ اعتماد بھی مترشح ہوتا ہے جو تحریکِ اصلاح ترکیہ کے بہ سلسلہ اُنھیں اپنے اس رفیق پر ہمیشہ رہتا تھا۔

ترکیہ کی قومی حکومت کے صدر کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال نے فوج کی تنظیم کو بہتر بنانے، اس کی طاقت بڑھانے اور معاملات خارجہ کو درست کرنے کا کام شروع کیا۔ اس اثنا میں استنبول میں داماد فرید پاشا کی حکومت نے اتحادی طاقتوں کی شہ پا کر قومی حکومت کی مخالفت اور اس کے منصوبوں کو خراب کرنا شروع کر دیا تھا اور غیرملکی حمایت و امداد پر تکیہ کر کے ترک قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے اختیار کر لیے تھے۔ داماد فرید پاشا نے بے خبر اشخاص میں تخریبی پروپیگنڈا کر کے کئی مقامات پر بغاوتیں کرا دی تھیں اور مصطفیٰ کمال کو اُدھر متوجہ ہونے پر مجبور کیا تھا۔

مصطفیٰ کمال نے صامسون کی سر زمین پر قدم رکھتے ہی فوج کا مکمل اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ فوج کی دفاعی طاقت کو بڑھانے کے لیے تمام تدابیر پہلے ہی کر چکے تھے۔ جب وہ عظیم قومی اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے اُس وقت فوجی صورت حال حسب ذیل تھی :-

۱ - مغرب کی طرف ازمیر کے اردگرد یونانی محاذ پر سرگرمیاں تیز تر ہو گئی تھیں - ٦ اپریل ۱۹۲۰ع کو دشمن نے علاقہ صوما میں پیش‌قدمی کی کوشش بھی کی تھی- ازمیر کے قریب قومی فوجیں برطانوی فوج سے دست و گریبان تھیں -

۲ - مشرق کی طرف ابھی روسیوں سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا - کہیں کہیں امریکی سپاہی ترکی اور مسلمان آبادی کو تاراج کرنے کے لیے کوشاں تھے - امریکیوں پر حملہ کرنے کے لیے نمبر ۱۵ آرمی کور نے ابھی اچھی طرح مورچے نہیں سنبھالے تھے ، اس کے باوجود یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ وہ حملہ شروع کر دے -

۳ - فرانسیسیوں کے ساتھ آطنہ مرعش اور اورفہ کے علاقوں میں جھڑپیں ہو چکی تھیں - قومی فوجیں آطنہ سے ایک گھنٹے کے کوچ کے فاصلے پر موجود تھیں - قومی افواج نے مرسین کا محاصرہ کر لیا تھا اور فرانسیسی کماندار سے کہہ دیا گیا تھا کہ ہتھیار ڈال دو - فرانسیسی مرعش سے بھاگ چکے تھے - عینتاب میں لڑائی جاری تھی -

۴ - تھریس میں نمبر ۱ آرمی کور مزاحمت کی تیاری کر رہی تھی - اس علاقے کے طول و عرض میں فرانسیسی پروپیگنڈا شدت سے تھا -

۱۵ مئی ۱۹۱۹ع سے ۲۲ جون ۱۹۲۰ع تک قومی فوج میں چھوٹے چھوٹے دستوں اور افسروں کی کمک بھیج کر اسے مضبوط کیا جا چکا تھا - اس طرح فوج کے مختلف حصے دشمن کی مزاحمت کے لیے کم و بیش تیار ہو چکے تھے - خوراک ، گولہ بارود اور اسلحے کی بہم رسانی کے معاملے میں قومی فوجیں اس علاقے کی آبادی پر اعتماد کرتی تھیں جہاں وہ مصروف جنگ ہوں -

۳۰ اپریل ۱۹۲۰ع کو مصطفیٰ کمال نے ایک مراسلہ جاری کر کے تمام غیرملکی حکومتوں کے وزرائے خارجہ کو اطلاع دے

دی تھی کہ ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی قائم ہو گئی ہے۔ اسمبلی نے ۳ مئی ۱۹۲۰ء کو انتظامی وزیروں کی کمیٹی کا انتخاب کیا اور اس کمیٹی نے ۵ مئی کو مصطفیٰ کمال کے زیر صدارت اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا تو موصوف نے ایک بار پھر اُس طریق کار کی وضاحت کردی جس پر وہ ملک کے قائد کی حیثیت سے داخلی اور خارجی پالیسی معین کرنے والے تھے۔ انھوں نے معاملات خارجہ پر خصوصیت سے زور دیا اور سوویٹ روس سے تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا جو ان دنوں ترکیہ کی مانند غیرملکی جارحیت کے خلاف سینہ سپر تھا۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر مصطفیٰ کمال نے ترکی وزیر خارجہ کی قیادت میں ایک وفد ماسکو بھیجا جو ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو اُدھر روانہ ہوگیا۔

عظیم قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں قومی حکومت کی پالیسی کے اصول بیان کرتے ہوئے، مصطفیٰ کمال نے اپنی تقریر میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ ہم اپنی ملکی حدود سے باہر نکل کر استحصال یا کشورکشائی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ لیکن ان الفاظ کے یہ معنی بھی تھے کہ ہم اپنے ملک کی آزادی اور سالمیت کو ہرگز برباد نہ ہونے دیں گے اور اپنی ملکی حدود میں کسی قسم کی سیاسی مداخلت گوارا نہ کریں گے۔ اُن دنوں دنیا سے ترکیہ کی ان شرائط کو تسلیم کروا لینا آسان نہ تھا۔ خاص مشکل یہ تھی کہ اتحادی طاقتیں جو پہلی جنگ عظیم میں مظفر و منصور ہو کر نشۂ فتح سے سرشار تھیں، آزاد ترکیہ کا وجود دیکھنا پسند نہ کرتی تھیں۔ ادھر قومی اسمبلی اپنا اجلاس کر رہی تھی، اُدھر فتح‌مند ممالک کے نمائندے بہ مقام سان ریمو اپنے منصوبے کے مطابق "معاہدۂ سیورے" کا آخری مسودہ تیار کر رہے تھے۔ اس بیہودہ صلح‌نامے کی ایک شق یہ تھی کہ ترکیہ کے علاقے کو آپس میں بانٹ لیا جائے اور ترکیہ کو نیم نوآبادیاتی علاقہ بنا دیا جائے جو صرف استنبول اور اناطولیہ کے چند صوبوں پر مشتمل ہو۔ اتحادیوں کو

یقین تھا کہ وہ حکومتِ استنبول کے نمائندوں کو اس فیصلے پر رضامند کر لیں گے !

مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر اتحادی حکومتیں انقرہ کی قومی حکومت کو کیسے تسلیم کرسکتی تھیں - وہ استنبول کی حکومت کو جائز سمجھتی تھیں اور قومی حکومت کو سلطان وحیدالدین کے خلاف بغاوت قرار دیتی تھیں - لہٰذا انھوں نے اُسے کچلنے کے لیے سلطان کو نیز یونانیوں کو ہر قسم کی مادی امداد دینے کی تیاریاں کیں - ان حالات میں سنام کے فرانسیسی ہائی کمشنر کی طرف سے مئی ۱۹۲۰ء میں ایک فرانسیسی وفد انقرہ آ پہنچا جس کا قائد ایم- ڈی- کیلس تھا - اس وفد نے مصطفیٰ کمال سے گفت و شنید کرنی چاہی- ۳۰ مئی ۱۹۲۰ء کو بیس دن کے لیے فرانس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ ہو گیا - اس صلح سے جس کو "مہلتِ سامانِ جنگ" کہنا مناسب ہوگا ، قومی حکومت کو کئی عمدہ مواقع میسر آ گئے - ایک تو یہ کہ آطنہ کے اردگرد جو فوجیں تھیں ، اُن کی چپ چپاتے از سرِ نو تنظیم ہوگئی - ان فوجوں کو پہلے بھی باقاعدہ دستوں کی تھوڑی سی کمک مل چکی تھی - دوسرے یہ کہ فرانسیسی وفد کے سامنے قومی حکومت کو اپنے مقاصد واضح کرنے کا موقع ملا - تیسرے یہ حقیقت بھی الم نشرح ہوگئی کہ ملک کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف عظیم قومی اسمبلی کو حاصل ہے ، اور کسی کو نہیں - اُدھر استنبول کی حکومت مصطفیٰ کمال کے روز افزوں اثر اور اقتدار کو مٹانے کے درپے تھی - اُس نے ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو دوبارہ فوج سے ان کی برطرفی کا اعلان کیا بلکہ اس مرتبہ سزائے موت کا مستحق بھی قرار دیا -

۷ جون ۱۹۲۰ء کو قومی اسمبلی نے ُجند آرمری (رضا کار فوج) (ترکی میں سیار ژاند ارمہ) کی تنظیم کے بل پر بحث کی - مقصد یہ تھا کہ باقاعدہ فوج محاذ پر دشمن سے مصروف جنگ رہے اور یہ رضا کار دستے ، جو فوج ہی کی طرح جنرل سٹاف کے ماتحت ہوں ،

اندرونی امن و امان کی ذمہ داری سنبھال لیں ۔ اس قرارداد کی توضیح کے لیے کرنل عصمت کھڑے ہوئے جن کا اسمبلی کے پلیٹ فارم پر نمودار ہونا یہ ظاہر کرتا تھا کہ قومی آزادی کے معاملات میں مصطفیٰ کمال کو اُن پر کتنا اعتماد تھا ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ مصطفیٰ کمال کی دیرینہ آرزو یعنی ایک طاقتور اور منظم ترکی فوج کا قیام بس چند ہی روز کی بات تھی ۔

اُس روز مصطفیٰ کمال نے اسمبلی میں اپنی اختتامی تقریر میں ترکیہ کے داخلی اور خارجی مسائل کا بیان کیا ۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اسمبلی نے وزرائے عاملہ کی کمیٹی کو جو اختیارات دیے ہیں ، وہ اُن سے کام لے، یعنی ترکی فوج کو قارص ، اردھان اور آرتوین کے تین انتظامی ضلعوں میں پیش قدمی کا حکم دے ۔ یہ اضلاع میثاقِ ملی میں واضح کردہ سرحدوں کے اندر واقع ہیں اور یہاں حکومت آرمینیا کی فوج ترکوں پر وحشیانہ مظالم کر رہی ہے جسے اتحادیوں نے ترکیہ کی مشرقی سرحد پر قائم کردیا ہے ۔ ۹ جون کو مصطفیٰ کمال نے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں میں فوجی تیاریاں مکمل کر لی جائیں ۔ انھوں نے مشرقی محاذ کا کمانڈار جنرل کاظم قرہ بکر کو مقرر کیا جو ۱۵ آرمی کور کے کمانڈار تھے ۔

ابھی یہ کوششیں بارآور نہیں ہوئی تھیں یعنی ابھی ایک آرمی کی تشکیل ہو نہیں چکی تھی کہ ۲۲ جون کو یونانی سپاہ نے حملہ کردیا ۔ یونان کی دو ڈویژن فوج نے صالحلی کی طرف حرکت کی ، دو ڈویژن آق حصار اور صوما کی جانب بڑھے اور ایک ڈویژن نے آیدین ۔ نازللی کی طرف پیش قدمی کی ۔ اس جارحانہ حملے کا مقصد یہ تھا کہ ترکیہ اُس ''صلح نامے سے ور'' کو تسلیم کر لے جسے فتح مند اتحادیوں نے پیرس میں مرتب کیا تھا اور جس کا مضمون عثمانی وفد کو پیرس میں بلا کر سنا دیا گیا تھا ۔ قومی حکومت کی فوج کی حالت ابھی پورے طور پر درست نہیں ہوئی تھی کہ اس کے کمزور

کاندھوں پر غنیم کا حملہ روکنے کی ذمہ داری آن پڑی۔ ایسے زبردست دشمن کے مقابلے میں انھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ منتشر ترکی فوج کو دوبارہ سمیٹ کر ایک جھنڈے تلے لانے اور یونانی پیش‌قدمی کو روکنے کے لیے قومی اسمبلی نے ۱۸ جون کو مغربی محاذ کے لیے ایک کمانڈ قائم کیا جس کے اختیارات آرمی کمانڈ کے برابر تھے۔ نمبر ۲۰ آرمی کور کے کمان‌دار جنرل علی فؤاد اس کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ ۱۳ جون کو بالیکسر پر دشمن کا قبضہ ہو ہی چکا تھا۔ ترکی فوجیں بروسہ کی طرف ہٹیں۔ یونانی اُن کے تعاقب میں بڑھتے گئے یہاں تک کہ ۸ جولائی کو بروسہ پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ بعض یونانی دستے تکیرداغ میں داخل ہوگئے۔ ان کے علاوہ چند یونٹ دریائے مریچ (مارتزا) کو عبور کر آئے جس کی وجہ سے تھریس کے ترکی ڈویژن کو بلغاریہ میں ہٹ کر ہتھیار ڈالنے پڑے۔ غرض ۲۰ جولائی تا ۲۷ جولائی صرف ایک ہفتے میں یونانیوں نے تھریس پر قبضہ کر لیا۔

اسی روز قومی اسمبلی کا اجلاس ہوا اور مصطفیٰ کمال حزب مخالف کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اٹھے۔ حالات کی نزاکت کے باوجود انھوں نے واضح کیا کہ اب بھی دفاع کے امکانات موجود ہیں۔ اپنی ہمت‌افزا تقریر سے انھوں نے نمائندوں کا حوصلہ بلند کیا اور دوبارہ سمجھایا کہ ہم اپنے ملک اور اہل ملک کی آزادی کے لیے سر بہ کف ہیں۔ اسی نصب‌العین اور اسی کارنامے پر ہمارے قومی وقار کا دار و مدار ہے اور ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنے ملک کی سالمیت اور اس کی مقررہ سرحدوں کو محفوظ رکھیں۔ ہم انھی مقاصد کے لیے جنگ کر رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہمارے ملک کا پانچواں حصہ ہاتھ سے نکل چکا ہے لیکن یہ تو کیا اگر پورا ملک بھی چھن جائے اور دشمن اسے آگ لگا دے، تب بھی ہم پہاڑوں میں پناہ لے کر ملک کا دفاع کرتے رہیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنی فوجوں کو قائم رکھیں یہاں تک

کہ وہ سازو سامان اور مہارت میں دشمن کی فوج کے ہم پلہ ہوجائیں۔ غرض اُن حوصلہ شکن حالات میں جو سارے ملک پر چھا چکے تھے، مصطفیٰ کمال نے ملک و ملت کو بچا لینے کے آہنی عزم کا ثبوت دیا۔ سپاہیوں کی حوصلہ افزائی اور صورت حالات کا عینی جائزہ لینے کے لیے وہ ۱۷ جولائی ۱۹۲۰ع کو نمائندوں کا ایک وفد لے کر محاذ پر جا پہنچے۔

مصطفیٰ کمال کا مقصد یہ تھا کہ فوج میں قربانی اور قومی شعور پیدا کرکے اُس میں تازہ روح پھونک دیں۔ بعض ٹوٹے پھوٹے دستے تو ایسے تھے کہ ان کو پرانی عثمانی فوج کی کھرچن کہنا مناسب ہوگا۔ وہ لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اور اُن پر مایوسی چھارہی تھی۔ اگرچہ ابھی اُن میں بغاوت کے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن یہ حالت ضرور ہو چکی تھی کہ کبھی کبھی مقامی باغیوں یا دشمن کے مقابلے میں اپنے ہتھیار چھوڑ چھاڑ کر منتشر ہوجاتے تھے۔ اُن کی نسبت وہ قوم پرست دستے عموماً زیادہ کارگزار ثابت ہوتے تھے جو قومی تحریک کے اغراض و مقاصد سے باخبر تھے اور جنھیں باغیوں یا دشمنوں کا پروپیگنڈا گمراہ نہیں کر سکتا تھا۔ مصطفیٰ کمال نے محسوس کیا کہ ان قوم پرست دستوں سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگرچہ اُن سے کام لینے میں بہت سی مشکلات پیش آ رہی تھیں لیکن وہ تھوڑے سے وقت میں بہت کچھ سیکھ جاتے تھے اور مصطفیٰ کمال کے نزدیک فوج کی اصلاح اور اُسے مضبوط بنانے کا یہی طریقہ سودمند تھا۔ اس کے باوجود ان کا نصب العین یہ تھا کہ باقاعدہ فوج تیار کی جائے جو نظم و ضبط کی ایسی پابند ہو کہ حکم کی تعمیل میں پس و پیش نہ کرے۔

جن دنوں عظیم قومی اسمبلی کی تشکیل ہو رہی تھی، مصطفیٰ کمال کے بعض خاص رفیقوں نے یہ کوشش کی کہ سبز فوج (ترکی نام ''یشیل اوردو'') کے نام سے ایک خفیہ تحریک قائم کریں۔ انھوں نے اپنی قیادت میں یہ تحریک اس طرح پروان چڑھائی

کہ مصطفیٰ کمال کو فقط اس کے اصول سمجھاتے رہے اور تحریک کو ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ وہ مصطفیٰ کمال کے حامی تھے لیکن اس تحریک کے کاموں کا بوجھ اُس پر ڈالنے کے بجائے خود سنبھالے رہے اور تحریک کا جال پھیلانے کے لیے موصوف کے نام اور شہرت کا استعمال کرتے رہے۔ تحریک کے قائدوں میں بعض بد نیت اشخاص بھی تھے جو مصطفیٰ کمال اور چیف آف جنرل سٹاف کرنل عصمت کے منصوبے یعنی باقاعدہ فوج کی تیاری کے خلاف تھے۔ وہ عوام میں نیز قومی اسمبلی میں بڑی کامیابی سے یہ نظریہ پیش کردیتے تھے کہ فوج کا وجود محض بیکار ہے، اُسے توڑ کر اُس کے بجائے قومی عوامی دستوں سے کام لینا چاہیے۔

جب سبز فوج کی تحریک ملک و ملت کے لیے خطرناک بن گئی تو مصطفیٰ کمال نے آگے بڑھ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ چرکس ادھم نے نیز اُس کے بھائیوں اور حامیوں نے موصوف کے اس اقدام کی مخالفت کی۔ یہی لوگ آگے چل کر غداری کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے ترکیہ کی جنگ آزادی کی تاریخ میں نہایت قابل افسوس حرکتوں کا ارتکاب کیا۔

یونانی سپاہ کا جو دستہ صالحلی کے علاقے میں پیش قدمی کر رہا تھا ۲۶ اگست ۱۹۲۰ء کو "عشاق" پر قابض ہو گیا۔ یہ دستہ ایدین کی جانب پیش قدمی کرنے میں نازللی تک جا پہنچا۔ گدیز کے علاقے میں ایک اور یونانی ڈویژن معرکہ آرائی کر رہا تھا۔ باقاعدہ ترکی فوج کے ڈویژنوں میں گولے بارود کی کمی تھی اور وہ ہنوز کمک کے منتظر تھے۔

یہ حالات تھے کہ ملک کے متعدد حصوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ ان میں سے بعض کو استنبول کی حکومت اور غیرملکی طاقتوں نے ہوا دی تھی۔ بعض میں مقامی سہم اُن اشخاص کا ہاتھ تھا جو قومی حکومت کی کمزوری کے اس دور میں کوشاں تھے کہ اُن کے علاقوں میں اُن کا اثر و اقتدار قائم ہوجائے۔ مصطفیٰ کمال

نے ، جو ملک کی سالمیت کے لیے سینہ سپر تھے ، بڑی مستعدی سے ان بغاوتوں کو فرو کیا اور جنگ کی مصروفیتوں کے دوش بدوش گمراہ لوگوں کو وطن پرستی کا سبق بھی پڑھاتے رہے ۔

جنگ آزادی کا ایک پر لطف پہلو یہ تھا کہ قوم پرست لوگ قومی فوج کے لیے ان علاقوں کے میگزینوں سے گولہ بارود اور اسلحہ خفیہ طور پر لے آتے تھے جو دشمن کے قبضے میں تھے ۔ وہ تمام افسر بھی جو استنبول میں پھنسے پڑے تھے ، انھیں منظم طریقے پر ہوائی جہازوں کے ذریعے اناطولیہ میں پہنچا دیا جاتا تھا ۔

صلح نامۂ مودروس کی دفعات کے بموجب وہ تمام گولہ بارود اور اسلحہ جو برطرف شدہ عثمانی فوجوں کا تھا ، اتحادی فوجوں کی زیر نگرانی ذخیرہ کیا جاتا تھا ۔ گولے بارود، اسلحہ اور توپوں کا بڑا ذخیرہ استنبول میں تھا ۔ اسکی شہر ، کوتاہیہ ، انقرہ اور مشرقی صوبوں میں بھی ایسے گودام تھے ۔ تحریک آزادی کے عین آغاز میں قوم پرستوں نے یہ کوششیں کی تھیں کہ ان گوداموں سے جتنا سامان ممکن ہو سکے ، اندرون ملک میں منتقل کر دیا جائے تا کہ جنگ آزادی کی اولین ضروریات پوری کی جا سکیں ۔ فتح مند اتحادیوں نے اس صورت حال سے نبٹنے کے لیے یہ چال چلی کہ جو سامان جنگ جہاں تہاں ذخیرہ تھا اسے وہاں سے لالا کر استنبول میں جمع کر لیا ۔ اس سامان میں اسلحہ ، بھاری مشین گنیں ، بالخصوص بھاری توپوں کے عقبی حصے (جن میں گولہ رکھا جاتا ہے) خصوصیت سے تھے ۔ قوم پرست ترکوں کی تیز دستی ملاحظہ کیجیے کہ جنگ آزادی کی پوری مدت میں وہ استنبول کے ان گوداموں سے اسلحہ اور گولہ بارود خفیہ طور پر نکال نکال کر قومی فوجوں کو پہنچاتے رہے ۔ اس سلسلے میں مہم پسندی اور جانبازی کے ایسے کارنامے مسلسل ظہور میں آئے کہ تعریف سے بالاتر ہیں ۔ سامان جنگ کا بہت سا ذخیرہ ترکیہ کے مشرقی علاقوں میں پہلے ہی جمع

کو لیا گیا تھا ۔ بہت سا آرمینیا والوں سے چھینا ۔ یہ بے اندازہ سامان طرح طرح کی ترکیبوں اور تدبیروں سے مغربی محاذ (یونانی محاذ) پر پہنچا دیا گیا ۔ کچھ سامان قارص اور ارض روم سے خشکی کے راستے بڑی مشقتوں سے پہنچا ۔ بحیرۂ اسود میں یونان کے بحری دستے اور اتحادیوں کے بیڑے برابر گشت کرتے پھرتے تھے لیکن قومی جانباز خطرہ مول لے کر چھوٹی بڑی کشتیوں نیز موٹر کشتیوں میں سامان جنگ لاد لاد کر اینہ بولو اور صامسون کی بندرگاہوں پر آتارتے ہی رہے ۔

جنرل سٹاف نے خاص استنبول میں ایک اور خفیہ تنظیم قائم کی تھی جس کے ارکان نے بڑی بڑی قربانیاں دے کر ترکی افسروں کو ایسے موقع بہم پہنچائے کہ وہ وہاں سے نکل کر اناطولیہ میں داخل ہوں اور قومی فوج میں شامل ہو جائیں ۔ جنگ آزادی کا یہ خفیہ پہلو اس لحاظ سے یادگار ہے کہ اس سے ترک قوم کی یک جہتی اور جذبۂ ایثار کا ثبوت ملتا ہے ۔ ان وطن پرستوں نے اپنے ملک کی بھلائی کے لئے آن علاقوں میں بھی کارگزاری دکھائی جہاں غیرملکی فوجوں کا تسلط تھا ۔

یونانی حملے سے پہلے اتحادی حکومتوں نے حکومت عثمانی کے ایک وفد کو پیرس میں مدعو کیا تھا ۔ اتحادیوں نے ۱۱ مئی ۱۹۲۰ع کو اس وفد کو صلح نامۂ سیورے کا مسودہ دے دیا ۔ ۲۲ جولائی کو خود سلطان وحیدالدین کے زیر صدارت سلطانی کونسل کا اجلاس ہوا جس نے فیصلہ کیا کہ اتحادیوں کی چیرہ دستی سے ترک قوم کو نیست و نابود کرا دینے کے بجائے یہ بہتر ہے کہ اغیار کا یہ صید زبوں جیسے تیسے زندہ تو رہے ۔ لہٰذا صلح نامے کی شرائط قبول کر لینی مناسب ہیں ۔ اس سے دو روز پہلے داماد فرید پاشا نے ارکان وفد کو یہ ہدایت کر ہی دی تھی کہ صلح نامہ منظور کرلینا ۔ معاہدے کی دفعات یہ تھیں کہ ترکیہ کے حصے بخرے کر لیے جائیں اور آن پر اتحادی قابض ہو جائیں ۔ جو ٹکڑا ترکوں کے لیے چھوڑا

گیا تھا اُس میں بھی اُنھیں آزادانہ حکومت کا اختیار نہ تھا۔ ۱۰ اگست ۱۹۲۰ع کو سلطنت عثمانی کے وفد نے اُس معاہدے پر دستخط کر دیے جو ترکیہ کے وجود کے لیے زہر ہلاہل تھا۔

اس کے برعکس قومی اسمبلی کو اس قسم کے معاہدے سے مطلق اتفاق نہ تھا۔ ۲۲ مئی کو مصطفٰی کمال کے زیر صدارت اس کا اجلاس ہوا جس میں معاہدے کے اصولوں پر گرما گرم بحث ہوئی اور اخباروں نے اُسے شائع کر دیا۔ بحث کے خاتمے پر مصطفٰی کمال نے یہ الفاظ کہہ کر بات صاف کر دی کہ "ہمارے دشمنوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں فنا کر دیا جائے۔ اس صورت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم زیادہ سنگین عزم اور زیادہ طاقت سے مزاحمت کریں۔"

۱۹ اگست کو اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ وفد کے وہ ارکان جنھوں نے معاہدۂ سہ ور پر دستخط کیے تھے نیز سلطانی کونسل کے وہ ارکان جنھوں نے معاہدے کو منظور کیا تھا، غدار وطن قرار دیے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود ان لوگوں کی آنکھیں کھولنی بھی ضروری تھیں جو جنگ آزادی کی اہمیت سمجھنے سے قاصر تھے۔ اُنھیں معاہدے کی دفعات سنا کر سمجھایا گیا کہ یہ معاہدہ ترکیہ کی قومی آزادی کے منافی ہے۔ قوم پر واضح کر دیا گیا کہ دشمن کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ ترکوں کو فنا کر دیا جائے۔

غیرملکی صحافیوں اور سیاست دانوں نے جب کبھی مصطفٰی کمال سے ''معاہدۂ سہ ور'' کے متعلق سوال کیا تو یہی جواب ملا کہ میں اُسے تسلیم نہیں کرتا۔ اُنھیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ ہم نے میثاق ملی میں ترکیہ کی جو حدود معین کی ہیں اُن میں آزاد قومی حکومت قائم ہو کر رہے گی۔ آزادی ملک کی عظیم مہم میں سب سے پہلا کام جو اُن کے پیش نظر تھا یہ تھا کہ آرمینیا کی سرحد کا مسئلہ حل کیا جائے۔

آرمینیا کی فوجوں نے جن کی قیادت "طاشناق" پارٹی کے لیڈر

کر رہے تھے، ۲۴ ستمبر کو ترکیہ پر حملہ کیا۔ ترکوں نے اس حملے کو روک کر ۲۸ ستمبر کو جوابی حملہ کیا اور فتح پر فتح حاصل کرتے چلے گئے۔ انھوں نے صاری قامش، قارص اور گومرو پر قبضہ کیا۔ ۱۸ نومبر کو اہل آرمینیا کی درخواست پر جنگ بندی کے عہد نامے پر دستخط ہو گئے۔ ۲ دسمبر کو صلح کی گفت و شنید ختم ہوئی اور ۲-۳ دسمبر کی درمیانی شب میں صلحنامۂ گومرو پر دستخط ہوئے۔ مصطفٰی کمال نے اپنی عظیم تقریر میں اس صلح نامے کی اہمیت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

''صلح نامۂ گومرو پہلا صلح نامہ ہے جس پر قومی حکومت نے اپنے دستخط ثبت کیے۔ ہمارے دشمنوں کا خیال تھا کہ ہم نے وادیٔ خرشیت تک کا ترکی علاقہ آرمینیا کے حوالے کر دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صلح نامہ گومرو کے بموجب آرمینیا نے قومی حکومت کو وہ علاقہ بھی دے دیا ہے جو ۱۲۹۳ھ، ۱۸۷۷ء والی جنگ میں روس نے دولت عثمانیہ سے چھین لیا تھا۔

آرمینیا کا مسئلہ حل کرتے ہی قومی اسمبلی نے اپنی توجہ اُن امور کی جانب منعطف کی جو اس کے اور جارجیا کے مابین وجہ مخاصمت تھے۔ معاہدۂ گومرو سے مشرقی سرحد کے متعلق میثاق ملی کے بعض مطالبات تو پورے ہو گئے تھے لیکن جارجیا نے اپنی ہوسناکی سے سرحد پر جو جھگڑے پھیلا رکھے تھے ان کا فیصلہ ابھی باقی تھا۔ انقلاب روس (۱۹۱۷ء) کے بعد جارجیا کو آزادی ملی تھی۔ جب جولائی ۱۹۲۰ء میں برطانیہ نے باطوم کو خالی کیا تو اہل جارجیا بڑی پھرتی سے اس علاقے پر قابض ہو گئے۔ قومی اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے مصطفٰی کمال نے ۲۵ جولائی ۱۹۲۰ء کو اس قبضے کے خلاف احتجاج کیا۔ تاہم یہ معاملہ الجھا ہی رہا، یہاں تک کہ فروری ۱۹۲۱ء میں حکومت جارجیا کا سفیر اہم معاملات کے تصفیے کے لیے انقرہ آیا اور اپنے کاغذات

مصطفیٰ کمال کے سامنے پیش کیے - گفت و شنید فوراً شروع ہو گئی، لیکن بہت جلد یہ واضح ہو گیا کہ اہل جارجیا پہلو تہی کر رہے ہیں - ۲۳ فروری ۱۹۲۱ء کو قومی حکومت نے جارجیا کے خلاف اعلان جنگ کر دیا - کچھ ہی عرصے بعد ترکی افواج نے اردھان اور آرتوین کے علاقے پر قبضہ کر لیا - اس کے یہ معنی تھے کہ 'میثاق ملی' کی ایک اور شق مکمل ہو گئی -

یہ کامیابیاں اس بات کا ثبوت تھیں کہ قومی اسمبلی کی خارجہ پالیسی کے تحت مصطفیٰ کمال نے شاندار فتح حاصل کی ہے - اس کے ساتھ ساتھ موصوف بہت سرگرمی سے یہ کوشش کر رہے تھے کہ روس کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کیے جائیں اور دوستانہ شرائط طے ہو جائیں - ترکی مندوب جو ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو انقرہ سے روانہ ہوئے تھے ۱۱ جولائی کو ماسکو پہنچے - ان دنوں آرمینیا میں طاشناق پارٹی برسر اقتدار تھی اور اس کے ساتھ روس کے تعلقات کچھ بہتر ہو گئے تھے - ۱۰ اگست ۱۹۲۰ء کو دونوں ملکوں میں معاہدے پر دستخط ہوئے تھے جس کے بموجب روس نے کچھ علاقے آرمینیا کے حوالے کر دیے تھے - اس طرح آرمینیا جو اتحادی ملکوں کا حاشیہ بردار تھا، پھیل پھال کر ترکیہ اور روس کے درمیان یوں حائل تھا کہ ان دونوں ملکوں کے مواصلات کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا - تاہم چی چرین جو روس کے امور خارجہ کا سر براہ تھا، ۳ جون ۱۹۲۰ء کو ترکیہ کے میثاق ملی کو تسلیم کر چکا تھا -

المختصر جب ترکی مندوب ماسکو میں داخل ہوئے تو انھوں نے میثاق ملی کے بموجب گفت و شنید شروع کی - چنانچہ ۲۴ اگست ۱۹۲۰ء کو بنیادی اصول طے ہو گئے - تاہم تین روز بعد روسی حکومت نے ترکیہ سے مطالبہ کیا کہ آرمینیا کو سرحدی علاقوں کے معاملے میں کچھ مراعات دی جائیں - اس مطالبے کی وجہ سے معاہدے پر دستخط ہونے میں تاخیر ہوگئی - چونکہ ان دنوں قومی

حکومت بعض مشکلات سے دوچار تھی لہٰذا اسمبلی کے کچھ ارکان کی رائے یہ تھی کہ روسی تجویز کو مان لیا جائے۔ لیکن مصطفیٰ کمال نے کمال سختی سے اس خیال کی مخالفت کی اور اسمبلی کو اپنا ہمنوا بنا کر چھوڑا۔ آخر کار اسمبلی نے اس معاملے میں مردانہ موقف اختیار کیا۔ ماسکو میں ترکیہ کے مندوب اعلیٰ کو بہ تاریخ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء اس فیصلے سے مطلع کردیا گیا اور فوراً جنرل علی فواد بحیثیت سفیر ماسکو روانہ ہو گئے۔

جوں ہی اسمبلی نے معاملات کا تصفیہ کیا، ترکی فوجوں نے حملہ کر کے آرمینیا کا مسئلہ حل کردیا۔ آرمینیا کو معاہدۂ گومرو پر دستخط کرتے ہی بنی۔ فوراً بعد طاشناق پارٹی پر زوال آیا اور یہ اعلان ہو گیا کہ آرمینیا میں سوویٹ جمہوریت کا نظام کارفرما ہو گا۔ انقرہ میں روس کے سفیر نے اس امر کا یقین دلایا کہ روس نے ترکیہ سے آرمینیا کو جو علاقائی مراعات دینے کی فرمائش کی تھی وہ ایک غلط فہمی پر مبنی تھی۔ اس معذرت کے پیش نظر ۱۴ دسمبر ۱۹۲۰ء کو ایک اور وفد ماسکو روانہ کیا گیا۔ لیکن جب پہلے وفد کا قائد انقرہ میں واپس آیا اور اپنی رپورٹ پیش کی تو وہ 'غلط فہمی' پھر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس وجہ سے قومی حکومت نے دوسرے وفد کو فی الفور ہدایت کی کہ سفر ملتوی کر کے مزید ہدایات کا انتظار کرو۔

اس اقدام سے روسی امور خارجہ کا سربراہ جی چرین اس بات پر مائل ہوا کہ ترکی حکومت کو ایک یاد داشت ارسال کرے۔ اس کے ساتھ ہی لینن نے مصطفیٰ کمال کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ یقین دلایا کہ مستقبل میں دونوں ملکوں کے تعلقات اصول خود اختیاری پر استوار ہوں گے۔ اس یقین دہانی کے بعد ترکیہ کا دوسرا وفد پھر ماسکو کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد ۱۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو معاہدۂ ماسکو پر دستخط ہوئے جس سے ترکیہ اور روس کی دوستی کی بنیادیں قائم ہو گئیں۔

اس اثنا میں ترکی فوجوں نے انونو کی پہلی جنگ میں فتحیاب ہو کر ساری دنیا کو جتا دیا کہ ترکیہ کی حکومت جو عظیم قومی اسمبلی کی ترجمان ہے، مستقل وجود رکھتی ہے۔ اسی کی بدولت ترکیہ کی قومی حکومت نے لندن کانفرنس میں شرکت کی۔ خارجہ پالیسی کے میدان میں معاہدۂ ماسکو مصطفیٰ کمال کی پہلی شاندار کامیابی کا ثبوت تھا۔ اس معاہدے سے ترکیہ کو وہ تمام مالی، قانونی اور علاقائی مراعات حاصل ہو گئیں جو ۷۸-۱۸۷۷ء کی جنگ میں دولت عثمانیہ روس کے مقابلے میں کھو بیٹھی تھی۔ اس معاہدے سے ترکیہ کے نہایت دوستانہ تعلقات ایک بڑی طاقت کے ساتھ استوار ہو گئے۔ یہ دوستی بعد ازاں ترکیہ کے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی۔ آخر میں ترکیہ نے روس جیسی عظیم طاقت کو ایسے عہد نامے پر مائل کر لیا جس کے بموجب نظام تعاون کے تحت روس اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو گیا۔

ان دنوں مصطفیٰ کمال کی مصروفیت بے پناہ تھی۔ ترکیہ کے خارجی تعلقات کو استوار کرنا، ملک کی حفاظت اور دشمنوں کو پسپا کرنے کے لیے ایک مضبوط فوج کا قیام، سلطان وحیدالدین اور غیر ملکی طاقتوں کی پھیلائی ہوئی مقامی بغاوتوں کو فرو کرنا بڑے مشکل کام تھے۔ ان حوصلہ فرسا مشغولیتوں کے علاوہ انھیں یہ فکر بھی تھی کہ جو حکومت ہم نے قائم کی ہے وہ ترک قوم کی ساخت اور کردار کی نمائندہ ہو اور اس قابل ہو کہ جب فوج کسی علاقے کو فتح کر لے تو وہاں اصلاحات رائج کر سکے۔

اسمبلی کا پہلا اجلاس شروع ہوتے ہی مصطفیٰ کمال نے ان اصولوں کی وضاحت کردی جن پر ملک کے نظم و نسق کا دار و مدار تھا۔ یعنی حکومت قومی خواہشات کی پابند ہو گی۔ مصطفیٰ کمال کی اس تحریک کو قومی اسمبلی نے بے کم و کاست منظور کیا۔

داخلی معاملات میں بھی موصوف کا اصل اصول یہی تھا کہ قوم کی خواہشات کا پورا احترام کیا جائے یعنی باقی تمام امور پر

قوم کی مرضی کو مقدم رکھا جائے اور جو بات قومی خواہش کے خلاف ہو اسے مسترد کردیا جائے - وہ اپنے اسی موقف پر قائم رہے ، یہاں تک کہ ملک میں جمہوریت قائم ہو گئی اور ترکیہ کی قومی حکومت کا باقاعدہ قیام عمل میں آ گیا -

امور خارجہ کے معاملے میں مصطفیٰ کمال اس بنیادی اصول کے حامی تھے کہ ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کی حکومت غیر مشروط طور پر آزاد ہو - وہ دوسرے ملکوں سے دوستی کرنے میں باہمی اعتماد اور مساوات کے طالب رہتے تھے - فوجی معاملات میں ان کا نصب العین یہ تھا کہ فوج کا ساز و سامان مکمل ہو ، حوصلہ بلند ہو تا کہ وہ ترکیہ کی سالمیت اور آزادی کی حفاظت کر سکے - انھوں نے نئی حکومت کے اصولوں کو قانونی شکل دینے کا فیصلہ کیا - اسمبلی کا افتتاح ہوتے ہی آئین کمیٹی قائم کی گئی - جو ارکان اس کے لیے منتخب ہوئے انھوں نے آئین کا مسودہ بنانا شروع کیا - آئین کمیٹی نے چار ماہ تک کام کر کے ۱۸ اگست ۱۹۲۰ع کو اپنا مسودہ (بل) پیش کیا جس کا عنوان "عظیم قومی اسمبلی کی ہیئت اور ماہیت کے متعلق آئینی دفعات" تھا -

اسمبلی میں مذکورہ بالا بل پیش ہوا تو ارکان نے اس کی پذیرائی مختلف طریقوں سے کی - بعض ارکان جن میں آئین کمیٹی کے رکن بھی شامل تھے ، یہ رائے رکھتے تھے کہ عظیم قومی اسمبلی کی حکومت محض عارضی ہے - جوں ہی سلطان وحیدالدین خلیفۂ مسلمین غیرملکی تسلط کے پنجے سے نکل آئیں گے اور سلطنت عثمانیہ اتحادی طاقتوں کے غلبے سے آزاد ہو جائے گی ، قومی اسمبلی کی حکومت ختم ہو جائے گی - اسی لیے مسودے کی دفعہ ۲ میں یہ الفاظ تھے کہ "قومی اسمبلی اپنا نصب العین حاصل کر لینے تک حاکم رہے گی -" ان الفاظ سے قومی اسمبلی کی مدت حکومت یقیناً محدود ہوتی تھی - اس کے برعکس بعض ارکان کی رائے تھی کہ سلطانی اور خلافت کا خاتمہ کر دینا چاہیے اور قوم کی خواہش یعنی

جمہوریت کو غیر مشروط طور پر ملک کا حاکم تسلیم کرنا چاہیے۔ اُن کی مرضی یہ تھی کہ یہ نئی حکومت جو قومی عزائم و خواہشات کے تحت وجود میں آئی ہے اُن آئینی و قانونی ضابطوں کی پابند ہو جو قوم کی مرضی کی نمائندگی کرتے ہوں۔ تاہم ابھی موقع نہ تھا کہ یہ بات کھل کر کہی جائے۔

اس کے برعکس بعض ارکان جو پہلے گروہ میں شامل تھے اور سلطانی و خلافت کو اسلام کی نمائندہ سمجھتے تھے، یہ شکایت کرنے لگے کہ بل کے الفاظ مختصر اور مبہم ہیں۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ''نصب العین حاصل کر لینے تک'' کے معنی یوں واضح کردیے جائیں کہ ''سلطان معظم خلیفۃ المسلمین اور ملک و ملت کے آزاد ہونے تک''۔ مصطفیٰ کمال کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا گروہ اور آئین کمیٹی دونوں کی نظر سے حقیقی نصب العین کا مفہوم پوشیدہ ہو گیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے ایک مسودہ تیار کیا جس میں سیاسی، سماجی، انتظامی اور فوجی امور کا مختصر خاکہ یا خلاصہ پیش کیا اور اسے ''عوامی پروگرام'' کے عنوان سے شائع کر دیا۔ ۱۳ - ستمبر ۱۹۲۰ء کو موصوف نے یہ خاکہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کیا۔ اس خاکے میں اُس قرارداد کا متن بھی شامل تھا جو قومی اسمبلی کی ماہیت اور قواعد و ضوابط کے متعلق ۲۴ اپریل ۱۹۲۰ء کو منظور کیا گیا تھا۔ یہ پروگرام ۱۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پڑھ کر سنایا گیا اور ایک کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا کہ وہ اس پر غور کرے۔ ۲۵ ستمبر کو اسمبلی کا خفیہ اجلاس ہوا جس میں مصطفیٰ کمال کی تجاویز پر بحث ہوئی۔ یہاں موصوف کو اپنے نظریات کی حمایت میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرنے کا موقع ملا:

''اس وقت ترک قوم اور یہ عالیشان اسمبلی جو ترک قوم کی واحد حقیقی نمایندہ ہے، اس جد و جہد میں مصروف ہیں کہ ملک و ملت کی زندگی اور آزادی کا تحفظ کیا جائے۔ اس وقت

سلطان اور سلطنت یا خلیفہ یا خلافت وغیرہ کے خیالات میں محو ہو جانا یقیناً نقصان دہ ہوگا۔ بلند تر مقاصد کا تقاضا ہے کہ سرِ دست ان باتوں کا ذکر تک نہ کیا جائے۔ اگر آپ کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ سلطان اور خلیفہ سے اپنی وابستگی یا وفاداری کا اظہار اور وفاداری کی توثیق کریں تو واضح ہو کہ سلطان ہمارے ملک و ملت کا غدار ہے۔ دشمن اُسے ملک و ملت کے خلاف ہتھیار کے بطور استعمال کر رہے ہیں۔ جب تک آپ اُسے سلطان اور خلیفہ کا لقب دیے رکھیں گے، لوگ اُس کی اطاعت کریں گے اور اس طرح یقیناً دشمن کے عزائم پورے ہوتے رہیں گے۔ ایک شخص جسے اُس کا منصبی فرض ادا کرنے یا اختیارات استعمال کرنے سے روک دیا جائے، یا کوئی غدار آدمی اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اُسے سلطان یا خلیفہ تسلیم کیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہاں آپ یہ تجویز کریں کہ ایسے سلطان کو معزول کر کے اُس کی جگہ کسی اور شخص کو تخت نشین کرنا چاہیے۔ لیکن موجودہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر آپ سلطان کو معزول کر دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آپ کی قوم میں ایک فرد کی حیثیت سے رہنے کے بجائے دشمن سے جا ملے گا۔ اگر آپ کا مشورہ یہ ہو کہ ہم سلطان کے وجود کو معدوم تصور کر لیں اور کسی دوسرے شخص سے پیمانِ وفا باندھ لیں تو موجودہ سلطان ہرگز اپنے اختیارات سے دست بردار نہیں ہوگا۔ وہ تخت پر قابض رہے گا اور اپنی حکومت استنبول کے ارکان کے ساتھ اپنی سرگرمیاں جاری رکھے گا۔ کیا ان حالات میں آپ ترک قوم اور اس عالیشان اسمبلی سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ اپنے حقیقی نصب العین کو فراموش کر کے دو حریف خلیفوں کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ کیا ہم گڑے مردے اکھیڑتے رہیں اور علیؓ اور معاویہ کی کشمکش کا بیان کیے جائیں؟ المختصر یہ بہت وسیع

لیکن بے حد نازک اور اہم معاملہ ہے ۔ اس وقت اتنی گنجائش کہاں ہے کہ ان باتوں کا حل سوچا جائے ۔ اگر ہم ایسا کریں بھی تو کامیابی نہ ہوگی ۔ اس کا وقت پھر کبھی آئے گا ۔ آج ہم آئین و قانون کی جن دفعات کو منظور کرنا چاہتے ہیں، اُن کا مقصود یہ ہے کہ قومی اسمبلی اور قومی حکومت کے اقتدار کو تقویت پہنچائی جائے ، کیوں کہ بہ الفاظ دیگر یہی وہ دو چیزیں ہیں جو ہماری زندگی اور آزادی کے تحفظ کی ضامن ہیں ۔"

مصطفیٰ کمال کے اس واضح اور دو ٹوک بیان کا اثر یہ ہوا کہ قومی اسمبلی میں فرائض کا بہتر شعور پیدا ہو گیا ۔ اُن کے مسودے (پروگرام) نے نشانِ منزل کا سا کام کیا ۔ خاصے طولانی مباحثوں کے بعد اسمبلی نے ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ع کو نئی ترکی حکومت کا آئین منظور کر لیا جو مندرجہ ذیل تین خصوصی دفعات پر مشتمل تھا :

۱ ۔ حاکمیت کا حق غیر مشروط طور پر قوم کو حاصل ہے ۔ ملک کے انتظامی نظام کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ عوام بہ ذاتِ خود اپنے مستقبل کے مختارِ مطلق ہیں ۔

۲ ۔ عظیم قومی اسمبلی کو انتظامیہ کے اختیارات اور مقننہ طاقت حاصل ہے اور وہی انھیں استعمال کرنے کی مجاز ہے کیونکہ وہ قوم کی صحیح نمائندہ ہے ۔

۳ ۔ ترکی حکومت کا نظم و نسق عظیم قومی اسمبلی کرتی ہے اور اُس کے اختیارات کو "عظیم قومی اسمبلی کی حکومت" سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

اس موقع پر مصطفیٰ کمال کی توجہ دو معاملوں کی طرف یکساں مبذول تھی ۔ ایک تو اسمبلی کی جانب جسے وہ قانون سازی کی منزل میں لا رہے تھے اور اس امر کا اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ ہماری نئی حکومت کی بنیاد جمہوریت پر استوار ہو ۔ دوسرے یہ کہ آرمینیا سے مشرقی محاذ پر جو لڑائیاں ہو رہی ہیں (اور جو ترکیہ کی

فتح‌یابی پر منتج ہوئیں) اُن کا انتظام کیا جائے۔ اس کے ساتھ اُنھیں اُن تخریبی کارروائیوں سے بھی نپٹنا تھا جو مغربی محاذ پر قومی فوج کی بہبود اور تیاریوں کو نقصان پہنچا رہی تھیں۔ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ کو ایک ہندوستانی مسلمان مصطفیٰ صغیر انقرہ میں وارد ہوا جسے دشمنوں نے جاسوسی کے واسطے نیز مصطفیٰ کمال کے زوال کی سازش کرنے کے لیے بھیجا تھا، تاکہ اس طرح ترکوں کی جنگِ آزادی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اُس سے ملتے ہی موصوف کے دل میں شبہات پیدا ہوگئے۔ جلد ہی اُس جاسوس کا راز فاش ہوگیا اور ۲۴ مئی ۱۹۲۱ء کو انقرہ کی عدالتِ حریت کے حکم سے اُسے پھانسی دے دی گئی۔

۸ نومبر ۱۹۲۰ء کو جنرل علی فواد مغربی محاذ کی سپہ سالاری سے سبکدوش ہوئے۔ مصطفیٰ کمال نے اس سپہ سالاری کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ خاص شمالی حصہ کرنل عصمت کے سپرد ہوا جو مغربی محاذ کی سپہ سالاری کے ساتھ ساتھ چیف آف جنرل سٹاف کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ جنوبی حصے کی سالاری کرنل رفعت کو تفویض ہوئی جو آگے چل کر جنرل رفعت بلہ کے نام سے استنبول کے نمائندے اور وزیر داخلہ بنے۔ اُنھیں سپہ سالارِ جنوبی محاذ کا خطاب ملا۔ ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو کرنل عصمت بیلہ جک کے مقام پر پہنچے اور جو فوج اُن کے ماتحت تھی اُس کی دوبارہ تنظیم کر کے اُسے ایک باقاعدہ فوج کی شکل دینے میں مشغول ہو گئے۔

محاذ کے اس حصے پر کوتاہیہ کے نواح میں ایک ہردلعزیز فوجی دستہ متعین کیا گیا تھا جسے 'متحرک فوج' کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کا سالار چرکس ادھم تھا جو ایک گروہ کا سردار تھا اور جس نے جنگ آزادی کے ابتدائی ایام میں کچھ مفید کام کیا تھا۔ چرکس ادھم اور اُس کے بھائیوں نے (جن میں ایک بھائی نیشنل اسمبلی کا ممبر بھی تھا) اُن لوگوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا جو مصطفیٰ کمال کے خلاف تھے۔ چرکس ادھم کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی مصطفیٰ کمال پر علانیہ نکتہ چینی سے بھی نہ چوکتا۔ اُس کی

سرگرمیوں سے تحریک آزادی کا اتحاد بھی خطرے میں تھا اور اُس کے راز بھی ۔ مصطفیٰ کمال نے اول اول آزادی ملک کے مقدس مفادات کا خیال کر کے اُس کے افعال سے درگزر مناسب سمجھی اور اُسے مغربی محاذ پر لڑنے کے لیے بھیج دیا ۔ اُن دنوں چرکس ادھم کی فوج یوزغاد کے مقام پر تھی ۔ جب وہ اپنے لشکر کو لیے ہوئے مغربی محاذ پر جانے کے لیے انقرہ سے گزرا تو مصطفیٰ کمال نے اُس کا معائنہ کیا ۔ اُس وقت موصوف کے ہم رکاب فقط کرنل عصمت چیف آف جنرل سٹاف تھے تاکہ چرکس ادھم کو یہ یقین ہو جائے کہ موصوف کے دل میں اُس کی طرف سے کسی قسم کے شبہات نہیں ہیں ۔ اس کے باوجود چرکس ادھم نے بہت جلد یہ رویہ اختیار کر لیا کہ مغربی محاذ کے سپہ سالار کی حکم عدولی کرتا اور فوجی قواعد و ضوابط نظرانداز کردیتا ۔ حتیٰ کہ ۲۷ نومبر ۱۹۲۰ع کو اُس نے علانیہ حکومت کے خلاف بغاوت کا ثبوت دیا ۔

مصطفیٰ کمال چاہتے تھے کہ ملک کی ساری فوجی طاقت کو قومی مقاصد میں لگا دیں اور ہر فردِ واحد کی خدمات سے فائدہ اُٹھائیں ۔ اسی لیے انھوں نے چرکس ادھم کی غداری سے واقف ہونے کے باوجود بہ ذاتِ خود یہ کوشش کی کہ اُس کے لشکر کو فوج میں شامل کر کے قومی مقصد کو تقویت پہنچائیں ۔ موصوف نے ادھم سے حکومت کے احکام کی اطاعت کرنے کے لیے بہت کچھ کہا سنا بلکہ بہ ذاتِ خود اسکیشہر تک گئے اور قومی اسمبلی کے ایک وفد کو اُس سے ملاقات کرنے کے لیے بھیجا ۔ لیکن ادھم نے کسی کا حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا ۔ بالآخر ۲۷ دسمبر ۱۹۲۰ع کو کابینہ نے فیصلہ کیا کہ باغیوں کی سرکوبی ضروری ہے ۔ اس سے پہلے مغربی محاذ کے دفتر جنگ نے ادھم کے دستے کے خلاف ۷ دسمبر ۱۹۲۰ع کو اقدام کیا تھا کیونکہ اُس نے اپنے طرز عمل سے صورت حال کو خطرناک بنا رکھا تھا ۔

اُس وقت یونانیوں سے بروسہ کے محاذ پر لڑنے کے لیے صرف

ایک ڈویژن اور ایک رجمنٹ فوج موجود تھی ۔ دو بٹالین فوج یونانیوں کو عشاق کے علاقے میں الجھائے ہوئے تھی ۔ محاذ اسکی‌شہر اور جنوبی محاذ کی باقی تمام فوجیں جو چار پیدل ڈویژنوں اور سات سوار رجمنٹوں پر مشتمل تھیں ، کوتاہیہ کے علاقے میں چرکس ادھم کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دی گئیں ۔ مغربی محاذ کے کمانداز کرنل عصمت پیدل دستوں کو لیے ہوئے گدیز میں پہنچے جہاں باغی جمع تھے ۔ سوار دستوں کی کمان جنوبی محاذ کے کمانداز کے سپرد تھی ۔ باغیوں کو منتشر کرکے کوتاہیہ پر قبضہ کرلیا گیا ۔ ٦ جنوری ١٩٢١ء کو مشرق اور مغربی محاذ کی فوجیں گدیز کے نواح میں پہنچ گئیں ۔ اس سے ایک روز پہلے ادھم اپنے بھائیوں اور چند دوستوں سمیت اس علاقے سے نکل کر یونانیوں سے جا ملا ۔

اس وقت جو افراتفری پھیلی ہوئی تھی ، اس میں اس بات کا امکان تھا کہ چرکس ادھم اور اس کے بھائیوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے حکومت کے لیے خطرات پیدا ہوجائیں ۔ ادھم کو اعتماد تھا کہ اس کی ماتحت فوجیں عظیم قومی اسمبلی کی حکومت کا مقابلہ کرتی رہیں گی ۔ مصطفیٰ کمال کو یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا ۔ مغربی محاذ کے کمانداز کرنل عصمت نے ایسے اقدامات کیے کہ باغی فوجیں جنھیں حب وطن اور ضابطے، قاعدے سے کوئی سروکار نہ تھا ، تباہ ہوگئیں ۔ قومی حکومت کے اختیار و اقتدار کی دھاک بیٹھ گئی ۔ ترکوں کی قومی جد و جہد کا یہ حصہ مستقبل کے لیے بہت اچھا سبق سکھاتا ہے ۔

عظیم قومی اسمبلی کی حکومت نے مشرقی محاذ پر جو فتوحات حاصل کی تھیں اور انقرہ میں اسے جو روز افزوں اقتدار حاصل ہو رہا تھا ، سلطان وحید الدین کو اس کی پوری اطلاع تھی ۔ اکتوبر ١٩٢٠ء میں انھوں نے داماد فرید پاشا کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا اور ٢٢ اکتوبر کو ان کے بجائے توفیق پاشا کو وزیر اعظم بنا دیا ، جن کی کابینہ کی وساطت سے انھوں نے یہ کوشش کی کہ

اناطولیہ کی قومی حکومت سے دوبارہ گفت و شنید کریں۔ سلطان کی حکومت کے وزیر داخلہ عزت پاشا اور وزیر بحریہ صالح پاشا عظیم قومی اسمبلی کی حکومت سے تعلقات قائم کرنے کے لیے اناطولیہ میں آئے۔ اُن دنوں مصطفیٰ کمال چرکس ادھم کو سمجھا بجھا کر اس بات پر مائل کرنا چاہتے تھے کہ وہ فوجی ضابطے کی اطاعت کرے اور حکومت کے احکام تسلیم کرے۔ ۵ دسمبر ۱۹۲۰ع کو موصوف نے بمقام بیلہ جک سلطانی نمائندوں سے ملاقات کی۔ انھوں نے پہلی ہی ملاقات میں ان حضرات کو یہ جتا دیا کہ میں نہ تو استنبول کی حکومت کو تسلیم کرتا ہوں اور نہ اُن اسناد و کاغذات کو کوئی اہمیت دیتا ہوں جو اُس حکومت نے آپ صاحبان کو بہ حیثیت نمائندہ عطا کی ہیں۔ اس بنا پر اگر آپ صاحبان اپنے آپ کو استنبول کی حکومت کا وزیر سمجھ کر بات کرنا چاہیں تو میں کسی گفت و شنید کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس پر ان نمائندوں نے اپنے القابات و اختیارات سے بے تعلق ہو کر محض ترک ہونے کی اساس پر بات چیت شروع کی۔ مصطفیٰ کمال نے انھیں استنبول واپس جانے کی اجازت نہ دی اور اگلے روز انھیں اپنے ساتھ انقرہ لے گئے۔ موصوف نے اس خیال سے کہ عزت پاشا اور صالح پاشا وغیرہ قومی خدمت کے لیے مفید ثابت ہوں گے، اپنے اخبارات کے ذریعے یہ اعلان بھی کر دیا کہ یہ اشخاص قومی اسمبلی کی حکومت میں شامل ہو گئے ہیں لیکن جب ان لوگوں نے قومی حکومت کی خدمت سے صاف انکار کر دیا تو موصوف نے ۱۹ مارچ ۱۹۲۱ع کو انھیں استنبول واپس جانے کی اجازت دے دی۔

چرکس ادھم کی بغاوت سے فائدہ اٹھا کر اور اُس کے تعاون سے امداد پا کر یونانیوں نے بروسہ اور عشاق سے اسکی شہر اور آفیون کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ اُن کی فوجیں بروسہ سے بڑھ کر انونو (ترکی اور این اوکی) کے ترکی مورچوں کے قریب آ پہنچیں۔ مزید جنوب کی طرف سے یونانی فوج کے بہت سے دستے عشاق سے

ترکوں کی "دوملو پیکار" (دملو پنار) والی لائن کے پاس آ پہنچے۔ یہ امر یقینی تھا کہ چرکس ادھم کے سپاہی جو یونانیوں سے جا ملے تھے، محاذ پر جہاں کہیں کمزوری دیکھیں گے، ہمارے مورچوں میں آ گھسیں گے۔ ان حالات میں مصطفیٰ کمال نے واضح کیا کہ محدود ذرائع سے عظیم کامیابی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ فوج کو مختلف محاذوں پر تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اس کے بجائے اُسے ایک مرکز پر جمع کر کے سب سے اہم معرکے میں لگا دیا جائے۔ مغربی محاذ کے کمانڈر کرنل عصمت کے اس نظریے سے مصطفیٰ کمال کو بھی اتفاق تھا کہ پوری فوج کو انونو کے علاقے میں جمع کر دیا جائے اور باقی محاذ کو سنبھالنے کا کام امدادی فوجوں کے ذمے لگا دیا جائے۔

ترکی فوجوں کا بیشتر حصہ چرکس ادھم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے مغربی اور جنوبی محاذ پر مصروف تھا۔ یہ سب کوتاہیہ کے نواح میں جمع تھے۔ عین اس وقت ۶ جنوری ۱۹۲۱ء کو یونانیوں نے حملہ کر دیا۔ اس وقت یہ طے پایا کہ کوتاہیہ کے محاذ پر صرف ایک پیدل ڈویژن چھوڑ دیا جائے جو دو رجمنٹوں پر مشتمل ہو اور اُس کے ساتھ ایک سوار ڈویژن بھی ہو۔ باقی تمام فوج جو مغربی محاذ پر ہے، بروسہ کی طرف سے آنے والے غنیم کے لشکر کو روکنے کے لیے انونو میں پہنچا دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنوبی محاذ کی فوجیں 'آفیون' کو بچانے کے لیے جنوب کی طرف بڑھائی جائیں۔ جنرل اِسٹاف نے بھی یہی طے کیا کہ جتنی فوج بھی ممکن ہو انونو میں بھیج کر مغربی محاذ کو مضبوط کیا جائے۔ اس میں نمبر ۱ اور نمبر ۴ ڈویژن کے دستے شامل تھے جو انقرہ میں یا اُس کے نواح میں تیار کیے جا رہے تھے۔ اس اثنا میں نمبر ۲۴ ڈویژن یہ کوشش کرتا رہا کہ انونو کے محاذ پر دشمن کو الجھائے رکھے۔ غنیم کچھ دور تک پیش قدمی کرنے میں کامیاب ضرور ہوا لیکن ترکوں کے جوابی حملے نے اس کا بہت نقصان کیا۔

۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء کو دشمن کے حملے پھر شروع ہوگئے۔ محاذ کے شمالی اور جنوبی حصوں کے درمیان میں کچھ جگہ خالی تھی جہاں سے آگے بڑھ آنے میں دشمن کو کامیابی ہوئی اور وہ انونو ریلوے سٹیشن کے شمال میں اس جگہ تک آ گیا جہاں مغربی محاذ کا ہیڈ کوارٹر قائم تھا۔ ہیڈ کوارٹر کو ہٹا کر موضع انونو میں منتقل کر دیا گیا جو جنوب میں تھا اور ایک پیدل بٹالین نیز ایک سوار کمپنی کو دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لیے شمال کی طرف بڑھایا گیا۔ اسی روز ترکی فوج کے وہ دستے جو مزید جنوب میں تھے، دشمن کے شدید حملوں اور توپخانے کی گولہ باری کے مقابلے میں جم کر لڑتے رہے۔ شمالی حصے میں ترکی فوجیں یونانی فوج کے مقابلے میں کسی قدر پسپا ہوئیں۔ قلب لشکر میں شگاف پڑنے کا اندیشہ تھا لہٰذا پورے محاذ کو سکیڑنا پڑا۔ ۱۱ جنوری کو دشمن کی فوج نے، جو بے حد تباہ ہوچکی تھی اور بری طرح جھنجھوڑ دی گئی تھی، یہ طے کیا کہ پیش قدمی ترک کرکے بروسہ کے پاس اپنے پرانے مورچوں میں آ جائے۔

ترکی فوج کو یہ کامیابی محض اپنے لچکدار داؤ پیچ کی وجہ سے ہوئی۔ بے ساز و سامان ترک فوجیں کامیابی کے ساتھ اس دشمن کا مقابلہ کرتی رہیں جو تعداد میں ان سے تین گنا تھا۔ تین روز میں دشمن کو شکست دے دی گئی اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ دفاعی لڑائی بہت ہی ناساز گار اور صبر آزما حالات میں لڑی گئی تھی۔ ترکی افسروں اور سپاہیوں نے شجاعت کے بڑے کارنامے دکھائے اور محاذ کے کماندار کرنل عصمت صرف اپنے فولادی عزم کی بدولت دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے جس میں ان کی قوت ارادی اور حربی مہارت کو بھی دخل تھا۔ جنگ آزادی کے سلسلے میں یہ پہلی فتح تھی جو مصطفیٰ کمال کی سربراہی میں حاصل ہوئی تھی۔ کرنل عصمت کو اس خدمت کے سلسلے میں ترقی دے کر جرنیل بنا دیا گیا۔

انونو کی فتح سے اتحادی۔ طاقتیں صورت حال کا جائزہ لینے پر مجبور ہوگئیں - پہلے پہل ان کا یہ خیال تھا کہ ترک فوج اناطولیہ میں مزاحمت نہیں کر سکتی لیکن اس فتح کے بعد فرانس اور اٹلی میں ترکوں کے ہمدرد نمودار ہونے لگے - ان دونوں ملکوں کی حکومت نے اس حقیقت کا احساس کیا کہ معاہدۂ 'سیورے' محض عیاری پر مبنی ہے، اور اس کی بعض دفعات کو جب تک نرم نہ کیا جائے گا ترکوں کی قومی حکومت اسے منظور کرنے پر آمادہ نہ ہو گی - اس معاملے پر بحث و تمحیص کرنے کے لیے پیرس میں اتحادی کونسل کا اجلاس ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ اتحادی حکومتوں، دولت عثمانیہ اور یونان کے نمائندوں کو بتاریخ ۲ فروری لندن کانفرنس میں مدعو کیا جائے - اول اول تو عظیم قومی اسمبلی کے کسی مندوب کو اس کانفرنس میں براہ راست مدعو نہیں کیا گیا - اس کی بجائے یہ تجویز تھی کہ حکومت استنبول کے نمائندے شریک کیے جائیں - اس طرز عمل سے اتحادی حکومتوں کا مدعا یہ جتانا تھا کہ ہم عظیم قومی اسمبلی کی حکومت کو جایز نہیں سمجھتے -

مصطفیٰ کمال نے ردعمل کے بطور اتحادی حکومتوں کو یہ بتا دیا کہ عظیم قومی اسمبلی کی حکومت ہی ترکیہ کے مسائل طے کرنے کی مجاز ہے اور ملک کے خارجہ تعلقات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے - انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر لندن کانفرنس میں ہماری حکومت کو براہ راست مدعو نہ کیا تو ہم لندن کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیں گے - اس اثنا میں وزیر اعظم توفیق پاشا نے حکومت انقرہ کو یہ اطلاع بھیج دی تھی کہ دولت عثمانیہ کو لندن کانفرنس میں مدعو کیا گیا ہے - اس کے ساتھ یہ درخواست بھی تھی کہ حکومت انقرہ اپنے مندوب استنبول میں بھیج دے تاکہ وہ لندن جانے والے وفد میں شامل ہوجائیں۔ مصطفیٰ کمال نے اس کا جواب یہ دیا کہ انقرہ کی قومی حکومت جسے عوام کی حمایت حاصل ہے واحد قانونی، آزاد اور

برتر طاقت ہے جو حقیقت میں قوم کے مستقبل کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے - استنبول میں چند اشخاص کا وہ گروہ جو اپنے آپ کو ملک کا حاکم قرار دیتا ہے ، قانوناً اس خطاب کا مستحق نہیں ہے - یہ لوگ وہی تو ہیں جنھوں نے اپنے ملک کی آزادی و حاکمیت کا خود ہی انکار کیا تھا اور اسی لیے وہ اُن مسائل میں بالکل خاموش رہے جن پر ملک کی بقا کا دار و مدار تھا - مصطفیٰ کمال نے مزید تحریر کیا کہ استنبول کی حکومت کا اخلاق فرض یہ ہے اور یہی حب وطن کا تقاضا ہے کہ صورت حال کے حقائق کو پہچانے اور اعلان کردے کہ قومی اسمبلی کی حکومت ہی جائز حکومت ہے - اس پر توفیق پاشا نے یہ جواب دیا کہ استنبول کی حکومت بہرحال صدیوں سے قائم ہے اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے مفید مقاصد پورے کر سکتی ہے - مصطفیٰ کمال نے اس کا جواب یہ دیا کہ انھیں ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ع والے آئین کی ایک نقل بھیج دی جسے عظیم قومی اسمبلی نے دس روز پہلے منظور کیا تھا - اس طرح توفیق پاشا کی حکومت کو اور سلطان کو صحیح صورت حال سے با خبر کر دیا گیا -

مصطفیٰ کمال کی تجویز پر عظیم قومی اسمبلی نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک ہمیں براہ راست مدعو نہ کیا جائے ہم اپنے نمائندے لندن کانفرنس میں نہیں بھیجیں گے - تاہم قومی اسمبلی نے ایک وفد ترتیب دے کر اُسے وزیر خارجہ بکرسامی کی قیادت میں روانہ کر دیا تا کہ اگر کانفرنس سے دعوت نامہ آ جائے تو اس کی تعمیل میں تاخیر نہ ہو - یہ وفد انطاکیہ سے جہاز میں اٹلی کو روانہ ہو گیا جہاں اسے اطالوی حکومت کی معرفت اتحادی حکومتوں کا دعوت نامہ ملا- اس کے ملتے ہی یہ لوگ لندن روانہ ہو گئے -

اتحادی حکومتوں نے یہ تجویز کی کہ ''معاہدۂ سیور'' کی جزوی ترمیم کر دی جائے - لیکن یہ مطالبہ بھی کیا کہ ان ترامیم پر ترکوں اور یونانیوں کی باہمی رضا مندی ضروری ہے - ترکی

وفد نے اس کے جواب میں یہ مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے تو یونانی فوجیں اناطولیہ کے علاقے سے نکل جائیں ۔ وفد نے ترکوں کا میثاق ملّی بھی پیش کیا جس کے متعلق مصطفٰی کمال نے یہ بیان دیا تھا کہ ”یہ ہمارا وہ پروگرام ہے جس میں ہم نے صلح نامہ کی انتہائی نرم شرطیں پیش کی ہیں ۔“ اُدھر یونانیوں نے اکڑ کر یہ جواب دیا کہ ہم نہ اناطولیہ خالی کرنے کو تیار ہیں ، نہ ہمیں یہ منظور ہے کہ معاہدۂ ”سے ور“ میں کوئی ترمیم کی جائے ۔ انھوں نے صاف کہہ دیا کہ اگر کانفرنس ناکام ہو جائے تو یونان اس قابل ہے کہ ترکوں سے بہ زور شمشیر معاہدۂ سے ور بجنسہٖ تسلیم کروا لے ۔ غرض کانفرنس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا ۔ اس کانفرنس کے ناکام خاتمے کے دس روز بعد یونان نے ہر محاذ پر از سر نو لڑائی چھیڑ دی ۔

مصطفٰی کمال کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کانفرنس سے ترکیہ کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا ۔ کانفرنس میں شرکت کرنے سے اُن کی مراد صرف یہ تھی کہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر آکر ساری دنیا کو یہ بتا دیں کہ ترکوں کا قومی مقصد کیا ہے ۔ کسی حد تک یہ مدعا پورا ہو گیا ۔ ترکی وفد کا قائد بکر سامی اپنی لیاقت کے باوجود ترکوں کی قومی جد و جہد کی روح کو سمجھنے سے قاصر تھا ۔ کانفرنس کے بعد اُس کا طرز عمل عظیم قومی اسمبلی کی خارجہ پالیسی سے بالکل مختلف تھا ۔ اُس نے یہ طے کیا کہ برطانیہ ، فرانس اور اٹلی کی حکومت سے رجوع کرے اور اُن کے ساتھ ایسے عہدنامے کر لے جن سے اُن کو وہ مفادات اور اثرات حاصل ہو جائیں جو وہ ترکیہ میں حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔

انونو کے مقام پر جو پہلی لڑائی ہوئی تھی اُس سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ترکی فوج کو شکست دینا آسان نہیں ہے ۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ رفتہ رفتہ ترکی فوج کی قوت اور طاقت بڑھتی جائے گی ۔ یونانیوں کو اس حقیقت کا اندازہ ہو گیا اور جب وہ انونو کی پہلی جنگ کے

صدمے سے ذرا سنبھلے تو انھوں نے فوراً دوسری یلغار کا فیصلہ کیا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ع کو انھوں نے بروسہ سے انونو کی طرف اور عشاق سے آفیون کی طرف پیش قدمی کی۔ انونو کے محاذ پر اُن کی تین ڈویژن فوج تھی جس کے دو ڈویژنوں کو انھوں نے جنوب سے محاذ کے دائیں طرف بڑھایا۔ ترکیہ کے جنرل سٹاف نے اس مقام پر جنوبی محاذ کا ایک پیدل ڈویژن اور ایک سوار ڈویژن سامنے کیا۔ قوجا ایلی کے مقام پر جو دستے تھے اُن میں سے بھی بہت سے دستے مغربی محاذ کے ماتحت کر دیے۔ جنگ جاری تھی کہ انونو کے مقام پر ترکوں کے دو ڈویژن اور بھیج دیے گئے۔

یونانیوں نے انونو میں ترکی مورچوں پر ۲۶ مارچ ۱۹۲۱ع کو حملہ شروع کیا۔ انھیں ادھر اُدھر بالخصوص مختلف بازوؤں پر کچھ کامیابی ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں ترکوں نے ایسی جانبازی سے جنگ کی کہ یونانیوں کی پیش قدمی محدود ہو گئی۔ ترکی فوج کے ادنٰی سپاہی سے لےکر جرنیل تک نے نہایت عزم و استقلال سے مقابلہ کیا۔ ترکوں کے وزیر جنگ نے صورت حال کو خوب سمجھا اور بر وقت ایسی کارروائی کی کہ یونانیوں کو اس لڑائی میں جو ۳۱ مارچ کی شام تک جاری رہی دوسری مرتبہ پھر شکست فاش ہوئی۔

انونو کے میدان میں جنگ ابھی جاری تھی کہ غنیم کی فوج نے جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے آفیون پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد ''بولو ادین'' اور ''چای'' کی جانب بڑھنے لگی۔ اسے روکنے کے لیے ترکوں نے پانچ ڈویژن فوج انونو کے محاذ سے ہٹا کر آلتون طاش کی طرف بڑھائی۔ منصوبہ یہ تھا کہ یہ ڈویژن یونانیوں کے پہلوؤں پر اور عقب سے حملہ کریں اور باقی فوج سامنے سے یونانیوں پر جوابی حملہ کرے۔ لیکن غنیم اپنی تباہی کا اندازہ کرکے ۷ اپریل ۱۹۲۱ع کو آفیون خالی کرکے ہٹ گیا اور اصاحانلر کے نزدیک دفاعی جنگ میں مشغول ہوگیا جس نے اُسے مکمل تباہی سے بچا لیا۔

انونو کے مقام پر اس دوسری فتح سے عظیم قومی اسمبلی کی حکومت کی سیاسی ساکھ بہت بڑھ گئی۔ ترکوں کو اس پر پورا اعتماد ہوگیا اور مصطفیٰ کمال نیز ان کے حامیوں کو قطعی یقین ہوگیا کہ مکمل فتح ضرور حاصل ہوگی۔ مغربی محاذ کے سپہ‌سالار کرنل عصمت نے اور قومی اسمبلی کے صدر مصطفیٰ کمال نے ایک دوسرے کو جو تار بھیجے ان سے ظاہر ہے کہ انھیں اس فتح کی سیاسی اہمیت کا اندازہ تھا۔ جس وقت یونانی انونو کے میدان سے پیچھے ہٹ رہے تھے، جنرل عصمت نے مصطفیٰ کمال کو جو تار بھیجا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"مترس تپہ۔ یکم اپریل ۱۹۲۱ء، آج صبح میں نے یہاں جو صورت حال دیکھی اس کی تفصیل یہ ہے: کوندوزبک کے شمال میں دشمن کا ایک دستہ جو غالباً عقبی دستہ تھا اور صبح سے جم کر لڑ رہا تھا، ہمارے میمنہ سے شکست کھا کر افراتفری کے عالم میں پسپا ہورہا ہے۔ اس کا تعاقب سختی سے جاری ہے۔ حمیدیہ کی طرف کوئی سرگرمی نہیں، بوزیوک جل رہا ہے۔ غنیم میدان میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ کمانڈر مغربی محاذ، عصمت۔"

مصطفیٰ کمال نے اس کا یہ جواب دیا:

"سپہ سالار مغربی محاذ، چیف آف جنرل سٹاف، عصمت پاشا کے نام، بمقام مترس تپہ، میدان جنگ انونو میں۔ تاریخ عالم میں ایسے سپہ سالار بہت کم نظر آتے ہیں جن کے کاندھوں پر اتنی بڑی ذمے داری آ پڑی ہو جیسی کہ جنگ انونو میں تم پر پڑی ہے۔ ملک و ملت کی آزادی کی امانت ہم نے بڑے اعتماد سے تمھارے کمانداروں اور سپاہیوں کے ہاتھ میں دی تھی جنھوں نے تمھاری قیادت میں یہ کام بڑے جوش و خروش سے کر کے قوم کی لاج رکھ لی ہے۔ تم نے دشمن ہی پر فتح نہیں پائی بلکہ اس برگشتہ بختی کا بھی منہ پھیر دیا

ہے جو ترک قوم کے پیچھے سائے کی طرح لگی پھرتی تھی۔ آج ترکیہ کے طول و عرض میں تمھاری فتح کا جشن منایا جا رہا ہے۔ بلکہ ہمارے ان بد نصیب علاقوں میں بھی خوشی کی لہر دوڑ رہی ہے جن پر دشمن نے دھاوا بولا ہے۔ دشمن کے جارحانہ عزائم تمھارے عزم و حوصلے کی چٹان سے ٹکٹرا کر پاش پاش ہو گئے ہیں۔

"تمھاری اس مقدس اور شاندار فتح پر میں تمھیں مبارک باد دیتا ہوں جس سے تاریخ عالم پر تمھارا نام زریں حروف میں ثبت ہو گیا ہے اور جس سے ترک قوم ہمیشہ کے لیے تمھاری مرہون احسان ہو چکی ہے۔ مجھے اتنا اور کہنے دو کہ جس پہاڑی پر تم کھڑے ہوئے ہو اس سے صرف وہ میدان جنگ ہی نظر نہیں آتا جہاں دشمن کی ہزاروں لاشیں بچھی پڑی ہیں بلکہ وہاں سے وہ سنہری افق بھی نظر آتا ہے جو تمھارے اور قوم کے شاندار مستقبل کو دامن میں لیے ہوئے ہے۔ عظیم قومی اسمبلی کا صدر مصطفیٰ کمال۔"

انونو کی دوسری فتح کے بعد ترکی وفد لندن کانفرنس سے واپس ہو کر انقرہ میں واپس آ گیا۔ اس کے قائد بکرسامی نے اتحادی ملکوں کے ساتھ جو معاہدے کیے تھے ان پر مصطفیٰ کمال نے سخت نکتہ چینی کی۔ حکومت نے بھی ان تمام معاہدوں کی مذمت کی۔ البتہ اس عہد نامے کو جائز قرار دیا جو برطانیہ کے ساتھ اس موضوع پر کیا گیا تھا کہ ترک اور انگریز اپنے اپنے اسیران جنگ کا مبادلہ کرلیں تاکہ وہ ترک جو جزیرۂ مالٹا میں محبوس تھے وطن واپس آ جائیں۔

انونو کی دوسری فتح سے قومی اسمبلی میں سیاست کا نیا باب کھلا۔ مصطفیٰ کمال نے چاہا کہ اسمبلی کے ارکان میں جو اختلاف رائے رونما ہوا ہے اسے سمیٹ کر مختلف الخیال ارکان کو ایک با ضابطہ منظم پارٹی میں سمو دیا جائے۔ عظیم قومی اسمبلی کے ارکان

وہ تھے جنھیں انجمن تحفظ حقوق اناطولیہ و روسیلیہ نے کھڑا کیا تھا - یہ ارکان اول اول انجمن کے اصولوں کو تسلیم کرکے اتفاق کے ساتھ کام کرتے رہے - ''میثاق ملی'' جو اس بات کا ضامن تھا کہ قوم یک دلی کے ساتھ ایسا معاہدۂ صلح کرے جس سے ملک و ملت کی سالمیت اور آزادی محفوظ ہو جائے، وہ ان سب ارکان کے پیش نظر تھا - لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، یہ حقیقت واضح ہوتی گئی کہ اسمبلی کی یک جہتی کم ہو رہی ہے اور معمولی مسائل پر اختلاف رائے ہو جاتا ہے - اس سے اسمبلی کے باقاعدہ کام کرنے میں بہت خلل پیدا ہوگیا -

ان حالات کو درست کرنے کے لیے بعض نمائندوں نے گروہ بندی کی - ان سب کے دل میں اُس عوامی پروگرام کا جذبہ تھا جسے مصطفیٰ کمال نے ستمبر ۱۹۲۰ع میں چھپوا کر نمائندوں میں تقسیم کروا دیا تھا - اسمبلی کے ان گروہوں نے اپنے القاب و خطابات تجویز کرنے اور خصوصی پروگرام بنانے شروع کر دیے - یہ کام کھلے بندوں ہوتا رہا لیکن اس کے پس پردہ بعض گروہ ایسے بھی تھے جن کے منصوبے ان کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھے - ان سب گروہوں کی تشکیل کا مقصد یہ تھا کہ اسمبلی کے بحث مباحثوں میں نظم و ضبط پیدا ہو اور ووٹ منتشر نہ ہونے پائیں - لیکن نتیجہ برعکس نکلا - ان گروہوں میں وہ نااتفاقی ہوئی کہ اسمبلی میں جھگڑے ہونے لگے - ۲۰ - جنوری ۱۹۲۱ع والے آئین کو منظور کر لینے کے بعد صورت حال اور بھی نازک ہو گئی - وہی نمائندے جو دل و جان سے میثاق ملی کی حمایت کرتے تھے، آئین میں پیش کردہ اصولوں کے متعلق اپنے نظریات میں اختلاف کرنے لگے -

اول اول تو مصطفیٰ کمال نے یہ چاہا کہ بالواسطہ ان فریقوں کو متحد کردیں - یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو ان میں سے کسی ایک گروہ کو اتنا مضبوط کردیں کہ اس کے سہارے اسمبلی کا کام

چل سکے - لیکن جب انھوں نے دیکھ لیا کہ ان طریقوں میں سے کسی سے بھی کوئی مستقل نتیجہ نہیں نکلتا تو انھوں نے طے کرلیا کہ اب مجھے بذات خود دخل دینا چاہیے - انھوں نے جماعت تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کے نام سے ایک جماعت بنانے کا فیصلہ کیا - انھوں نے اس کا دستورالعمل بنایا جو دو نکات پر مشتمل تھا - پہلے نکتے کا ماحصل یہ تھا کہ یہ جماعت اپنی تمام مادی و اخلاقی قوتیں صرف کر کے صلح کی ایسی شرائط طے کرائے گی جن سے ملک و ملت کی سالمیت اور آزادی اس طرح حاصل ہو جائے گی جس طرح ''میثاق ملی'' میں طے ہوئی ہے - نیز یہ جماعت تمام سرکاری اور غیرسرکاری اداروں کی سرگرمیوں کو اسی مقصد کے لیے وقف کر دے گی - دوسرے نکتے میں یہ شرط تھی کہ یہ جماعت ، ترکیہ حکومت کی تنظیم کا کام آئین کی شرائط کے مطابق شروع کرے گی -

مصطفیٰ کمال نے مختلف گروہوں کے قائدوں کو اور دیگر ممتاز نمائندوں کو جمع کر کے مذکورہ بالا دو نکات پر متفق کر لیا - ۱۰- مئی ۱۹۲۱ع کو انقرہ کے ٹیچرز کالج کے ہال میں ایک سو اکیاون نمائندے مصطفیٰ کمال کی صدارت میں جمع ہوئے- انھوں نے طے کیا کہ انجمن تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کے ارکان کا ایک اسمبلی گروہ بنایا جائے - انھوں نے بالاتفاق مصطفیٰ کمال کو اپنے گروہ کا صدر نامزد کیا - اس کے یہ معنی تھے کہ وہی گروہ جس کے متعلق مصطفیٰ کمال اول اول اس بات کے آرزو مند تھے کہ وہ عثمانی مجلس نمائندگان کے آخری اجلاس استنبول میں شرکت کرے ، وہ گروہ اب چودہ ماہ بعد انقرہ کی عظیم قومی اسمبلی میں نمودار ہوا - اس گروہ نے پہلی عظیم قومی اسمبلی کے زمانے میں حکومت کی جو خدمات انجام دیں ان کا ذکر مصطفیٰ کمال نے اپنی یادگار تقریر میں کر کے انھیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے -

یونانیوں نے انونو کے مقام پر دوبارہ شکست کھا کر یہ طے

کیا کہ محاذ جنگ پر زیادہ طاقتور فوجیں جمع کریں اور گیارہ ڈویژن فوج محاذ پر لے آئیں - اس کے برعکس ترکوں کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ عام فوجی بھرتی کر کے اور ملک کے تمام ذرائع سے کام لے کر زیادہ فوج میدان میں لا سکیں - اپنی جنگی کوششوں کو زیادہ متوازن بنانے کے لیے انھوں نے انونو کی دوسری لڑائی کے بعد جنوبی محاذ کو ختم کر دیا اور دونوں محاذوں کی فوج کو یکجا کر کے ۱۵- اپریل ۱۹۲۱ع کو انھیں مغربی محاذ جنگ کے تحت کر دیا -

باب ۱۰

فتح سقاریہ — مصطفیٰ کمال مارشل بنتے ہیں

ترک فوج انونو — کوتاہیہ — دوگھر والی لائن پر چار حصوں میں تقسیم ہو کر دفاعی انداز میں مورچے سنبھالے ہوئے تھی - گیوہ کے پاس فوج کا ایک اور حصہ بھی تھا جسے قوجہ ایلی آرمی گروپ کہتے تھے - ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کو یونانی فوج نے انونو — کوتاہیہ لائن پر اپنے پانچ ڈویژنوں سے ترک فوج پر حملہ کیا - ساتھ ساتھ یونان کے چھ ڈویژن ترکوں کی اس فوج پر حملہ آور ہوئے جو قولا قسز داغی سے دوگھر تک کی لائن کا دفاع کر رہی تھی - یہ بڑا ہی نازک مرحلہ تھا اور پوری ترکی فوج کی قسمت کا فیصلہ ہونے کو تھا - یونانی فوج نے جو ہر لحاظ سے ارفع و اعلیٰ تھی ، سید غازی کی جانب بڑھنا شروع کیا - ترک بروقت پیچھے ہٹ آئے اور اسکی‌شہر — سید غازی والی لائن پر قائم ہو گئے - مصطفیٰ کمال نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے مغربی محاذ کے ہیڈکوارٹر کا معائنہ کیا - انھوں نے فوج کے کمانڈر کو ہدایت کردی کہ فوراً ساری فوج کو یک جا کر کے اسکی‌شہر کے شمال اور جنوب میں جمع کر دو - پھر اگر ضرورت آپڑے تو دریائے سقاریہ کے مشرق میں اس قدر ہٹ جاؤ کہ دشمن سے کافی فاصلے پر رہو اور وہاں اپنی فوج کو دوبارہ ترتیب دے کر کمک کا انتظار کرو - یونانی آن سے الجھنا چاہتے تھے - ۲۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو ترک فوج سقاریہ سے مشرق کی طرف ہٹ گئی - اس سے کچھ پہلے اسکی‌شہر کے پاس ترکوں نے یونانیوں پر جوابی حملہ کیا تھا جس کی بدولت اتنا ہوا کہ ترکوں کے جنوبی پہلو پر جو دباؤ پڑ رہا تھا وہ کسی قدر کم ہو گیا - یہ درست ہے کہ ترکی فوج کے دریائے سقاریہ تک پیچھے ہٹ

جانے سے عوام کا حوصلہ پست ہو گیا اور ملک کا ایک بڑا حصہ ، اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی ، دشمن کے قبضے میں چلا گیا تھا ۔ صدرِ مملکت کی حیثیت سے مصطفیٰ کمال نے یہ ناخوشگوار فیصلہ کیا تھا اور اس کی ذمے داری قبول کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے :

"فن حرب کی ضروریات جس داؤ پیچ کا مطالبہ کرتی ہیں انہیں پورا کرنے سے ہچکچانا نہیں چاہیے۔ وقتاً فوقتاً جو خرابیاں پیدا ہوں گی ہم اُن سے نبٹتے رہیں گے ۔"

غرض انھوں نے اس پسپائی کی ذمے داری قبول کی اور یہ بیان کیا :

"صورت حال کا جایزہ لینے سے اور اُس کے تدارک کی تدبیر کرنے میں انسان کو حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر لینی چاہییں خواہ حقیقت کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو ۔"

اسی دانش مندانہ پسپائی کی بدولت مصطفیٰ کمال کو یہ موقع ملا کہ کچھ عرصے بعد جوابی حملہ کر کے ملک کو بچا سکیں لیکن اس وقت پسپائی کی وجہ سے قوم کا حوصلہ بہت ٹوٹ گیا تھا ۔ مصطفیٰ کمال کے مخالف یہ کہہ کر علانیہ نکتہ چینی کرنے لگے کہ :

"یہ ہماری فوج منہ اٹھائے کہاں جا رہی ہے ؟ ہماری فوج کو کس طرف لے جایا جا رہا ہے ؟ ان محاربات کی ذمہ داری کسی نہ کسی شخص پر ہونی چاہیے ۔ وہ کون ہے ؟ وہ ہمیں نظر نہیں آتا ۔ فوج آج جس اندوہناک حالت میں ہے اُس کی ذمہ داری کسی نہ کسی پر ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ شخص فوج کے آگے آگے ہو ۔"

بہت سے نمائندوں نے مصطفیٰ کمال سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ خود فوج کی قیادت کریں ۔ اُن میں سے بعض کا خیال تھا کہ فوج کو آخری شکست ہو گئی ہے ۔ اس صورت حال کی تلافی نہیں ہو سکتی ۔ قومی مقصد تباہ ہو چکا ہے ۔ وہ مصطفیٰ کمال کو اپنے

اعتراضات کا ہدف بنانا چاہتے تھے - اُن کا خیال تھا کہ وہ اگر شکست خوردہ فوج کی قیادت کریں تو اُن کا وقار خاک میں مل جائے گا - لیکن اُن لوگوں کے دوش بدوش کچھ ایسے اشخاص بھی تھے جو مصطفٰی کمال پر اعتماد کرتے تھے اور نیک نیتی سے یہ چاہتے تھے کہ وہ فوج کی قیادت کریں - ان کے علاوہ بعض نمائندے اس تجویز کو خطرناک سمجھتے تھے ، اُن کا خیال تھا کہ فوج کو جہاں بھی شکست ہوگی اُس کی ذمے داری مصطفٰی کمال پر عائد ہوگی اور اس طرح قوم کی آس ٹوٹ جائے گی - وہ چاہتے تھے کہ مصطفٰی کمال فوج کی سپہ سالاری صرف اس وقت سنبھالیں جب اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے - عظیم قومی اسمبلی میں جو مباحثے ہوئے تھے اُن میں بھاری کثرت رائے سے یہی تجویز منظور ہوئی تھی کہ مصطفٰی کمال سپہ سالاری کا کام خود سنبھالیں کیونکہ صحیح طریق کار یہی ہے- اسمبلی کے باہر بھی یہی نظریہ پھیلا ہوا تھا - مصطفٰی کمال نے سپہ سالاری سنبھالنے کی کوشش کی تھی ، اس کے بعد وہ کچھ عرصہ خاموش رہے - اس سے لوگوں نے یہی نتیجہ نکالا کہ غالباً تباہی سر پر آ پہنچی ہے - ان سب باتوں کا احساس کر کے مصطفٰی کمال نے قومی اسمبلی کے خفیہ اجلاس منعقدہ ۴ اگست ۱۹۲۱ع میں اپنا بیان دیا - اسمبلی کو اُن پر جو اعتماد تھا اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انھوں نے حسب ذیل تحریک پیش کی :

''عظیم قومی اسمبلی کے اجلاس عام میں میری گزارش یہ ہے کہ اسمبلی کے معزز ارکان کی عمومی خواہش اور مطالبے کے پیش نظر میں سپہسالاراعظم کا منصب قبول کرتا ہوں - اس کے ساتھ میری یہ شرط بھی ہے کہ اس وقت جو مشکل کام ہمارے ہاتھ میں ہے اُسے پورا کرنے کے لیے میں قومی اسمبلی کے تمام اختیارات استعمال کروں گا - فوجی معاملات کو مستحکم کرنے میں اس تقرر کے جملہ اختیارات اور سہولتیں مجھے دے دی جائیں - مجھے یہ اختیارات صرف تین ماہ کی

مختصر میعاد کے لیے دے دیجیے اور میں یہ ثابت کر دکھاؤں گا کہ میں قوم کی خواہشات پوری کرنے کے لیے آن کا ادنیٰ ترین خادم ہوں ۔ عظیم قومی اسمبلی کا صدر مصطفیٰ کمال ۔"

جب مصطفیٰ کمال کی یہ تحریک پڑھی گئی تو ان کے مخالفوں نے اعتراض کیے ۔ وہ انھیں سپہ سالاراعظم (کمانڈر انچیف) کا منصب اور اسمبلی کے اختیارات دینے کو تیار نہ تھے ۔ مصطفیٰ کمال نے انھیں یہ جواب دیا کہ ڈپٹی کمانڈر انچیف کا وہ متروک منصب جو کہ ترکیہ کے سلطان اور خلیفہ عطا کیا کرتے تھے، مجھے اس کا لینا منظور نہیں ۔ علاوہ ازیں جب میں کمانڈر انچیف کی خدمات انجام دوں گا تو مجھے یہ منصب عطا کرنے سے انکار کس بنا پر کیا جاتا ہے ؟ انھوں نے مزید وضاحت کی کہ چونکہ صورت حال غیرمعمولی ہے اس لیے اسے سنبھالنے کے واسطے میرے اختیارات بھی غیرمعمولی ہونے چاہییں ۔ اسمبلی کو صورت حالات کی نزاکت کا علم ہے اور اس کا فرض ہے کہ اگر کامیابی منظور ہے تو اختیارات دینے میں پس و پیش نہ کرے ۔ اگر یہ اختیارات نہ دیے گئے تو میرا سپہ سالاراعظم کی حیثیت سے تقرر بے فائدہ ہوگا اور متوقع فوائد حاصل نہ ہو سکیں گے ۔

اس روز کی بحث کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور مباحثات اگلے روز پھر شروع ہوئے ۔ مصطفیٰ کمال نے ان نمائندوں کو جنھیں اپنی ذمے داری اور اسمبلی کی آیندہ کارروائیوں کے متعلق بہت سے اندیشے تھے ، سمجھا بجھا کر مطمئن کردیا ۔ وہ جن اختیارات کے طالب تھے، انھیں ایک بل کی شکل میں نمائندوں کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ وہ مطمئن ہو گئے ۔ عظیم قومی اسمبلی نے یہ بل ۵ اگست ۱۹۲۱ع کو منظور کر لیا اور مصطفیٰ کمال کو سپہ سالار اعظم کے اختیارات اور حقوق عطا کر دیے ۔ قانون نے انھیں یہ اختیار دے دیا کہ وہ قومی اسمبلی کی طرف سے ان تمام اختیارات کو استعمال کریں جنھیں وہ فوج کا ساز و سامان اور حوصلہ بڑھانے اور محاذ جنگ

کو مستحکم بنانے کے لیے ضروری سمجھتے ہوں۔ اس طرح سپہ سالار اعظم کے احکام نے قانون کی حیثیت اختیار کر لی۔

مصطفیٰ کمال نے اپنے تقرر اور اسمبلی کے اعتماد کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا کہ:

"جو دشمن ہماری غریب قوم کو غلام بنانے کی کوشش کررہا ہے، اُس پر فتح یاب ہونے کا یقین مجھے بدستور ہے۔ اس معزز و محترم اسمبلی کے سامنے نیز اپنے ملک اور ساری دنیا کے روبرو میں اپنے یقین اور اعتماد کا اعلان کرتا ہوں۔"

انھوں نے فوراً نئی ذمے داری کو سنبھالا اور فوجی ہیڈکوارٹروں کی تنظیم کی۔ ۷ اور ۸ اگست کو انھوں نے "ناگزیر قومی احکام" کا نفاذ کر دیا جس کے ایک طرح یہ معنی تھے کہ پورا ملک جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ احکام اس لیے جاری کیے گئے تھے کہ ملک کے تمام ذرائع فوج کے اختیار میں دے دیے جائیں۔ ان احکام کی تعمیل کے لیے ملک کے مختلف مرکزوں میں خصوصی عدالت ہائے حریت قائم کر دی گئیں۔

۱۲ اگست ۱۹۲۱ء کو مصطفیٰ کمال محاذجنگ کے ہیڈکواٹر بمقام پولاطلی پہنچے اور سپہ سالاری سنبھالی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر اُس جنوبی علاقے کا، جو انقرہ تک پھیلا ہوا تھا، نیز اُس علاقے کا جو دریائے سقاریہ کے پاس تھا، معائنہ کرتے رہے۔ انھوں نے اُن تمام مقامات کا جائزہ لیا جو مستقبل میں میدان جنگ بننے والے تھے اور جہاں ترک فوج کو یونانی حملے کا روک دینا لازم تھا۔ انھوں نے مزاحمت کا پہلا منصوبہ تیار کیا اور وہ مقامات اور تدابیر طے کردیں جن سے دشمن کو روک کر اُسے شکست دی جا سکتی تھی۔ انھیں اطمینان ہوگیا کہ دریائے قیزل ایرمق کے مشرق کی طرف مزید پسپائی اور انقرہ کو عارضی طور پر دشمن کے ہاتھ میں دے دینا قطعی غیرضروری تھا یعنی انقرہ سے ہٹنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے ایک پہاڑی بھی دیکھی جسے جنگی داؤ پیچ کے لحاظ سے انھوں

نے اپنے منصوبے میں بہت اہمیت دی ۔ واپس آکر انھوں نے فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ غنیم اپنے انتخاب کردہ مقام پر لڑائی شروع کرے ، اسے عارضی جنگ میں الجھائے رکھا جائے ۔

میدان کی جائزہ گیری کے دوران میں مصطفیٰ کمال گھوڑے سے گر پڑے اور اُن کی کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں ۔ دیکھ بھال اور علاج کے لیے انھیں انقرہ آنا پڑا جہاں سے وہ پھر محاذ پر جا پہنچے ۔ حال یہ تھا کہ زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ ایک آرام کرسی میں جو کسی ٹرین سے لائی گئی تھی جنگ کی ہدایتیں دے رہے تھے ۔ بعد ازاں انھوں نے یہ بیان دیا کہ اُن کی یہ مجبوری اور معذوری بہت مفید ثابت ہوئی ۔ اگر وہ گھوڑے پر یا کار میں سوار ہو کر مختلف علاقوں میں گھومتے پھرتے تو ممکن تھا کہ وہ کسی نازک مرحلے پر میدان جنگ کے نقشے کا مجموعی تصور فراموش کر دیتے ۔

یونانیوں نے ۱۳ اگست ۱۹۲۱ع کو آگے بڑھنا شروع کیا ۔ دس دن کے عرصے میں وہ ترکوں کی سقاریہ والی دفاعی لائن تک آ پہنچے ۔ مصطفیٰ کمال نے سقاریہ کی لڑائی کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

"۲۳ اگست ۱۹۲۱ع کو یونانی فوج ہمارے محاذ تک آ پہنچی اور حملہ شروع کر دیا ۔ لڑائی بہت ہی خونریز اور نازک مرحلوں سے گذرتی گئی ۔ دشمن کی فوجیں ، جو ہر طرح ارفع و اعلیٰ تھیں ہمارے دفاع کو توڑ کر کئی مقامات پر آگے بڑھ آئیں ۔ ہم نے بھی دشمن کے ان بڑھتے ہوئے دستوں کے خلاف اپنی فوجیں بڑھائیں ۔

"ایک سو کلومیٹر لمبے محاذ پر گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی ۔ ہمارا میسرہ اتنا پیچھے ہٹ آیا کہ انقرہ فقط پچاس کلومیٹر رہ گیا ۔ ہماری فوج کا اگلا حصہ جو مغرب کی طرف بڑھنے کو تھا ، جنوب کی طرف خم کھا گیا ۔ پہلے انقرہ ہمارے عقب

میں تھا ، پھر جب ہم نے جنوب کا رخ کیا تو ہمارے پہلو پر تھا ۔ محاذ بدلا گیا ۔ ہمارے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہ تھی ۔ ہماری دفاعی لائن متعدد مقامات پر ٹوٹ چکی تھی ۔ لیکن جس علاقے میں کوئی شگاف پڑ جاتا تھا ہم اُسے فوراً درست کر لیتے تھے ۔ بالعموم دفاعی لائن پر بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور عام نظریہ یہ ہے کہ دفاعی لائن ٹوٹ جائے تو فوج کو لازم ہے کہ جتنا بڑا شگاف لائن میں پڑ جائے اُسی کی نسبت سے کچھ فاصلے تک پیچھے ہٹ جائے ۔ ان خیالات و نظریات کو باطل کرنے کے لیے میں نے ملکی دفاع کا مفہوم ہی بدل دیا اور یہ ثابت ہوا کہ میرا اختیار کردہ نیا مفہوم زیادہ مفید تھا ۔ میرا قول یہ تھا کہ دفاعی لائن کوئی چیز نہیں ؛ دفاعی علاقہ ضرور ہوتا ہے اور اس معنی میں سارا ملک دفاعی علاقہ ہے ۔ جب تک کہ وطن کی زمین ہمارے ہم وطنوں کے خون سے تر نہ ہوجائے، ایک انچ پیچھے ہٹنا بھی مناسب نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی چھوٹی یا بڑی فوج اپنے مورچے سے ہٹادی جاتی ہے تو اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ فوراً اپنی صفوں کو مرتب کر کے دوبارہ سینہ سپر ہو جائے ۔ فوج کا جو حصہ پسپا ہو اُس کے دائیں بائیں بازو والے دستوں کو پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے ۔ انھیں آخر وقت تک اپنے مورچوں میں مزاحمت کرنا لازم ہے ۔ اسی اصول کی پیروی کا نتیجہ تھا کہ ہماری فوج کے ہر فرد نے قدم قدم پر بڑی سے بڑی قربانی دی ، دشمن کی بہتر اور برتر فوج کو تھکا تھکا کر تباہ کیا اور بالآخر اُسے اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حملہ جاری رکھ سکے ۔

”جب لڑائی اس مرحلے میں پہنچ گئی تو ہم نے جوابی حملہ شروع کیا ۔ ہماری پیش قدمی خصوصیت سے دریائے سقاریہ سے مشرق کی طرف کو تھی جہاں ہمارے دائیں بازو نے غنیم کی فوج کے بائیں بازو پر نیز محاذ کے دوسرے علاقوں پر ضرب

لگائی - یونانی فوج کر شکست دے دی گئی اور وہ پسپائی پر مجبور ہوئی - ۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ع کو سقاریہ سے مشرق کی طرف فوج مخالف کا نام و نشان تک باقی نہ رہا - سقاریہ کی خونریز لڑائی ۲۳ اگست سے ۱۲ ستمبر تک مسلسل ہوتی رہی - بائیس دن اور بائیس رات یہ خونیں معرکہ جاری رہا - یہ گھمسان کی لڑائی جس کی نظیر تاریخ عالم میں شاید ہی مل سکے ، جدید ترکی حکومت کی تاریخ میں خونیں الفاظ میں ثبت ہو گئی ہے -"

اس تمام عرصے میں مصطفٰی کمال جن کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں ، لڑائی کی ہر تفصیل سے باخبر رہے اور بہ ذات خود محاربات کی ہدایات دیتے رہے - بعد ازاں جب انھوں نے عظیم قومی اسمبلی کو جنگ کی روداد بھیجی تو اس میں عصمت انونو کی بے نظیر کارگزاری کی تعریف ان الفاظ میں کی :-

"مغربی محاذ کے کماندار عصمت پاشا نے حیرت ناک ذہانت ، ان تھک قوت ارادی ، یقین اور جاں کاہی کا ثبوت دیا ہے - وہ دن رات محاربات کی نگرانی کرتے رہے اور چھوٹی چھوٹی بات پر نظر رکھی - انھوں نے ایک ایک لمحے کے تقاضوں پر نظر رکھی اور اپنی فوج کی قیادت کرکے اُسے فتح و ظفر سے ہمکنار کر دیا -"

فتح سقاریہ کی خبر سارے ملک میں انتہائی خوشی سے سنی گئی اور کئی روز تک جشن فتح منایا گیا - ۱۴-۱۵ ستمبر کی درمیانی شب میں مغربی محاذ کے کماندار عصمت پاشا نے اور چیف آف جنرل اسٹاف فوزی پاشا نے ادرنہ اور قوزان کے نمائندوں کی حیثیت سے قومی اسمبلی کے دفتر صدارت کو تار بھیجا جس کا مضمون تھا کہ "اس فتح کا سہرا فضیلت مآب مصطفٰی کمال پاشا سپہ سالارِ اعظم کے سر ہے جنھوں نے میدان جنگ میں اپنے صحیح فیصلوں کی بدولت یہ لڑائی فتح کی ہے - مناسب یہ ہے کہ انھیں مشیر (مارشل) اور غازی کا خطاب عطا کیا جائے - ہمیں یقین ہے کہ یہ خطابات عطا کرکے

قومی اسمبلی پوری قوم کی طرف سے فوج کی کارگزاریوں کی تحسین کا حق ادا کر دے گی" نمائندوں کی اکثریت نے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے اسمبلی میں ایک تحریک پیش کی - ۱۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو عظیم قومی اسمبلی نے ایک قانون منظور کرکے موصوف کو ترقی دے کر مارشل بنا دیا اور غازی کا خطاب عطا کیا۔

فتح سقاریہ نے دنیا کی رائے عامہ پر قومی حکومت اور عظیم قومی اسمبلی کی فوج ظفر موج کی طاقت کا نقش بٹھا دیا - ۱۹ ستمبر کو مصطفیٰ کمال نے اسمبلی کو جو روداد بھیجی اس میں ترکوں کی جنگ آزادی کے نصب العین کی توثیق ان الفاظ میں کی: "ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اپنی سرحدوں کے اندر آزادانہ زندگی بسر کریں - دوسری مہذب اقوام کی مانند ترک قوم کا، نیز ترکوں کی قومی اسمبلی اور اس کی حکومت کا موقف یہی ہے کہ ہمارے قومی وجود اور آزادی کو تسلیم کیا جائے - ہمارا مطالبہ اس کے سوا کچھ نہیں!"

عظیم قومی اسمبلی نے مصطفیٰ کمال کی تقریر کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں کروا دیا اور اس کا مفہوم دنیا کی رائے عامہ تک پہنچا دیا - فتح سقاریہ سے سیاسی میدان میں بھی جلد ہی بہت کچھ کامیابی ہوئی - جنگ سقاریہ سے ایک ماہ پہلے جمہوریہ روس کی وساطت کی بدولت سوویٹ آرمینیا، جارجیا اور آذربائیجان کی حکومتوں کے ساتھ ترکیہ نے ایک معاہدہ کر لیا تھا - ۱۳ اکتوبر کو بہ مقام قارص اس عہد نامے پر دستخط ہوئے - بکر سامی نے لندن کانفرنس کے بعد اتحادی حکومتوں سے جو معاہدے کیے تھے، عظیم قومی اسمبلی نے انہیں نامنظور کردیا تھا - حکومت فرانس نے اس صورت حال کا لحاظ کرکے یہ کوشش کی کہ کسی طرح کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس سے ترکیہ کے ساتھ دوبارہ مفاہمت ہوسکے - عظیم قومی اسمبلی کو بھی یہی بات منظور تھی - حکومت فرانس نے اپنے ایک سابق وزیر فرینکلن بوئیلون کو ترکیہ روانہ کیا

تا کہ وہ ترکوں کے نقطۂ نظر کو سمجھ سکے - مسٹر فرینکان ۹ جون ۱۹۲۱ع کو انقرہ پہنچے اور فوراً مذاکرات شروع ہو گئے - مصطفیٰ کمال نے جو بہ ذات خود مذاکرات کے سربراہ تھے ، کہا کہ فرانس ترکوں کی قومی حکومت کو تسلیم کر لے کیونکہ ہمارا آپ کا اختلاف اسی بات پر ہے - فرانسیسی نمائندے نے جواب دیا کہ آپ بھی معاہدۂ "سہ ور" کو تسلیم کر لیں جو اس وقت ایک جانی پہچانی حقیقت ہے - اس پر مصطفیٰ کمال نے یہ جواب دیا :-

"قدیم عثمانی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اُس کے بجائے ایک نئی ترکی سلطنت ظہور پذیر ہوئی ہے - اسے تسلیم کر لینا چاہیے - ہر آزاد قوم کی طرح ترکیۂ جدید کے حقوق بھی تسلیم کیے جائیں گے - معاہدۂ سہ ور ترکی کے لیے بے رحمانہ سزائے موت کا حکم رکھتا ہے اور ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ ایک دوست قوم اس کا اشارہ تک کرے - ان مذاکرات میں بھی مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس معاہدے کا نام زبان پر لایا جائے - ہمیں اُن قوموں پر کوئی اعتماد نہیں جو اب تک اس معاہدے کو یاد رکھتی ہیں - رہے ہم ، سو ہمیں اس معاہدے کے وجود سے کوئی سروکار ہی نہیں -"

بہت طول و طویل گفت و شنید کے بعد فرینکان بوئیلون نے مزید مہلت طلب کی تا کہ ترکوں کے 'میثاق ملی' کا مطالعہ کر سکے - جب مذاکرات دوبارہ شروع ہوئے تو اس نے اس بات پر اعتراض کیا کہ تعاون باہمی کے معاہدات کو کیوں منسوخ کیا جا رہا ہے ؟ مصطفیٰ کمال نے جواب دیا کہ جب میں مکمل آزادی کا نام لیتا ہوں تو اس سے میری مراد مکمل آزادی ہوتی ہے - ہمارے لیے یہ چیز ناگزیر ہے اور اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہم سیاست ، مالیات ، اقتصادیات ، عدلیہ ، فوجی امور اور ثقافت کے معاملات میں قطعی آزاد ہوں - اگر ان میں سے کسی آزادی کو سلب کر لیا جائے تو حقیقی حریت کا مفہوم تشنہ رہ جائے گا -

اگرچہ مصطفیٰ کمال نے فرینکلن بوئیلون کو کسی طرح اپنا ہمنوا بنا لیا تھا لیکن فرانسیسی حکومت نے ترکوں کے مقاصد کو صحیح معنی میں صرف اس وقت سمجھا جب ترک فوج نے سقاریہ کی خونریز جنگ میں یونان جیسے غنیم کا منھ پھیر کر اپنی فوجی صلاحیت کا معجزہ دکھا دیا - فتح سقاریہ سے ۳۷ روز بعد فرانسیسی حکومت نے بہ تاریخ ۲۰- اکتوبر ۱۹۲۱ء معاہدۂ انقرہ پر دستخط کر دیے -

معاہدۂ انقرہ غازی مصطفیٰ کمال کی سیاست دانی کا بہت بڑا کارنامہ ہے - اس کے یہ معنی تھے کہ اتحادی ملکوں میں سے ایک ملک نے عظیم قومی اسمبلی کی حکومت اور اس کے "میثاق ملی" کو تسلیم کر کے اس بات پر آمادگی ظاہر کر دی کہ وہ ترکیہ کا ایک اہم حصہ' ملک خالی کر دے گا جو اب تک اس کے قبضے میں تھا - فرانس نے یہ بھی مان لیا کہ اسکندرون اور انطاکیہ کے اضلاع میں ، جو فرانسیسی حمایت میں تھے ، جداگانہ انتظامیہ قائم کر دے گا اور ان ترکوں کی تہذیب و ثقافت کا احترام کرے گا جو اس علاقے میں اکثریت میں تھے - اس معاہدے نے عظیم ترکی قومی اسمبلی کو اجازت دی کہ اس کی وہ فوجیں جو جنوبی محاذ سے سبکدوش ہو گئی ہیں انھیں مغربی اناطولیہ میں منتقل کر دیا جائے -

فتح سقاریہ نے ترکیہ کی جنگ آزادی میں ایک اہم باب کا اضافہ کیا - اس فتح سے یونانی فوج کی جارحانہ صلاحیت ختم ہو گئی اور اسے مجبوراً محض مدافعت پر قناعت کرنی پڑی - تاہم مصطفیٰ کمال کی خواہش تھی کہ اناطولیہ سے تمام دشمنوں کو نکال باہر کریں اور انھیں ترکوں کا "میثاق ملی" تسلیم کرنے پر مجبور کر دیں - یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ ترکیہ کو ایک فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے - لیکن دنیا کی رائے عامہ کو ، استنبول کے ذی فہم اشخاص کو ، حتیٰ کہ عظیم قومی اسمبلی کے بعض نمائندوں کو، یقین نہ تھا کہ ایسی فتح کبھی حاصل ہو گی - وہ یہ سمجھتے تھے

کہ ترکی فوج اپنی مدافعت کر سکتی ہے لیکن حملے کے قابل نہیں۔ اس خیال سے وہ یہ کہتے تھے کہ جس چیز کو طاقت کے بل بوتے پر حاصل نہیں کیا جا سکتا اسے مفاہمت اور گفت و شنید سے طے کرنا چاہیے۔ لیکن سیاست کے بہت سے حقائق سمجھ کر مصطفیٰ کمال نے یہ سبق سیکھا تھا کہ دشمن جو سہولتیں دینے کو تیار ہیں، ان سے ترکیہ کو مکمل آزادی نہیں مل سکتی۔ اسی حقیقت نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اپنی تمام کوششوں کو ترکی فوج کی بہتری کے لیے وقف کردیں کیونکہ مکمل فتح کے لیے اس کا وجود ناگزیر تھا۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۱ع کو بحیثیت کمانڈر انچیف مصطفیٰ کمال کے اختیارات میں تین مہینے کی مزید توسیع کر دی گئی۔ اگرچہ اسمبلی کے بعض نمائندوں نے مخالفت کی لیکن یہ قانون منظور ہو ہی گیا۔ پھر بھی ان کے مخالف انھیں تنگ کرنے سے باز نہ آئے۔ جب عظیم قومی اسمبلی نے وزرائے عاملہ کی کمیٹی کے فرائض اور ذمےداریوں کے بل پر بحث کی تو حزب مخالف نے بعض ایسی ترامیم کا مطالبہ کیا جن سے ملک کی حاکمیت کو خطرہ لاحق ہوتا تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ ترکی حکومت بے نتیجہ مہمات میں پھنس جائے۔ یہ صورت حال دیکھ کر غازی مصطفیٰ کمال نے یکم دسمبر ۱۹۲۱ع کو ایک اور تقریر کی جس میں انھوں نے قومی پالیسی کے وہ اصول واضح کیے جن پر عظیم قومی اسمبلی گامزن تھی اور جن کی پابندی اس کا فرض تھی۔ موصوف نے اشارہ کیا کہ اگر پان اسلامزم یا پان تورانزم کی پالیسی اختیار کی گئی تو ترکیہ کے لیے بہت سے خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ:

"ترکوں کی عظیم قومی اسمبلی کی حکومت کی پالیسی مضبوط، مثبت اور قابل عمل ہے۔ حضرات! یہ پالیسی اس بات کی ضامن ہے کہ ملکی سرحدوں کے اندر ترکیہ کی زندگی اور آزادی قائم رہ سکے۔ ترکیہ کی قومی اسمبلی قوم کی جو خدمت

انجام دے رہی ہے وہ اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتی - وہ سبز باغ دکھانا پسند نہیں کرتی بلکہ حقیقت پسند ہے - اسمبلی اور اس کی حکومت حقیقتوں کو ٹھیک ٹھیک دیکھتی ہیں اور اسی کے مطابق قانون وضع کرتی ہیں -"

یہ وضاحت کر کے مصطفیٰ کمال نے پان اسلامزم اور پان تورانزم کے طریقۂ کار کی وضاحت کی اور آن مصائب کا اشارہ کیا جو ان تحریکوں نے ترکیہ پر نازل کیے تھے - یہ بھی کہا کہ ہمارے مقاصد کی حدود معین ہونی چاہییں - ہماری قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ آزادانہ زندگی بسر کرے ، اور یہ مقدس مقصد ایسا ہے کہ ہم اس پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں -

اس اثنا میں انقرہ میں کچھ نئی سیاسی تحریکیں شروع ہوگئیں - ۱۳- دسمبر ۱۹۲۱ع کو مملکت یوکرین کا ایک وفد انقرہ میں آیا اور دونوں ملکوں کے مذاکرات شروع ہوگئے - ۲ جنوری ۱۹۲۲ع کو انقرہ میں عظیم ترکی قومی اسمبلی کی حکومت اور جمہوریۂ سوویٹ یوکرین کی حکومت کے مابین دوستانہ معاہدے پر دستخط ہو گئے - چند روز بعد ۷- جنوری ۱۹۲۲ع کو بخارا کا ایک وفد غازی مصطفیٰ کمال کی خدمت میں حاضر ہوا -

۴ جنوری کو حزب مخالف کے نمائندوں نے اعتراض کیا کہ کمانڈر انچیف کا مسلسل انقرہ میں پڑے رہنا مناسب نہیں - غازی مصطفیٰ کمال نے ان اعتراضات کے جواب میں یہ وضاحت کی کہ کمانڈر انچیف اور چیف آف جنرل سٹاف کے لیے انقرہ ہی موزوں جگہ ہے ، نیز یہ کہ اس بات کا فیصلہ میں ہی کر سکتا ہوں کہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں مجھے کب اور کس طرف سفر کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے - غازی موصوف کے طرز عمل پر بھی نکتہ چینی کی گئی اور اسمبلی میں نیز اسمبلی سے باہر ان کے نکتہ چینوں نے نفرت پھیلائی - بلکہ فوج میں بھی یہ کہہ کر بددلی پھیلائی گئی کہ معلوم نہیں غازی مصطفیٰ کمال قوم کو کہاں لے جا رہے

ہیں ۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود عظیم قومی اسمبلی نے غازی مصطفیٰ کمال کو مزید تین ماہ کے لیے کمانڈر انچیف کے اختیارات دے دیے ۔

یکم مارچ ۱۹۲۲ء کو عظیم ترکی قومی اسمبلی نے اپنی کارگزاری کا تیسرا سال شروع کیا ۔ غازی نے اپنی سالانہ تقریر کی ۔ ملک کی فوجی ، سیاسی اور اقتصادی صورتِ حال کی تفصیل بیان کی اور کہا :

"ترکیہ کی اصلی طاقت اس کے کسان ہیں جو ملک کے لیے غذا پیدا کرتے ہیں ۔ وہ خوشحالی ، مسرت اور راحت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں ۔ قومی اسمبلی کی پالیسی کا نصب العین یہ ہے کہ انھیں یہ چیزیں مہیا کی جائیں ۔" غازی موصوف نے اعلان کیا کہ "مجھے فتح کامل کا پورا یقین ہے ۔"

ان کی تقریر کا خاتمہ ایک شعر پر ہوا جس کا مفہوم یہ ہے :

"وطن عزیز کبھی فنا نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض اسے موت آئی تو اس کا تابوت اتنا وزنی ہوگا کہ دنیا اسے اٹھانے سے عاجز ہوگی ۔"

۴ مارچ ۱۹۲۲ء کو غازی مصطفیٰ کمال نے قومی اسمبلی کے خفیہ اجلاس سے خطاب کیا ۔ انھوں نے یہ تقریر محاذ جنگ کے معائنے پر جانے سے پہلے کی ۔ دشمن پر حملہ نہ کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا :

"ہماری فوجیں حملے کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نے حملے کو اس لیے ملتوی کر رکھا ہے کہ ہمیں تیاری کے لیے کچھ اور وقت چاہیے ۔ ادھوری تیاری اور نامکمل ساز و سامان سے حملہ کرنا غلط ہے ۔ اگر ہم تامل کر رہے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہ نکالیے کہ ہم نے یلغار کا ارادہ ترک کر دیا ہے ۔ اگر ہم آزاد و خود مختار زندگی بسر کرنے کے خواہش مند ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اول سے آخر تک اپنے تمام وسائل جمع کر کے دشمن سے جنگ کریں اور اسے شکست دیں ۔ ہمیں

اُن افواہوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے جن سے ہمارے عزم میں خلل پڑے ۔ اگر اغیار آپ کو بہکاتے ہیں کہ موجودہ صورت حال میں فوج ، جنگ اور عزم و حوصلہ سب لغو اور بے کار چیزیں ہیں تو آپ ان کی طرف کان نہ لگائیں ورنہ ترکیہ کو ہرگز آزادی نصیب نہ ہو گی ۔ تاریخ میں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں جو یہ ثابت کر سکے کہ کسی قوم کا عزم و حوصلہ اور جنگی تیاری بیکار ثابت ہوئی ہو ۔

''اگر ترکیہ کی حالت کچھ خراب ہو گئی ہے یا اگر ترقی کی دوڑ میں یہ ملک ہرصدی ، ہر روز اور ہر ساعت کچھ پیچھے رہ جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری یقیناً انھی غلط اندیش لوگوں پر ہے ۔ خوف اور کمزوری سے اخلاقی اور مادی زوال پیدا ہوتا ہے ۔ کمزور اور بزدل آدمی مصیبت کے وقت قوم کو ناکارہ اور پست ہمت بنا دیتے ہیں ۔ کمزوری اور تذبذب کے احساس سے انسان خود اپنے آپ کو ذلیل سمجھنے لگتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ذلیل ہیں ، ہم کبھی معزز نہیں ہو سکتے جب تک کہ کوئی اور ہماری مدد نہ کرے، للهذا بہتر یہی ہے کہ ہم غیرمشروط طور پر اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیں ۔

''اس قسم کے پست ہمت آدمی قوم کو غلط راستے پر بلکہ ہلاکت اور تباہی کی وادی میں لے جا رہے ہیں ۔ ضرورت ہے کہ ترکیہ کو ان لوگوں کے چنگل سے آزاد کیا جائے ۔ علاوہ ازیں ایک اور حقیقت بے نقاب ہوئی ہے اور ہمیں اسے تسلیم کرنا چاہیے ۔ وہ یہ ہے کہ ترکیہ کے فکر و خیال کے سرچشموں میں یقین و ایمان کا آب حیات ڈالنا ضروری ہے ۔ قوم کا حوصلہ بلند رکھنا لازم ہے ۔"

اس کے بعد مصطفیٰ کمال نے یہ ضرورت واضح کی کہ فوج کو حملے کا حکم دینے سے پہلے مزید تیاری ضروری ہے ۔ لڑائی کے لیے

جو ہتھیار درکار ہیں ان کا ذکر غازی موصوف نے یوں کیا :

''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس تین ہتھیار بقدر ضرورت موجود ہوں ۔ ان میں سب سے پہلا ہتھیار خود قوم ہے ۔ یعنی قوم کے قلب و ضمیر میں آزادی کا ناقابل تسخیر عزم موجود ہو ۔ قوم کا یہ عزم جتنا راسخ ہوگا اور اس میں قوم جتنے پختہ ارادے کا اظہار کرے گی اتنا ہی مجھے اس بات کا یقین ہو گا کہ ہمارے ہاتھ میں دشمن کو شکست دینے کا زبردست ہتھیار موجود ہے ۔ دوسرا ہتھیار یہ ہے کہ اسمبلی جو قوم کی نمائندہ ہے ، اس بات کا پختہ ارادہ کر لے کہ وہ قوم کی خواہشات کا اظہار کرے گی اور اپنے فیصلے کے مطابق عمل کرے گی ۔ قوم کی خواہشات کا اظہار کرنے میں اسمبلی جتنی متحد اور متفق ہو گی ہمیں دشمن پر اتنی ہی برتری حاصل ہو گی ۔

"تیسرا ہتھیار ہماری فوج ہے جو اس ملک کے مسلح شہریوں پر مشتمل ہے اور دشمن کے رو برو چٹان بنی کھڑی ہے ۔

یہ تین ہتھیار اور تین طاقتیں جو ہمارے ہاتھ میں ہیں ، دشمن کے خلاف دو محاذوں پر استعمال کیے جائیں گے ۔ پہلا محاذ اندرونی ہے اور دوسرا بیرونی ۔ لیکن وہ محاذ جہاں قسمت کا فیصلہ ہو گا اندرونی محاذ ہی ہے ۔ یہ محاذ ہمارے پورے ملک اور ہمارے عوام کا ہے ۔ دوسرا بیرونی محاذ میدان جنگ ہے جسے فوج دشمن کے مقابلے پر سنبھالتی ہے ۔ اس محاذ پر ہمیں شکست بھی ہو جائے تو کوئی پروا نہیں ۔ اس محاذ کے بدلنے یا خراب ہونے سے کوئی قوم ہرگز تباہ نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اگر خدا نخواستہ اندرونی محاذ پر ابتری پھیل جائے تو ملک کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور عوام غلام بن جاتے ہیں ۔ اس حقیقت کو ہمارے دشمن ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں ۔ وہ صدیوں سے اس محاذ کو تباہ کر رہے ہیں ۔ اب تک انہیں

کامیابی ہوتی رہی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی قلعے پر قبضہ کرنے کے لیے باہر سے حملہ کرنے کے بجائے یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے کہ غدار اشخاص اندر سے اس کے پھاٹک کھول دیں ۔ جب تک ہماری اسمبلی کے ارکان کی ذہنیت سے ، افعال سے اور فیصلوں سے دشمن کا حوصلہ نہ بڑھے ، اندرونی اور بیرونی دونوں محاذ مضبوط رہیں گے ۔ لیکن اگر اسمبلی میں تفرقہ پڑ جائے تو دشمن کی امیدیں سرسبز ہو جائیں گی اور قومی مقاصد کی تکمیل ملتوی رہے گی ۔"

اتنا کہہ کر مصطفیٰ کمال نے اسمبلی کے ارکان سے کہا کہ جن دنوں میں محاذ جنگ پر موجود ہوں ، آپ صاحبان کو لازم ہے کہ ایسے بحث مباحثے سے پرہیز کریں جس سے فوج کا حوصلہ پست ہو جائے ۔ اسی شام موصوف محاذ کی طرف روانہ ہو گئے ۔

انھی دنوں جب آخری فتح مندانہ حملے کے لیے تیاریاں ہو رہی تھیں ، غازی مصطفیٰ کمال نے وزیر خارجہ یوسف کمال کو یورپ بھیجا تا کہ اتحادی حکومتوں کے نظریات و احساسات کا اندازہ لگایا جا سکے (یہی یوسف کمال بعد میں "تنگیر شنک" کے لقب سے سینوپ کے ایم- پی- بنے) ۔ لندن اور پیرس میں یوسف کمال نے جو مذاکرات کیے ان سے کچھ نتیجہ نہ نکلا ۔ تاہم اتنا واضح ہو گیا کہ اتحادی حکومتوں کے وزرائے خارجہ بہت جلد مل کر ترکیہ کو صلح کی تجاویز پیش کریں گے ۔ نیز یہ کہ اگرچہ اصولی طور پر وہ اناطولیہ کو خالی کرنے کی حامی بھرلیں گے لیکن ساتھ ساتھ وہ یہ مطالبہ بھی کریں گے کہ ترکیہ یونان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرے تاکہ صلح کے مذاکرات کے درمیان میں دوبارہ جنگ نہ چھڑ جائے ۔

۲۲ مارچ ۱۹۲۲ع کو یوسف کمال کی واپسی سے پہلے ہی اتحادیوں کے وزرائے خارجہ نے ترکیہ اور یونان کی حکومتوں کے لیے ایک صلح نامہ تجویز کیا جس کی مندرجہ ذیل شرطیں تھیں :-

مقابل فوجوں کے درمیان دس کلومیٹر چوڑی پٹی قائم کرلی

جائے - فوجی دستوں کو سپاہیوں یا سامان جنگ کی کمک نہ دی جائے - فوجوں کو دوبارہ مورچہ بند نہ کیا جائے - ترکی فوج اور اس کے مورچوں پر اتحادیوں کے مقرر کردہ فوجی کمیشن کی نگرانی اور نظم و ضبط ہوگا - ان کمیشنوں کے ثالثی کے فیصلے نیک نیتی کے ساتھ تسلیم کیے جائیں گے - جنگ بندی کی میعاد تین ماہ ہوگی -

یونانی افواج جو سقاریہ کی جنگ میں شکست کھا کر پسپا اور بے ترتیب ہو چکی تھیں ، ترتیب اور تنظیم کی محتاج تھیں ، لٰہذا یونانیوں نے جنگ بندی کی شرائط فوراً تسلیم کرلیں - مصطفیٰ کمال نے بھانپ لیا کہ ان تجاویز کا مقصد یہ ہے کہ ترکی فوج کی وضع کو خراب کر دیا جائے - تاہم انھوں نے قرین مصلحت یہی سمجھا کہ ان تجاویز کو نا منظور نہ کیا جائے - انھوں نے جنگ بندی کی تجاویز کو اصولاً قبول کر لینا اس لیے بہتر سمجھا کہ اگر یہ تجاویز بروئے کار نہ آسکیں تو ان کی اخلاقی ذمہ داری اتحادیوں پر عائد ہوگی - اس موقع پر ترکیہ کی قومی اسمبلی بھی جنگ بندی کی جوابی شرطیں تجویز کر رہی تھی - اتنے میں ۲۶ مارچ ۱۹۲۲ء کو پیرس میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس سے ایک تجویز وصول ہوئی جس میں صلح کے مندرجہ ذیل اصول درج تھے :-

ترکیہ اور یونان میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مجلس اقوام کے زیر ہدایت قوانین وضع کیے جائیں گے -

اہل آرمینیا کے لیے ترکیہ کے مشرق میں ایک قومی ریاست بنائی جائے گی - یہ کام بھی مجلس اقوام کے زیر نگرانی ہوگا -

آبنائے باسفورس ہر قوم کے لیے کھلی رہے گی - جزیرہ نمائے گیلی پولی سمیت آبنائے کے آس پاس کے سارے علاقے سے فوجیں ہٹائی جائیں گی -

تھریس میں سرحدیں اس طرح قائم کی جائیں گی کہ تکیر داغ ترکیہ میں شامل رہے گا اور قرقلرایلی ، بابا اسکی اور ادرنہ یونان کی

حدود میں آئیں گے ۔

ازمیر ترکیہ میں شامل ہوگا اور ادرنہ یونان میں، لیکن ازمیر کے یونانیوں کو اور ادرنہ کے ترکوں کو ان شہروں کی حکومت میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے گا ۔

صلح نامے پر دستخط ہو جانے کے بعد اتحادی استنبول کو خالی کر دیں گے ۔

ترک فوج کی تعداد جو صلح نامہ ''سہ ور'' میں پچاس ہزار مقرر کی گئی تھی ، اب بڑھا کر پچاسی ہزار مقرر کی جاتی ہے ۔

مالیاتی نظم و ضبط نیز عثمانی قرضہ جات کے قواعد اور معاہدات کی ترمیم کے لیے کمیشن قائم کیے جائیں گے ۔

یہ تجاویز معاہدۂ ''سہ ور'' کو منسوخ نہیں کرتی تھیں بلکہ محض ترامیم کا حکم رکھتی تھیں ۔ اس کے برعکس ترکیہ کی قومی حکومت چاہتی تھی کہ معاہدۂ سہ ور کو قطعاً منسوخ کر دیا جائے ۔ اس غرض سے ترکیہ کی قومی اسمبلی کی حکومت نے مصطفیٰ کمال سے عین محاذِ جنگ پر رابطہ قائم کر کے ۵ اپریل ۱۹۲۲ع کو یہ مطالبہ کیا کہ صلح کی اولین شرط کے بطور اناطولیہ کو خالی کردیا جائے ۔ ۲۲ اپریل کو حکومت ترکیہ نے یہ تجویز کی کہ جنگ بندی کے متعلق جو اختلافات ہیں وہ اپنی جگہ سہی لیکن صلح کی گفت و شنید جاری رکھنے کے لیے ایزمیت میں ایک کانفرنس کی جائے ۔ اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا ۔ غازی مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ صلح کے مذاکرات سے کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلے گا ۔ للہذا ادھر مذاکرات جاری تھے ، آدھر وہ نہایت احتیاط کے ساتھ بڑے پیمانے پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے ۔

۵ مئی ۱۹۲۲ع کو قومی اسمبلی میں ایک اور بل پیش ہوا کہ مصطفیٰ کمال کو بحیثیت کمانڈر انچیف اختیارات کی مزید توسیع دی جائے ۔ لیکن اسے اکثریت کی تائید حاصل نہ ہو سکی ۔ غازی مصطفیٰ کمال انقرہ میں اپنے گھر بیمار پڑے تھے ۔ وہیں انھیں یہ خبر

ملی - اس کے یہ معنی تھے کہ اسمبلی کے فیصلے کے بعد فوج کا کمانڈر انچیف کوئی نہ تھا - چیف آف جنرل سٹاف اور وزرائے حکومت نے استعفا دے دینے کی دھمکیاں دیں - اگر یہ لوگ استعفا دے دیتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ملک کے انتظام میں سخت خلل پڑ جاتا - مصطفیٰ کمال نے اپنے رفیقوں سے کہا کہ آپ صاحبان چوبیس گھنٹے تک انتظار کریں - میں ملک کے مفادات کے پیش نظر بحیثیت کمانڈر انچیف کام کرتا رہوں گا -

اگلے روز ۶ مئی ۱۹۲۲ء کو عظیم قومی اسمبلی کا خفیہ اجلاس ہوا - مصطفیٰ کمال نے ایک بیان دیا جس میں یہ وضاحت کی کہ :

"جب سے میرے کمانڈرانچیف مقرر ہونے کا قانون پیش ہوا تھا بعض اشخاص اس پر مسلسل اعتراض کر رہے ہیں - مجھے کسی قیمت پر یہ منظور نہیں کہ کسی غیرضروری عہدے یا غیر ضروری اختیار پر قابض رہوں - میں ایسے قوانین کو بھی پسند نہیں کرتا جن کے بموجب کسی شخص کو ناقابل مواخذہ اختیارات عطا کر دیے جائیں -"

اتنا کہہ کر موصوف نے تفصیل کے ساتھ اُن وجوہ کا بیان کیا جن کے بموجب کمانڈر انچیف کا عہدہ قائم رہنا ضروری تھا - آپ نے فرمایا کہ:

"کل جس وقت اسمبلی نے اس عہدے کے خلاف ووٹ دیا ، میں نے اسی لمحے اسے چھوڑ دینے کا قصد کر لیا تھا لیکن مجھے احساس ہے کہ قوم کو ناقابل تلافی مصائب سے بچانا میری ذمہ داری ہے- مناسب نہیں کہ فوج کو اس حال میں سردار کے بغیر چھوڑ دیا جائے جب کہ دشمن سر پر کھڑا ہے- اسی لیے میں نے اسے نہیں چھوڑا - میں اسے اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا اور نہ چھوڑوں گا -"

اس تقریر میں مصطفیٰ کمال نے صاف کہہ دیا کہ سیاسی رقابت اور ہوس کے تحت میرے خلاف جو فیصلے کیے جائیں گے ، اُن سے دب کر میں ہرگز مادرِ وطن کی خدمت سے ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا -

بہت طولانی بلکہ طوفانی بحث مباحثوں کے بعد اسمبلی نے چوتھی بار پھر تین ماہ کی مدت کے لیے غازی مصطفیٰ کمال کو کمانڈر انچیف مقرر کر دیا - اس مباحثے میں ۱۷۷ ووٹ موصوف کی حمایت میں تھے، ۱۱ ووٹ خلاف تھے اور ۱۵ غیرجانبدار -

عین اس موقع پر یونان کی حکومت میں بعض تغیر و تبدل ہوئے- یونانی کمانڈر انچیف کو تبدیل کردیا گیا - استنبول پر یونان کے قبضے کے متعلق مباحثہ ہوا - ساتھ ساتھ یونانیوں نے اناطولیہ کی آبادی پر اپنے مظالم اور بڑھا دیے - ۷ جون ۱۹۲۲ع کو یونانی جہاز "ایوروف" نے بحیرۂ اسود میں داخل ہو کر صامسون کے کھلے شہر پرگولہ باری کی- چند روز بعد ۱۸ جون ۱۹۲۲ع کو ایک فرانسیسی مصنف کلاڈ فیریر جو ترکیہ کی سیاحت کے لیے آیا تھا ، ابزمیت (ازمید) میں مصطفیٰ کمال سے ملا - موصوف نے اُس کے سامنے ترکیہ کے جہادآزادی کی وضاحت کی اور اُسے آطہ پازاری کے مقام تک اپنے ہمرکاب لے گئے تا کہ وہ ترکوں کی فتح کی تیاریوں کو دیکھے اور اس جوش و خروش کا مشاہدہ کرے جو ترک قوم کے دل میں اپنے قومی مقصد کی تائید کے لیے موجزن تھا -

اُن دنوں مصطفیٰ کمال اپنے ذہن میں آخری فتح کا نقشہ تیار کر چکے تھے - اپنی عظیم تقریر میں انھوں نے اپنے فیصلوں کا بیان حسبِ ذیل الفاظ میں کیا :

"اس تمام مدت میں مجھے اس بات کا یقین تھا کہ جب تک دشمن کو بہ زورِ شمشیر ملک کی سرحد سے نہ دھکیل دیا جائے اور جب تک یہ نہ ثابت کردیا جائے کہ ہم بہ زورِ بازو اُسے اپنی سرحدوں سے اٹھا کر پھینک دینے کی سکت رکھتے ہیں ، سیاسی گفت و شنید سے فائدہ حاصل کرنے کی اُمیدیں باطل ہیں - آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا - یہ ایک حقیقت ہے اور قوموں کی طرح افراد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں جب تک کوئی

قوم یا فرد اپنی کارگزاریوں سے اپنی طاقت کا لوہا نہ منوا لے، اُسے دوسروں سے احترام یا لحاظ کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے۔ کمزور، نالائق انسان یا قوم کے ساتھ کوئی بھی شفقت نہیں کرتا۔ انصاف، انسانیت اور جواں مردی کی بارگاہ میں اُنھی لوگوں کی گزارش سنی جائے گی جو طاقتور اور لائق ہوں۔ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ صدیوں بعد ترک قوم اب ایسی آزمائش میں مبتلا ہوئی ہے جو تمام سابقہ آزمائشوں سے زیادہ سخت ہے۔ اس امتحان میں کامیاب ہوئے بغیر ہم دوسری قوموں سے مہربانی کی اُمید نہیں رکھ سکتے۔"

یہ اس طرزِ عمل ہی کی برکت تھی کہ فوجی تیاریاں زور شور سے کی گئیں اور فوج میں جو کوتاہیاں تھیں اُن کا تدارک کرلیا گیا۔ وسطِ جون میں کمانڈر انچیف نے حملے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کا اظہار انھوں نے سب سے پہلے جن لوگوں سے کیا وہ مغربی محاذ کی افواج کے کمان‌دار عصمت پاشا، چیف آف جنرل سٹاف فوزی پاشا اور وزیرِ دفاع کاظم پاشا تھے جو بعد ازاں جنرل کاظم اورآلپ اور نمائندہ بالیکسر بنے۔ حملے کی آخری تیاریوں پر بحث کی گئی اور فوری فیصلے کیے گئے۔ سقاریہ کے خونریز معرکے کے بعد یونانیوں نے آفیون،قرہ حصار اور دوملو پیکار کے علاقے میں اپنی کارآزمودہ، طاقتور فوج کو مورچہ بند کر دیا تھا۔ اسکی شہر کے گرد و نواح میں ایک اور فوج متعین تھی۔ دونوں فوجوں کے درمیان میں محفوظ فوج خیمہ زن تھی۔ غنیم کے لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) کی تقویت کے لیے میندرلاس کے مقام پر مزید فوجیں موجود تھیں اور میسرہ کی مدد کے لیے ایزنیق جھیل(نیجے) کے کنارے شمالاً جنوباً یونانی فوجیں صف آرا تھیں۔ غرض دشمن کی پوری جمعیت پندرہ ڈویژن تھی۔ مغربی محاذ پر ترکی لشکر دو فوجوں کی شکل میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اس میں اٹھارہ پیدل ڈویژن، تین ڈویژن پر مشتمل ایک سوار فوج اور دو محفوظ ڈویژن شامل تھے۔ غنیم کے پاس مشین گنوں، توپوں،

ہوائی جہازوں ، ذرائع نقل و حمل ، گولے بارود اور سائنسی ساز و سامان کے بے انتہا ذخیرے تھے کیونکہ دنیا کے تمام مادی ذرائع اس کی دسترس میں تھے۔ اس کے جواب میں ترکوں کے سوار دستوں کی تعداد زیادہ تھی۔

غازی مصطفیٰ کمال کا منصوبہ یہ تھا کہ غنیم کے ایک بازو پر بلکہ جہاں ممکن ہو بازو کے ادھر آدھر ترک فوج کا کثیر حصہ جمع کر دیا جائے۔ پھر اس طرح یلغار کی جائے کہ دشمن نیست و نابود ہوجائے۔ لٰہذا یہ طے ہوا کہ یلغار کا مرکزی زور غنیم کے دائیں بازو کے جنوبی حصے پر بہ مقام آفیون ، قرہ حصار نیز آقار چای اور دملو پنار (دوملو پیکار) کے علاقے پر ڈال دیا جائے۔ ان کمزور مقامات پر پھرتی سے فیصلہ کن حملہ کر کے تھوڑی سی دیر میں غنیم کو نیست و نابود کر دینا ممکن تھا۔ اس لڑائی کے لیے مغربی محاذ کے کمانداد عصمت پاشا اور چیف آف جنرل سٹاف فوزی پاشا نے صورت حال کا اساسی مطالعہ کر لیا تھا۔

مصطفیٰ کمال کو آخری مرتبہ کمانڈر انچیف کی حیثیت سے تین ماہ کی جو توسیع ملی تھی وہ اس عرصے میں ختم ہونے کو تھی۔ اب جب کہ وہ ایک نہایت اہم معرکے پر ہاتھ ڈالنے والے تھے، اگر قانون کی عطا کردہ یہ توسیع ختم ہوجاتی تو معاملہ بے حد نازک ہو جاتا۔ تاہم ارکان اسمبلی کو اس حقیقت کا احساس ہو چکا تھا کہ مصطفیٰ کمال کو کمانڈر انچیف کی حیثیت سے جو غیر معمولی اختیارات دیے گئے ہیں وہ ان کا استعمال انتہائی احتیاط سے کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ اسمبلی نے موصوف کو یہ عہدہ محض اس لیے دیا ہے کہ جنگ آزادی کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہو۔ غرض ۲۰ جولائی ۱۹۲۲ء کو حکومت نے پھر ایک بل اسمبلی میں پیش کیا کہ بہ حیثیت کمانڈر انچیف موصوف کے اختیارات میں توسیع کی جائے۔ اس سلسلے میں موصوف نے حسب ذیل بیان دیا:

"اب ترک فوج ہر لحاظ سے اتنی مضبوط اور مستعد ہے کہ ہمارے نصب العین کو حاصل کر لے۔ کسی غیر معمولی اقدام

کی حاجت باقی نہیں رہی - لہٰذا مجھے یقین ہے کہ میرے غیر معمولی اختیارات میں توسیع کی اب کوئی ضرورت باقی نہیں ہے - مجھے خوشی ہے کہ توسیع کی ضرورت ختم ہو گئی ، اور اگر مستقبل میں بھی اس کی ضرورت پیش نہ آئے تو مجھے اور خوشی ہوگی - جہاں تک کمانڈر انچیف کے عہدے کا تعلق ہے یہ بھی زیادہ سے زیادہ اس وقت تک ضروری ہے جب تک کہ ہم 'میثاق ملی' کے حقیقی مفہوم کے مطابق اپنا آخری نصب‌العین حاصل نہ کر لیں - کچھ شک نہیں کہ ہم یہ خوش آئند مقصد حاصل کر لیں گے -

"حضرات ! وہ دن قریب ہے جب ہم اپنے بیش قیمت شہر ازمیر کو ، خوب صورت بروسہ کو ، شاندار استنبول کو اور تھریس کو دوبارہ وطن عزیز کی سرحد میں شامل کر لیں گے - جس روز یہ کامیابی حاصل ہوگی اس روز گویا ہماری قوم کے حسین ترین خوابوں کی تعبیر مل جائے گی - لیکن اس روز میری مسرت کی ایک اور وجہ بھی ہوگی - وہ یہ کہ اس روز میں کمانڈر انچیف جیسے عہدے کا کروفر ترک کر کے پھر اسی مقام پر آجاؤں گا جہاں میں مقدس جہاد کے آغاز میں تھا - انسان کے لیے اس سے زیادہ خوشی کا محل اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک آزاد فرد کی حیثیت سے قوم کی صفوں میں جگہ پائے - حقیقت میں حق شناس لوگ جن کی خوشیاں فقط روحانی اور پاکیزہ مقاصد سے وابستہ ہوتی ہیں ، دنیوی جاہ و جلال کو نظر میں نہیں لاتے -"

اس بیان سے متاثر ہو کر اسمبلی نے توسیع کا قانون پھر منظور کیا لیکن اس مرتبہ کسی میعاد کی قید مطلق نہیں لگائی - اس کے یہ معنی تھے کہ اسمبلی نے اس اعتماد کا اظہار کر دیا جو قوم

کو مصطفیٰ کمال کی ذات پر تھا اور قوم کی قسمت کو بے تامل ان کے زبردست ہاتھ میں دے دیا ۔ (اسمبلی کا یہ قانون صرف اس وقت ختم ہوا جب ۲۰ اپریل ۱۹۲۴ع کو قومی آئین قانون نمبر ۴۹۱ کی صورت میں منظور ہو گیا ۔

باب ۱۱

فتح مند سپہ سالار اور ترکیہ کا نجات دہندہ — مصطفیٰ کمال

قومی اسمبلی کے اعتماد کا یہ مظاہرہ دیکھ کر غازی مصطفیٰ کمال ۲۱ جولائی ۱۹۲۲ء کو فوجی تیاریوں کا معائنہ کرنے کے لیے انقرہ سے روانہ ہو گئے ۔ ایک قدرتی بہانہ یہ نکل آیا کہ برطانوی جرنیل ٹاؤن سینڈ غازی موصوف سے ملنے کے لیے قونیہ میں آ پہنچا تھا ۔ مصطفیٰ کمال پہلے تو محاذ کے جنرل ہیڈ کوارٹر بہ مقام آق شہر تشریف لے گئے ۔ وہاں انھوں نے عصمت پاشا سے حملے کے منصوبے کے متعلق بحث کی پھر مزید غور و خوض کے لیے چیف آف جنرل سٹاف سے ملنے کے لیے روانہ ہوگئے ۔

بہ تاریخ ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء موصوف نے جنرل ٹاؤن سینڈ سے ملاقات کی ۔ یہ برطانوی جرنیل جس نے پہلی جنگ عظیم میں بڑی ناموری حاصل کی تھی ، مصطفیٰ کمال سے مل کر ان کا دلدادہ ہوگیا ۔ ملاقات کے بعد اس نے بیان کیا کہ :

"اب تک میں پندرہ فرماں رواؤں سے ، جن میں صدر بھی تھے اور بادشاہ بھی ، سرکاری اور نجی طور پر بحث و تمحیص کر چکا ہوں ۔ مجھے یاد نہیں کہ کسی نے بھی مجھے مرعوب کیا ہو ۔ لیکن مصطفیٰ کمال میں جو شوکت و سطوت ہے وہ ان کے روحانی جلال کا کرشمہ معلوم ہوتی ہے ۔"

یہ الفاظ مصطفیٰ کمال کی غیر معمولی شخصیت کے مسحور کن اثر کا بے تکلفانہ بیان ہیں ۔

۲۷ جولائی کو مصطفیٰ کمال آق شہر واپس پہنچے ۔ ۲۷ ، ۲۸ جولائی کی درمیانی شب میں انھوں نے عصمت پاشا اور فوزی پاشا سے حملے کے منصوبے پر پھر بحث کی اور یہ طے پایا کہ ۱۵ اگست

تک حملے کی تمام تیاریاں مکمل کر لی جائیں - ۲۸ جولائی ۱۹۲۲ع بروز جمعہ بعد ظہر فوجوں کے سالار اور بعض کور کمانڈر آق شہر میں مدعو کیے گئے - بہ ظاہر انھیں مختلف فوجی دستوں کا فٹ بال میچ دیکھنے کے بہانے بلایا گیا تھا - اس رات مصطفٰی کمال نے کمان داروں کو حملے کے منصوبے کا عمومی خاکہ سمجھایا - ۳۰ جولائی کو مغربی محاذ کے سپہ سالار نیز چیف آف جنرل سٹاف سے پھر ملاقات کی اور حملے کے داؤ پیچ کی تفصیلات طے پائیں - وزیر دفاع کو بھی آق شہر میں طلب کیا گیا اور یکم اگست ۱۹۲۲ع کو ان سے یہ بحث و تمحیص ہوئی کہ آخری حملے کی تیاریوں میں ان کی وزارت کیا حصہ لے گی - انقرہ واپس آنے سے پہلے مصطفٰی کمال نے ان سب اشخاص کو ہدایت کر دی کہ یہ تیاریاں انتہائی پھرتی سے کی جائیں - ٦ اگست ۱۹۲۲ع کو مغربی محاذ کے کماندار عصمت پاشا نے فوجوں کو خفیہ حکم جاری کر دیا کہ حملے کے لیے تیار ہو جاؤ -

انقرہ واپس آ کر مصطفٰی کمال نے کابینہ کو اپنے فیصلے کی اطلاع دی - قومی اسمبلی میں ان کے مخالفوں نے تخریبی افواہیں پھیلا کر نمائندوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا - ان کی افواہوں کا مضمون یہ تھا کہ فوج درہم برہم ہو چکی ہے اور اس میں کسی نئے اقدام یا حملے کی صلاحیت نہیں ہے - ان کا بیان تھا کہ اندھیرے میں قدم بڑھانے کا نتیجہ تباہی کے سوا اور کچھ نہیں - اس جادو کو باطل کرنے کے لیے مصطفٰی کمال نے بہت سے نمائندوں کو اپنا راز دار بنا کر انھیں بہ صیغۂ راز یہ بتایا کہ فوج حملے کے لیے تیار کھڑی ہے اور یقیناً ہم چھ سات دن میں غنیم کی فوج کو شکست فاش دے دیں گے -

چند روز بعد مصطفٰی کمال کار میں بیٹھ کر انقرہ سے اس طرح روانہ ہوئے کہ بجز معدودے چند معتمد اشخاص کے اور کسی کو اس بات کی ہوا تک نہ آئی - لیکن جن اشخاص کو یہ خبر تھی

وہ بھی اپنے طرز عمل سے یہی ظاہر کرتے رہے کہ موصوف انقرہ میں ہیں ۔ ان لوگوں نے اخباری نمائندوں کو یہی بتایا کہ غازی موصوف ۲۱ اگست کو انقرہ میں اپنے گھر پر چائے کی دعوت دیں گے۔ ۲۰ اگست کو موصوف آق شہر میں مغربی محاذ کے ہیڈ کوارٹر پر جا پہنچے اور مختصر سی بحث کے بعد حکم دیا کہ ہفتے کی صبح کو حملہ کر دیا جائے ۔ ۲۰-۲۱ اگست کی درمیانی شب میں انھوں نے محاذ کے کمانڈار، چیف آف جنرل سٹاف اور نمبر ۱ و ۲ آرمی کے کمانداروں کو ایک نقشے پر حملے کا منصوبہ سمجھایا ۔ منصوبہ یہ تھا کہ دانؤ پیچ کے ساتھ اچانک یلغار کر دی جائے ۔ اس مقصد کے لیے یہ ضروری تھا کہ فوجوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا کام خفیہ طور پر ہو، اور فوج کی نقل و حرکت صرف رات کے وقت عمل میں آئے ۔ ۲۴ اگست کو کمانڈر انچیف کا ہیڈکوارٹر آق شہر سے قصبۂ شہود میں منتقل ہوا جو حملے کے محاذ کے عین عقب میں تھا ۔ اگلے روز مصطفیٰ کمال نے ہیڈ کوارٹر کے خیموں کو قوجہ تپہ کے جنوب مغرب میں منتقل کیا ۔ اس رات انھوں نے حکم دے دیا کہ اناطولیہ اور بیرونی دنیا کے مابین جو مواصلات کا سلسلہ ہے وہ آج رات یک قلم بند کر دیا جائے ۔ ۲۶ اگست ۱۹۲۲ع کو صبح کے ساڑھے پانچ بجے مصطفیٰ کمال، مغربی محاذ کا کماندار اور چیف آف جنرل سٹاف قوجہ تپہ کی پہاڑی پر تیار کھڑے تھے ۔ ترکی فوج کو حملے کے لیے حسب ذیل طریقے پر ترتیب دیا گیا تھا :-

ا ۔ نمبر ۱ آرمی جو بارہ پیدل اور تین سوار ڈویژنوں پر مشتمل تھی، آقار چای — آخور داغ کے علاقے سے شمال کی طرف یلغار کرے ۔

ب ۔ نمبر ۲ آرمی جو دو آرمی کور اور ایک سالم سوار ڈویژن پر مشتمل تھی، غنیم پر حملہ کرکے اسے نرغے میں لے لے ۔

ج ۔ سوار آرمی کور جو تین ڈویژنوں پر مشتمل تھی، آخور داغ سے مشرق کی طرف کے علاقے میں بڑھ جائے اور غنیم کے

بازو اور عقبی حصے پر ضرب لگائے۔

یہ منصوبہ تیار ہو جانے کے بعد اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ حملے کے جواب میں غنیم کیا کارروائی کرے گا اور یہ طے پایا کہ کسی حال میں بھی کسی دستے کو مرکوز فوج سے جدا نہ کیا جائے گا۔ آق شہر۔ آقار چای تک کا محاذ جو ایک سو تیس کیلومیٹر لمبا تھا، پانچ پیدل ڈویژنوں، ایک آزاد دستے اور ایک سوار ڈویژن کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ چودہ ڈویژن آقار چای سے مغرب کی طرف جمع کر دیے گئے۔ مزید چھ ڈویژن فوج کو یہ حکم تھا کہ وہ اس علاقے سے یلغار کرے جو حملے کے مرکز سے عین مغرب میں واقع تھا تاکہ اس طرح غنیم پر یک لخت بیس ڈویژن ترکی فوج کا دباؤ آپڑے۔

حملے کا آغاز توپ خانے کی گولہ باری سے ہوا۔ اس کے بعد پیدل فوج نے حملہ کیا۔ بہت جلد یونانیوں کی لائن میں شگاف پڑ گئے۔ ۲۶ اور ۲۷ اگست کی جنگ میں غنیم کی وہ مضبوط مورچہ بندیاں جو آفیون اور قرہ حصار سے پچاس کیلومیٹر جنوب کو اور بیس سے تیس میٹر تک مشرق میں تھیں، توڑ دی گئیں۔ دشمن اس حملے سے شمال کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ اصلحانلر کے قریب یونانی سپاہیوں کو سخت شکست ہوئی۔ فوج کا بڑا حصہ ترکوں کے نرغے میں آ گیا، ان میں سے بیشتر یا تو ملک عدم کو پہنچے یا گرفتار ہوئے۔ یہ خونریز معرکہ جو ۳۰ اگست کو ہوا، کمانڈر انچیف کا گھمسان کا معرکہ کہلاتا ہے۔ غازی موصوف محاذ کی فائرنگ لائن پر بیٹھے ہوئے اس لڑائی کی ہدایت بہ ذات خود کر رہے تھے۔ یونانی سپہ سالار جنرل ٹرنکولپس پہلے تو میدان جنگ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا، لیکن دو روز بعد اس نے اپنے آپ کو حراست میں دے دیا۔ مصطفیٰ کمال نے جس فیصلہ کن نتیجے کا خاکہ بنایا تھا وہ فقط پانچ دن میں ظہور پذیر ہو گیا۔

غرض بہت سے خطرات کے باوجود ایک دلیرانہ اور واضح طور پر تیار کردہ منصوبہ کامیابی سے پورا ہو گیا۔ فوجی داؤ پیچ کے

لحاظ سے اس منصوبے کا سب سے اہم حصہ یہ تھا کہ ترک فوجوں کو محاذ پر اس طرح جمع کر دیا جائے کہ دشمن کو پتا نہ چلنے پائے - یہ کام نہایت کامیابی سے انتہائی احتیاط کے ساتھ انجام دیا گیا - ترکوں کے حربی داؤ پیچ کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ حملہ اچانک کیا جائے - یہ کام بھی خوش اسلوبی سے انجام پا گیا - حملے کو پورے طور پر کامیاب بنانے میں بہت پیش بینی کا ثبوت دیا گیا ، یہاں تک کہ کمانڈر انچیف والی لڑائی بہ خیر و خوبی انجام پا گئی - اس وقت تک اس حملے کی شدت روز بروز بڑھ رہی تھی لیکن سرکاری اعلانات میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ فوجوں کی محض معمولی نقل و حرکت ہو رہی ہے - یہ احتیاط اس لیے تھی کہ کہیں غیر ملکی طاقتیں یونانی فوجوں کی مدد کے بہانے درمیان میں نہ کود پڑیں - حملے کا یہ نقشہ بنانے اور اسے تکمیل تک پہنچانے میں غازی مصطفیٰ کمال نے انتہائی لیاقت کا مظاہرہ کیا اور تاریخ عالم میں ایک لاجواب فتح کا باب تحریر کیا -

مصطفیٰ کمال نے اپنی عظیم تقریر میں اس فتح کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے احساسات اور خیالات کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کیا ہے : "یہ معرکہ جس کا ہر پہلو سوچ سمجھ کر ترتیب دیا گیا تھا ، اور جسے تیار کرنے ، ہدایت دینے ، اور فتح تک پہنچانے کے لحاظ سے ہم نے بہت ہی شاندار کامیابی حاصل کی ہے ، اس نے تاریخ کے صفحات پر ترکی فوج اور ترکی افسروں کی صلاحیت اور جاں بازی کا نقش قائم کر دیا ہے -

"یہ کامیابی ترک قوم کی آزادی اور خود مختاری کے نصب العین کی بڑی اہم یادگار ہے - مجھے یہ خیال کرکے ہمیشہ مسرت ہو گی کہ میں قوم کا ایک فرزند تھا اور اس فوج کا کمانڈر انچیف تھا جس نے اتنی بڑی فتح حاصل کی ہے -

"دشمن کا تعاقب بڑی سختی سے کیا گیا تا کہ وہ فوج جو کسی ترکیب سے بچ کر نکل گئی ہے ، دوبارہ جمع ہو کر مقابلہ

نہ کر سکے اور وہ یونانی فوج بھی مقابلے پر نہ آئے جو آق شہر سے پیچھے ہٹ گئی ہے -"

یکم ستمبر ۱۹۲۲ع کو کمانڈر انچیف غازی مصطفٰی کمال نے اس فتح کی خبر قوم کو اس اعلان سے دی جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"عظیم اور شریف ترک قوم کے نام !

ہمارا حملہ جو مغربی محاذ پر ۲۶ اگست ۱۹۲۲ع کو ہوا ، پانچ دن اور پانچ رات جاری رہا - آفیون، قرہ حصار، آلتون طاش اور دوملو پیکار کے درمیانی علاقے میں گھمسان کی لڑائی ہوئی - ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کی فوجوں کی بہادری، طاقت اور پھرتی کی بدولت یہ خداداد فتح حاصل ہوئی ہے - بے رحم اور مغرور یونانی فوج کا بڑا حصہ عبرتناک طریقے پر تباہ ہو گیا ہے - میں فخر کے ساتھ اپنی فوج کو قوم کے سامنے پیش کرتا ہوں - یہ وہ فوج ہے جس کی تنظیم ، ساز و سامان ، فتح و ظفر اور ناموری کا سارا راز اس بات میں مضمر ہے کہ قوم نے نہایت نیک نفسی اور اعتماد کے ساتھ اسے قائم رکھا ہے - فوج نے بھی ثابت کر دیا کہ قوم نے اس کے لیے جو کچھ قربانیاں دیں ، وہ اس کی مستحق تھی - سن رسیدہ جرنیلوں سے لے کر نوعمر سپاہی تک ، فوج کے ہر فرد کے دل میں، بس ایک جذبہ موج زن تھا ، وہ یہ کہ ہم فرض کی راہ میں جان دے دیں گے - میں نے میدان جنگ میں اس جذبے کا مشاہدہ بالکل قریب سے کیا ہے اور میں اپنی عظیم قوم کے سامنے اس کا اعلان کرتا ہوں - آج آپ ہماری اس جد و جہد کا نتیجہ دیکھ سکتے ہیں جو ساڑھے تین سال پہلے شروع ہوئی تھی - اس وقت میں نے اور میرے رفیقوں نے آپ کے سامنے اپنے ملک کی طاقت اور نصب العین کا اظہار کیا تھا - ہم نا قابل برداشت مشکلات سے گزر کر اس نصب العین تک پہنچے ہیں - تجربہ شاہد ہے کہ

جب کسی کوشش کی بنیاد قوم کی مرضی اور خواہش پر ہوتی ہے تو وہ کوشش کامیابی و مسرت سے ہم کنار ہوتی ہے - اب قوم کا مستقبل محفوظ ہے - یقیناً ہماری فوجِ ظفر موج مزید فتوحات حاصل کرے گی -

عظیم قومی اسمبلی کا صدر اور کمانڈر انچیف مصطفیٰ کمال -"

اس روز مصطفیٰ کمال نے فوج کے نام ایک حکمنامہ جاری کیا جس میں ترکوں کی جنگ آزادی کی اس فتح کی اہمیت ظاہر کرکے فوج کے نئے فرائض کا بیان کیا - حکمنامے کے الفاظ یہ تھے :-

"ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کی فوجوں کے نام :

آفیون ، قرہ حصار ، دملو پنار کی گھمسان کی لڑائی میں آپ نے نا قابل یقین مختصر مدت میں یونان کی سفاک و مغرور فوج کے ٹکڑے اڑا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ شریف اور عظیم ترک قوم نے آپ کے لیے جو قربانیاں دی تھیں، آپ اس کے مستحق تھے - ترک قوم جو ہم سب کی پشت پناہ ہے یہ سمجھنے میں حق بجانب ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہوچکا ہے - میدان جنگ میں آپ نے جو قربانیاں دی ہیں اور جس جنگی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے میں اسے بالکل قریب سے دیکھتا رہا ہوں - میرا فرض ہے اور میں یہ فرض ہمیشہ انجام دوں گا کہ جس شخص نے جانبازی و قربانی کا مظاہرہ کیا ہے اسے پہچانوں اور قوم کی طرف سے اس کو اعزاز و امتیاز (تمغے وغیرہ) عطا کروں - میں نے محاذ جنگ کے دفتر کو حکم دے دیا ہے کہ مستحق اشخاص کے نام مجھے بھیج دے - مجھے معلوم ہے کہ اناطولیہ میں ابھی اور لڑائیاں ہوں گی لہذا میں اپنے تمام رفیقوں سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میدان میں آگے بڑھتے رہیں اور اپنی جنگی صلاحیت اور جانبازی کے کارنامے دکھانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہیں۔

"میرے جانباز سپاہیو ! بحیرۂ روم کا ساحل تمہارا اولین

نصب العین ہے ۔ آگے بڑھو !

عظیم ترکی قومی اسمبلی کا صدر اور کمانڈرانچیف مصطفیٰ کمال"

جس وقت ترکی فوج ازمیر کی طرف بڑھ رہی تھی ، اتحادی حکومتوں نے جنگ بندی کے لیے اپنی شریفانہ خدمات پیش کیں ۔ غازی مصطفیٰ کمال نے بحیثیت کمانڈر انچیف ۵ ستمبر کو مجلس وزرا کے چیرمین کو اپنی رائے ان الفاظ میں لکھ بھیجی :

"اناطولیہ میں یونانی فوج کو شکست فاش دی جا چکی ہے ۔ اناطولیہ کے موضوع پر گفت و شنید کرنے کی مطلق حاجت نہیں ۔ البتہ تھریس کے متعلق جنگ بندی کے معاملے پر غور کیا جا سکتا ہے ۔ جنگ بندی کے مذاکرات اس شرط پر شروع کیے جا سکتے ہیں کہ ۱۰ ستمبر تک اس مقصد کے لیے باقاعدہ درخواست کی جائے ، نیز یہ وعدہ کیا جائے کہ جنگ بندی سے پندرہ روز کے اندر تھریس کی ۱۹۱۴ء والی سرحدیں قائم کر دی جائیں گی ۔ ہمارے جنگی قیدی پندرہ روز کے اندر ہمارے حوالے کر دیے جائیں اور بے تامل یہ وعدہ کیا جائے کہ یونانیوں نے اناطولیہ میں جو نقصانات کیے ہیں اُن کی تلافی کی جائے گی ۔"

جنگ بندی کے مذاکرات کی کوشش بیکار ثابت ہوئی کیونکہ ترکوں کی افواج قاہرہ نے نو دن کی مختصر مدت میں کمانڈر انچیف کے احکام کی تعمیل کر دکھائی یعنی ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء ہفتے کی صبح کو ازمیر کا شہر آزاد ہوا جس پر غنیم تقریباً ساڑھے تین سال سے قابض تھا ۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر ترکی جھنڈا پھر لہرانے لگا !

عظیم ترکی قومی اسمبلی نے ۸ جولائی ۱۹۲۰ء کو سوگ کی علامت کے بطور چیرمین کی نشست گاہ پر سیاہ کپڑا لپیٹ دیا تھا ، ۶ ستمبر ۱۹۲۲ء کو یہ دیکھ کر کہ ترکیہ کی مظفر و منصور فوجیں آخری فتح کی طرف گام زن ہیں اور ہر روز نئی کامیابیاں اُن کے قدم چوم رہی ہیں، اسمبلی نے فیصلہ کیا کہ اس سیاہ پوشش کو

ہٹا دیا جائے ۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۲ء کو سرشار اور پر جوش عوامی مظاہروں کے درمیان مصطفیٰ کمال کی سادہ سی موٹر کار ازمیر میں داخل ہوئی ۔ آن کے برابر میں چیف آف جنرل سٹاف امارشل فوزی (چقمق) بیٹھے تھے ۔

غازی مصطفیٰ کمال ساحل بحر پر جو "برنجی قورون" کے نام سے مشہور ہے ، "کرامر پیلیس" کے پاس ایک ڈاکٹر کے مکان میں مقیم ہوئے ۔ ۱۳ ستمبر کو دشمن نے حرکت مذبوحی کے بطور "کرامر پیلیس" ہوٹل میں آگ لگا دی ۔ اس پر مصطفیٰ کمال گوزتپہ میں ایک معزز شخص عشاق زادہ معمر بک نامی کے مکان میں منتقل ہو گئے ۔ اگلے روز موصوف نے قوم کے نام ایک اعلان جاری کیا جس میں فوج کی طرف سے مبارک باد تھی اور اس بات پر خاص زور دیا تھا کہ ترکوں کے جہاد آزادی کے سلسلے میں یہ فتح بے حد اہمیت رکھتی ہے ۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے :

"عظیم اور شریف ترک قوم کے نام !

ہماری فوج ظفر موج نے ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کی صبح کو ازمیر کا شہر اور شام کے وقت شہر بروسہ دشمن کے ہاتھوں سے نکال لیا ہے ۔ بحیرۂ روم کی موجیں ہماری فتح مندی کے نغموں کے ساتھ ہم آہنگ ہیں ۔

"گستاخ دشمن کی فوجیں ، اس کے سپہ سالار اور افسر جو ایشیا میں یونانی سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ کر میدان جنگ میں آئے تھے ، ترکی قومی اسمبلی کی فوجوں کے ہاتھ میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گرفتار ہیں ۔ کئی دن اور کئی رات تک یاس و حسرت کے عالم میں لڑنے اور ہر ممکن ذریعے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کے بعد ، یونانی کمانڈر انچیف جنرل ٹریکوپس نے بالآخر اپنے ہمرکاب جرنیلوں ، فوجی عملے اور بچی کھچی فوج سمیت ہتھیار ڈال دیے ہیں ۔

''شاہ یونان ہمارا قیدی نہیں ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ صرف خوشی کے موقع پر اپنی سپاہ و رعیت کا ساتھ دیتے ہیں - جب میدان جنگ میں تباہی پھیلتی ہے تو اس وقت انہیں صرف اپنے شاہی قصر میں پہنچنے کی فکر ہوتی ہے -

''یونانی فوجیں جو یورپ کے کارخانوں کے بنے ہوئے فولادی زرہ بکتروں اور ہتھیاروں سے لیس تھیں ، آج اناطولیہ کے کوہساروں میں منحوس ٹولیوں کی شکل میں منتشر پڑی ہیں - اُن کے افسر انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور وہ خوف و دہشت کے عالم میں اپنے جرائم کا احساس کرکرکے دیوانہ وار چیخیں مارتی پھرتی ہیں - بیشتر زخمی سپاہی درختوں کے نیچے بیکسی کے عالم میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں -

''دشمن کا تقریباً دو تہائی سامان جنگ ہمارے قبضے میں ہے - دشمن کے ایک لاکھ سے کہیں زیادہ سپاہی تلف ہوچکے ہیں - قیدی اس کے علاوہ ہیں - ترکی فوجوں کے متعلق مجھے سرکاری طور پر یہ اعلان کرنے دیجیے کہ ہمارے فقط دس ہزار سپاہیوں کا نقصان ہوا ہے جن میں سے تین چوتھائی صرف معمولی زخمی ہیں -

''عظیم ترک قوم ! ہماری فوجوں نے اپنی مہارت ، طاقت اور شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ دشمنوں کے قلب پر خوف و ہراس چھا گیا ہے اور دوستوں کا دل بڑھ گیا ہے - چودہ روز میں ترکی فوجوں نے غنیم کے زبردست لشکر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا ہے - وہ چار سو کلومیٹر تک دم لیے بغیر غنیم کا تعاقب کرتی چلی گئیں - انھوں نے اناطولیہ کے اس تمام علاقے کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے جسے دشمن نے دبا لیا تھا - یہ فتح مبین ترک قوم کا کارنامہ ہے - قوم کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں جنھوں نے سیاسی نام و نمود حاصل کرنے کے لیے بڑی خوشی سے ازمیر کو دشمن کے حوالے

کردیا تھا۔ یونانی افواج کا قبضہ ازمیر پر محض اس لیے ہوا تھا کہ دولت عثمانیہ کی فوجی تنظیم نے اُن کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ لیکن جب قوم نے اپنی مرضی کے مطابق غیر مشروط طور پر اپنی قسمت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی تو ملک کو نجات حاصل ہونے لگی۔ ہماری فوج جسے قوم کے شعور اور ضمیر نے حیات تازہ بخشی ہے، مثبت اور فیصلہ کن کارنامے دکھا چکی ہے!

"عظیم اور شریف ترک قوم!

اناطولیہ کی آزادی پر مبارک باد دیتے وقت میں آپ صاحبان کو اپنی ان فوجوں کی طرف سے بھی تہنیت پیش کرتا ہوں جو ازمیر، بروسہ اور بحیرۂ روم کے افق پر فاتحانہ شان سے کھڑی ہیں۔

عظیم ترکی قومی اسمبلی کا صدر اور کمانڈر انچیف مصطفیٰ کمال۔"

۱۴ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ازمیر کے شہریوں نے جن کے دل مصطفیٰ کمال کی محبت اور جذبۂ شکرگزاری سے لبریز تھے، اپنے شہر کی آزادی پر ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ موصوف نے کمال خوشی کے ساتھ اہل ازمیر کا ہدیۂ امتنان قبول فرمایا۔

ازمیر کو آزاد کرنے والی ترک فوج نے ۱۶ ستمبر تک اناطولیہ سے ایک ایک یونانی سپاہی کو نکال باہر کیا۔ اس کے بعد وہ ان ترکی علاقوں کو فتح کرنے پر متوجہ ہوئی جو ہنوز دشمن کے قبضے میں تھے۔ اتحادی حکومتیں جو اس وقت آبنائے باسفورس پر قابض تھیں، ترکوں کی فتح سے لرزہ بر اندام ہو گئیں۔ ترکوں کی پیش قدمی سے انھیں بڑا اندیشہ ہوا اور انھوں نے سوچا کہ خیریت اسی میں ہے کہ لڑائی موقوف کرکے صلح صفائی کے ذریعے ترکوں کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں۔ برطانوی، فرانسیسی اور اطالوی حکومتوں کے نمائندے پیرس میں جمع ہوئے تاکہ سوچ سمجھ کر صلح کی اُن تجاویز کا خاکہ بنائیں جو ترکیہ کے سامنے پیش کرنی ہیں۔ استنبول میں فرانسیسی نمائندہ جنرل پیلے فرانسیسی جنگی

جہاز میں سوار ہو کر غازی مصطفٰی کمال سے ملنے کے لیے ازمیر آیا - ۲۰ ستمبر کو استنبول کے برطانوی کمانڈر نے یہ تجویز پیش کی کہ ترکی کمانڈر انچیف معاملات پر بحث و تمحیص کے لیے اسکدار میں تشریف لائیں - اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا - ۲۵ ستمبر کو جنرل پیلے نے استنبول میں ترکی قومی حکومت کے نمائندے کو ایک یادداشت مورخہ ۲۳ ستمبر پیش کی جس پر پوئن کیر، کرزن اور سفورزا کے دستخط تھے - اس تحریر کے ذریعے ترکیہ کو دعوت دی گئی تھی کہ وینس میں صلح کانفرنس میں شرکت کیجیے - اسی تحریر میں یہ مطالبہ بھی تھا کہ ترک اس غیر جانبدار علاقے میں داخل ہونے سے پرہیز کریں جو اتحادیوں کے قبضے میں تھا - ساتھ ساتھ یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ تھریس کا علاقہ دریائے میرچ (مارزا) تک شہر ادرنہ سمیت ترکوں کے حوالے کر دیا جائے گا - ایک اور وعدہ یہ تھا کہ صلح کانفرنس منعقد ہونے سے پہلے اتحادی حکومتیں اپنے رسوخ سے کام لےکر یونانی فوجوں کو اپنی متعین کردہ لائن سے پیچھے تک ہٹا دیں گی -

مذکورہ بالا تحریر میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ معاملات پر غور کرنے کے لیے مدانیہ یا ایزمیت میں اجلاس کیا جائے - ایک سابقہ فرانسیسی وزیر فرینکلن بوئیلون جس نے معاہدۂ انقرہ پر دستخط کیے تھے، خصوصی مشن پر ۲۸ ستمبر کو ازمیر میں آ پہنچا - اس نے مصطفٰی کمال کو پیرس کانفرنس کے ان فیصلوں کی اطلاع دی جو صلح کے متعلق کیے گئے تھے - ۲۹ ستمبر کو مصطفٰی کمال نے یہ جواب دیا کہ ہم مدانیہ میں فوجی کانفرنس کرنے کے لیے اس شرط پر تیار ہیں کہ میرچ لائن تک تھریس کا سارا علاقہ فوراً ترکوں کے حوالے کر دیا جائے - عظیم قومی اسمبلی کے کمانڈر انچیف کی نمائندگی کے لیے مغربی محاذ کے کمانڈر عصمت پاشا نامزد ہوئے - اسی روز مصطفٰی کمال ازمیر سے انقرہ روانہ ہوئے اور ۲ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو وہاں پہنچ گئے - ریلوے

سٹیشن سے اسمبلی تک انقرہ کی پوری آبادی موصوف کے استقبال کے لیے سڑک پر صف بستہ تھی - فتح مند کمانڈر انچیف (مصطفیٰ کمال) نے یہ تمام راستہ پیدل طے کیا اور سڑک کے دونوں طرف جو جم غفیر جمع تھا اُسے سلام کرتے چلے گئے۔ اسمبلی میں اُن کی خصوصی پذیرائی ہوئی اور مبارک باد دی گئی - اس کے بعد نہایت شاندار فوجی پریڈ ہوئی - اس روز انقرہ میں ایک ایسی قومی تقریب منائی گئی کہ تاریخ میں یادگار رہے گی - ۳ اکتوبر کو مدانیہ کانفرنس کی کارروائی شروع ہو گئی - اگلے روز مصطفیٰ کمال نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

"وہ مقدس فریضہ جو فوج کو سونپا گیا تھا نہایت خوش اسلو سے پورا ہو گیا ہے - ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ نے ہم پر جو اعتماد کیا وہ بالکل بجا تھا - قوم کی قسمت جو آج یوں چمک رہی ہے اُس کا سبب فقط یہ ہے کہ قومی اسمبلی انتہائی مصائب و آلام کے زمانے میں بھی چٹان کی طرح سنگین عزم کے ساتھ اپنے فیصلے پر قائم رہی - اسمبلی نے قومی مسائل حل کرنے میں ہمیشہ عقل سلیم سے کام لیا اور حق و باطل میں تمیز کرتی رہی - لٰہذا آج اپنی کامیابی پر اُس کی مسرت و شادمانی بجا ہے - آج مجھے بھی بے حد مسرت ہے کیونکہ آپ نے مجھے اپنی فوجوں کا سپہ سالار بنا کر جو فریضہ میرے سپرد کیا تھا میں نے اسے پوری ایمانداری اور سپاہیانہ اطاعت سے انجام دیا ہے - اسمبلی نے ملک و ملت کی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے کر نا امیدی کو اُمید میں ، ابتری کو انتظام میں ، اور تذبذب و تامل کو عزم و ایمان میں تبدیل کر دیا - جہاں ترک قوم کا وجود تسلیم نہ کیا جاتا تھا وہاں اس کا سکہ بٹھا دیا - میرا دل جذباتِ مسرت سے پھٹا پڑتا ہے اور میں اپنے محبوب و محترم رفیقوں کو اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ بالآخر اُس جذبہ" آزادی و حریت کا بول بالا ہوا جس کی نمائندگی

وہ دنیا کے سامنے کرتے رہے ہیں ۔"

موصوف نے تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا :

"دوستو ! فتح اناطولیہ ایک اصول پرست قوم کی حیات آفریں کوششوں کا نمونہ بن کر تاریخ کے صفحات پر یادگار رہے گی ۔ ہم نے ہر چیز کو جو ہماری سنگ راہ بنی یکے بعد دیگرے راستے سے ہٹا دیا ہے ۔ ہم نے اپنے 'میثاق ملی' پر ترکیہ کی جو سرحدیں قائم کی ہیں ، اُن کی حدود میں خوشی ، خوشحالی اور آزادی کی زندگی بسر کرنے کے لیے جو لڑائی پیش آئے گی ہم اُسے بھی سر کریں گے ۔ ترکیہ کے افق پر آفتاب آزادی کے چمکنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی ۔ دشمنوں نے ہمارے ملک کو ویران کر دیا تھا لیکن فرزندان وطن نے اسے اپنے خون سے سینچ کر سرسبز کر دکھایا اور اس کے چپے چپے کی خاطر ہنستے کھیلتے اپنی جانیں قربان کر دیں ۔

"دوستو ! ہمارے ملک نے یک جہتی و اتفاق کی بدولت یہ کامیابی حاصل کی ہے ۔ کچھ شک نہیں کہ صلح کے مسائل طے کرنے میں ، نیز بعد صلح کے مسائل حل کرنے میں بھی ہمارا ملک اُسی سرگرمی ، اتفاق اور محنت کا ثبوت دے گا تاکہ فتح مکمل ہو جائے ۔ اس فتح نے ہمیں بہت عمدہ موقع بہم پہنچایا ہے اور ہم اس سے کام لے کر اپنی قوم کے لیے ایک روشن ، خوشحال ، کامیاب و کامران مستقبل کی تعمیر کریں گے ۔

"دوستو ! عزیزو ! میری آخری گزارش یہ ہے کہ مادر وطن کے جن سپوتوں نے میدان جنگ میں جام شہادت پیا ہے اُن کے والدین کو پرسا دینے کے بجائے مبارک باد دیجیے ۔"

جس روز مصطفیٰ کمال انقرہ پہنچے اس روز شہر کے باشندوں آزادی کے شکریے میں انھیں سپاس عقیدت پیش کیا ۔ غازی نے اسے قبول کرکے اُن کی خوشیوں میں اور اضافہ کیا ۔ موصوف نے بلدیۂ

انقرہ کو ۵ اکتوبر کو اس کا جو جواب بھیجا اس میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا ۔ اس جواب سے اُس اہم کارگزاری کا بھی ثبوت ملتا ہے جو ترکیہ کی جنگ آزادی کے سلسلے میں انقرہ نے انجام دی ۔ موصوف کے الفاظ یہ تھے :

"آپ نے انقرہ کے حریت پسند شہریوں کی صف میں میرا نام درج کر کے مجھے جو اعزاز بخشا ہے میں اس کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں ۔ سارا زمانہ ہمارا دشمن تھا لیکن میری محبوب ترک قوم نے اس کے باوجود جنگ آزادی کو انجام تک پہنچا کر فتح و ظفر حاصل کر دکھائی ۔ اس جنگ آزادی کی تاریخ میں انقرہ کا نام سب سے زیادہ معزز و محترم رہے گا ۔ جب ہم نے آزادی کی جد و جہد شروع کی تو اُس وقت ہم جن مشکلات میں گرفتار تھے آپ اُن سے آگاہ ہیں ۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ان مشکلات پر فتح پانا ممکن ہی نہیں لیکن آپ صاحبان کبھی نہیں ہچکچائے ۔ جب آج سے تین سال پہلے میں سیواس سے چل کر انقرہ میں داخل ہوا تھا تب بھی آپ لوگوں نے اتنے ہی خلوص اور گرم جوشی سے میرا استقبال کیا تھا ۔ آپ نے حب وطن اور ہمت کا ثبوت دیا جس کی بدولت مجلس نمائندگان (اسمبلی) جو دشمنوں کی مداخلت کے باعث استنبول میں برخاست کر دی گئی تھی ، انقرہ میں پھر قائم ہو گئی ۔ آپ نے مجلس نمائندگان کو وہ آزادی اور اختیارات بھی بخشے جو ہمارے وطن کی عزت کے شایان شان تھے ! استنبول میں اُن لوگوں نے جن کا اعتماد اغیار کی سنگینوں پر تھا ، مجلس نمائندگان (اسمبلی) کو ختم کر دیا تھا ۔ میں اُس مرحوم اسمبلی میں ارض روم کے محب وطن باشندوں کا نمائندہ تھا ۔ عظیم قومی اسمبلی کے لیے انتخابات میں آپ نے مجھے انقرہ کا نمائندہ منتخب کر کے میرے سابقہ اعزاز اور قانونی اختیارات میں اضافہ کر دیا ۔ آپ جیسے باہمت اشخاص کی

ہمت افزائی کی بدولت عظیم قومی اسمبلی اس قابل ہوئی کہ بہ خیر و خوبی جنگ آزادی کو جاری رکھ سکے ۔ اسی لیے ملک کی آزادی میں اہل انقرہ کا خصوصی حصہ ہے ۔ میں اس موقع پر برادرانہ خلوص کے ساتھ اپنے رفیق شہریوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اور آپ نے جس مخلصانہ محبت کا اظہار کیا ہے اس کے جواب میں، میں بھی آپ سب کو سینے سے لگاتا ہوں ۔
غازی مصطفیٰ کمال ۔"

۱۱ اکتوبر کو مدانیہ میں جنگ بندی کے عہد نامے پر دستخط ہوگئے ۔ حریفوں نے اس گفت و شنید میں بہت سرگرمی دکھائی لیکن بالآخر ترکوں کی قوت ارادی سب پر غالب آئی ۔ صلح نامے میں فیصلہ ہوا کہ اہل یونان ایک ماہ کے اندر تھریس کو خالی کردیں گے ۔ اسی گفت و شنید میں یہ بات بھی کھلی کہ مغربی محاذ کے کمانداز جنرل عصمت پاشا میدان سیاست میں بھی اتنے ہی کارآزمودہ ہیں جتنے میدان جنگ میں ہیں ۔ سیاست داں کی حیثیت سے ان کو جو مقام مستقبل میں حاصل ہونے والا تھا، اس کا اندازہ اسی موقع پر ہوگیا ۔ ۱۶ اکتوبر کو مصطفیٰ کمال انقرہ سے بروسہ روانہ ہو گئے کیونکہ یہ شہر اپنے نجات دہندہ کی زیارت کے لیے بے تاب تھا ۔ کمانڈر انچیف کے وہاں پہنچتے ہی بے نظیر جوش و خروش کے مظاہرے ہوئے ۔ انھوں نے دفتر بلدیہ میں شہر کے نمائندوں سے ملاقات کی اور انھیں آئندہ منصوبوں سے ان الفاظ میں آگاہ کیا :

"ہم نے تین سال تک جد و جہد کر کے یہ کامیابی حاصل کی ہے ۔ ہماری کوششیں جاری رہیں گی لیکن اب ہماری مساعی سائنس، تعلیم اور قومی اقتصادیات کے میدان میں ہوں گی ۔ مجھے یقین ہے کہ اس محاذ پر بھی ہمیں کامیابی ہوگی ۔ ہم اپنے ملک میں صنعتوں اور فنون کو فروغ دیں گے ۔ آج سے ہمارے تمام خیالات صرف اسی نصب العین پر مرکوز ہوں گے ۔"

صلح نامۂ مدانیہ ۱۵ اکتوبر سے نافذ ہوا اور ترکی فوجوں کو حکم ملا کہ آبنائے باسفورس عبور کر کے تھریس پر قبضہ کر لیں۔ مصطفیٰ کمال نے رأفت پاشا کو کمشنر کا منصب اور غیر معمولی اختیارات عطا کر کے روانہ کیا تاکہ وہ تھریس پہنچ کر وہاں فوجی اور سول نظم و نسق قائم کریں۔ رافت پاشا بروسہ سے چل کر ۱۹ اکتوبر کو استنبول پہنچے۔ اہل شہر نے بے نظیر جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا۔ وہ قومی اسمبلی کی فوجوں کو پر شوق سلام کرنے اور اُن کی فتح عظیم کا جشن منانے کے آرزو مند تھے للہذا اُس تمام جوش و خروش اور شوق کا اظہار انھوں نے رافت پاشا کے ساتھ کر کے اپنا خلوص ظاہر کیا۔

مصطفیٰ کمال بروسہ میں مقیم رہے۔ یہاں استنبول کے اساتذہ کا بھیجا ہوا وفد ان سے ملا اور خراج عقیدت پیش کیا۔ دوسرا وفد استنبول یونیورسٹی کے طلبہ کا تھا جو قوم کے نوجوانوں کی طرف سے موصوف کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا۔ ۲۷ اکتوبر کی شام کو 'شرق سینما' کے ہال میں اساتذہ کے اعزاز میں ایک اجلاس ہوا جس میں مصطفیٰ کمال نے تاریخی اہمیت کی تقریر کی۔ موصوف نے اس تقریر میں قومی تعلیم کے اصول کا خاکہ پیش کیا۔ انھوں نے سکولوں کی اہمیت پر خاص زور دیا اور فرمایا:

> ''مدرسہ وہ ادارہ ہے جو قوم کے نونہالوں کو احترام آدمیت، حب وطن، احساس عزت اور شوق آزادی کا سبق دیتا ہے۔ مدرسہ ہی یہ سکھاتا ہے کہ مصیبت کے ایام میں قومی آزادی کے تحفظ کے لیے راہ حق اختیار کرنی چاہیے۔''

مستقبل کے متعلق آپ نے وضاحت کی کہ ہمارا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ تعلیم کے میدان میں بھی فتح حاصل کریں۔

قیام بروسہ کے دوران میں مصطفیٰ کمال کو سب سے بڑی فکر یہی رہتی تھی کہ آنے والی صلح کانفرنس میں شرکت کے لیے ایک ترکی وفد تیار کریں۔ مصطفیٰ کمال کی روانگی سے پہلے اسمبلی میں

اس مسئلے پر بحث ہوئی تھی - جن دنوں مدانیہ میں جنگ بندی کی گفت و شنید ہو رہی تھی تب بھی یہ معاملہ زیر بحث آیا تھا - اس وقت مصطفٰی کمال نے یہ وضاحت کی کہ میرے خیال میں ترکی وفد کی قیادت کے لیے عصمت پاشا موزوں ترین شخص ہیں - اسی وقت یہ خیال بھی کیا گیا تھا کہ صلح کانفرنس میں ترکی وفد کی قیادت کے لیے پہلے انھیں وزیر خارجہ بنا دیا جائے - اس مقصد کے لیے مصطفٰی کمال نے وزیر خارجہ یوسف کمال بک کو رمزیہ الفاظ میں تار بھیج کر یہ ہدایت کی کہ آپ استعفا پیش کر دیں بلکہ یہ تجویز بھی لکھ بھیجیں کہ میری جگہ عصمت پاشا کا تقرر کر دیا جائے - ۲۶ اکتوبر کو قومی اسمبلی نے مصطفٰی کمال کی خواہش پر عمل کیا - اس وقت مصطفٰی کمال نے عصمت پاشا کو ہدایت کی کہ صلح کی گفت و شنید کے لیے آپ وزیر خارجہ کی حیثیت سے ترکی وفد کی قیادت کریں - پہلے تو عصمت پاشا نے اعتراض کیا کہ میں سپاہی ہوں لیکن بعد میں یہ کہہ کر حامی بھر لی کہ میں مصطفٰی کمال کی تجویز کو حکم سمجھتا ہوں - ۲۸ اکتوبر کو اتحادی حکومتوں نے اعلان کیا کہ صلح کانفرنس لوزان میں منعقد ہوگی - انھوں نے کانفرنس میں شرکت کے لیے ترکی قومی اسمبلی کی حکومت کو بھی بلایا اور حکومت عثمانیہ کو بھی حالانکہ مؤخرالذکر کو قانونی حیثیت سے تسلیم کیے جانے کا کوئی حق باقی نہیں رہا تھا -

۲۹ اکتوبر کو مصطفٰی کمال عصمت پاشا کے ساتھ انقرہ واپس آئے - اب تک اتحادی حکومتوں کو یہی اصرار تھا کہ استنبول کی حکومت کو بھی تسلیم کر کے کانفرنس میں شریک کیا جائے - اب حکومت استنبول نے قومی اسمبلی کی حکومت سے یہ کہا کہ ہمارا تمہارا وفد مشترک ہو - اس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ خلیفۃالمسلمین سلطان وحید الدین یہ چاہتے ہیں کہ وہ قوم کے الزامات سے بچ کر سرخروئی حاصل کریں - ۲۴ اپریل ۱۹۲۰ع کو مصطفٰی کمال نے حکومت کی تشکیل کا مسودہ پیش کرتے ہوئے یہ

بیان دیا تھا کہ جب کبھی سلطان المعظم کو دوبارہ آزادی نصیب ہوگی تو اس وقت انھیں اسمبلی کی مقرر کردہ قانونی حدود میں اپنا موقف طے کرنا ہوگا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ع کو اسمبلی نے جو آئین منظور کیا تھا اس میں یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ:

"حاکمیت کا حق غیر مشروط طور پر عوام کو حاصل ہے۔ نظم و نسق کا اصل اصول یہی ہے کہ عوام بہ ذات خود اور فی الحقیقت اپنی قسمت کے مالک و مختار ہوں۔"

قومی اسمبلی نے سلطان کی حکومت کو کبھی جایز تسلیم نہیں کیا تھا، کیونکہ اس حکومت نے ترکوں کی جد و جہد آزادی کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے۔ اب قوم کو بھی موقع ملا کہ ان غداروں کے متعلق کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر دے جنھوں نے استنبول میں دشمنوں کی بغل میں پناہ لی تھی۔ وہ اس حکومت سے بھی متنفر تھے جو اس فتح میں حصہ لینے کی مشتاق تھی جسے عوام نے ساڑھے تین سال تک قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا اور اس وحیدالدین سے بھی جو اب تک خود کو سلطان سمجھتا تھا۔ حکومت استنبول کے وزیراعظم توفیق پاشا نے تار بھیج کر قومی اسمبلی کے صدر سے یہ خواہش کی تھی کہ اپنے کسی معتمد کو یہاں بھیج دیجیے تاکہ صلح کے مذاکرات میں ہمارے اور آپ کے نمائندوں کا مشترکہ وفد شریک ہو سکے۔ اس تار سے اسمبلی کے ارکان غیظ و غضب میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۲ع کو اس موضوع پر بہت دل خراش تقریریں ہوئیں۔ اس روز کے مباحثات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۸۰ نمائندوں نے جن میں مصطفیٰ کمال بھی شامل تھے، ایک قرار داد پیش کی کہ جدید قومی حکومت نے دولت عثمانیہ کی جگہ لے لی ہے اور آئین نے حاکمیت کا حق عوام کو دے دیا ہے۔

اگلے روز مصطفیٰ کمال نے جماعت تحفظ حقوق کے اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد یہ تجویز پیش کی۔ کہ سلطنت عثمانیہ کو منسوخ

کر دیا جائے۔ یکم نومبر ۱۹۲۲ع کو انھوں نے اسمبلی میں اسی موضوع پر بحث کا آغاز کیا اور تاریخی دلائل پیش کر کے یہ خواہش کی کہ اسی (۸۰) نمائندوں نے جو قرارداد پیش کی تھی اسے منظور کیا جائے۔ آئینی کمیٹی نیز عدلیہ کمیٹی اور شریعت کمیٹی کے ارکان میں سے منتخب کردہ ارکان پر مشتمل ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی تھی جس کو قریب قریب اسی مضمون کی متعدد قراردادیں وصول ہوئیں۔ مصطفٰی کمال اسمبلی ہال کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے مذکورہ کمیٹی کے مذاکرات سنتے رہے۔ بعض علما نے جو کمیٹی کے رکن تھے، عالمانہ دلائل پیش کر کے یہ واضح کیا کہ سلطان کو خلافت کے منصب سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ مصطفٰی کمال سمجھ گئے کہ یہ شوشہ بے محل اٹھایا گیا ہے اور اس سے بحث میں خواہ مخواہ طوالت پیدا ہو جائے گی۔ اس قصے کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر یوں خطاب کیا:

"حکومت اور سلطنت کسی شخص کو آج تک علما کے فتووں اور مذہبی موشگافیوں سے نہیں ملی۔ حکومت و سلطنت جب ملتی ہے زور بازو، اقتدار اور شوکت و سطوت سے ملتی ہے۔ خلفائے عثمانیہ زور بازو کی بدولت ترک قوم پر حکومت و سلطنت کا جادو کرتے رہے۔ ان کی یہ قہرمانی چھ صدی تک قائم رہی۔ اب قوم نے جبر و استبداد کو للکار کر دم بخود کردیا ہے اور جرأت رندانہ سے کام لے کر اپنے آپ کو بادشاہوں کے غلبہ و قہر سے آزاد کرلیا ہے۔ عوام کی حکومت اب ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اب یہ سوال باقی ہی نہیں رہا کہ قوم سلطنت و خلافت کے اس بت کو سلامت رہنے دے یا نہ رہنے دے۔ اب تو یہ سوال زیر بحث ہے کہ جو حقیقت مسلّم ہو چکی ہے اس کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ اعلان بہ ہر صورت ہو کر رہے گا۔ اگر اسمبلی کے ارکان اور دیگر حاضرین جن میں ہم تم سبھی شامل ہیں، اس سوال پر فطری انداز میں غور کریں تو میں

سمجھتا ہوں کہ ہم صحیح نتیجے پر پہنچ جائیں گے - لیکن اگر آپ صحیح فیصلہ نہ بھی کریں تب بھی حقیقت کسی نہ کسی طرح خود بخود ظاہر ہو جائے گی - یہ ضرور ہے کہ اس صورت میں بعض اڑیل آدمیوں کے سر قلم ہو جائیں گے -"

مصطفٰی کمال کے اس بیان نے کمیٹی کے ارکان کو بالکل سیدھا کر دیا - انھوں نے اپنے بیان میں اپنے موقف کی تائید کے لیے جن یادگار توضیحات کو پیش کیا تھا وہ بہت مؤثر تھیں - کمیٹی کے پیش کردہ بل کو قومی اسمبلی نے اسی روز (یکم نومبر ۱۹۲۲ء) منظور کر لیا اور سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کی رسمی کارروائی پوری کر دی -

ترکوں کی تحریک اصلاح میں اتنے اہم تغیرات واقع ہو جانے سے استنبول کی حکومت حرف غلط بن کر رہ گئی اور ۴ نومبر ۱۹۲۲ء کو قومی حکومت نے اس کی جگہ لے لی - ترکی وفد صلح عصمت پاشا کی قیادت میں ۵ نومبر کو انقرہ سے لوزان روانہ ہوگیا -

۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء کو پتا چلا کہ سلطان وحیدالدین نے برطانوی حمایت قبول کر لی ہے اور برطانوی جنگی جہاز 'ملایا' پر سوار ہو کر استنبول سے مالٹا کی طرف بھاگ گئے ہیں - اس حرکت کی پاداش میں وہ خلافت کے منصب سے بھی محروم ہوگئے اور قومی اسمبلی نے عبدالمجید آفندی کو جو خانوادۂ عثمانی کے باقی ماندہ افراد میں سب سے موزوں شخص تھے، اس منصب کے لیے چن لیا - انتخاب کے دوران میں خلیفہ کے اختیارات اور فرائض پر بحثیں ہوتی رہیں - بعض تجاویز پیش کی گئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ خلیفہ کو سلطنت کا والی و وارث بنا کر ان کے اختیارات کو سارے عالم اسلام میں قانونی حیثیت سے تسلیم کیا جائے - مصطفٰی کمال نے ان تجاویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا :

"میں دوبارہ صاف صاف عرض کرتا ہوں کہ حاکمیت کا حق غیر مشروط طور پر ترک قوم کو حاصل ہے - یہ حاکمیت

کسی مفہوم ، کسی شکل اور کسی انداز سے بھی تقسیم نہیں کی جا سکتی ۔ آپ کسی شخص کو خواہ خلیفہ کہیں خواہ کچھ اور ، آپ اسے قوم کی قسمت کا مختار نہیں بنا سکتے ۔ قوم ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہ دے گی ۔"

اس بیان سے پھر یہ بات واضح ہوگئی کہ مصطفیٰ کمال کی نظر میں قوم کی حاکمیت کا تصور ہر چیز سے بالاتر تھا ۔ اب موصوف کے مختلف فرائض میں اس فرض کا اور اضافہ ہوا کہ وہ خلیفہ عبدالمجید کو سیدھے راستے پر چلائیں اور یہ انتظام کریں کہ خلیفہ نئے حالات کے تقاضوں کو سمجھیں اور اپنے آپ کو اُن کے سانچے میں ڈھالیں ۔

لوزان کی صلح کانفرنس ۲۱ نومبر ۱۹۲۲ع کو شروع ہوئی ۔ ۲۴ نومبر کو ترک فوج ادرنہ میں داخل ہوئی اور صلح نامۂ مدانیہ کی آخری شرط بھی پوری ہوگئی ۔

جنگ آزادی کے بہ خیر و خوبی تکمیل پا جانے سے نیز صلح کی گفت و شنید کے شروع ہو جانے سے ترکوں نے اپنی توجہ بعد جنگ کے مسائل پر منعطف کی ۔ آئین کے تحت نئے انتخابات کا زمانہ قریب آ رہا تھا ۔ مصطفیٰ کمال کے مخالفوں نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے ایک نیا انتخابی بل تیار کرکے عظیم قومی اسمبلی کے صدر دفتر میں پیش کر دیا تھا ۔ ۲ دسمبر ۱۹۲۲ع کو اسمبلی کی مجلس قانون ساز نے اعلان کیا کہ مذکورہ بل بحث کے لیے موزوں ہے لہذا اُسے اسمبلی کے موضوعات بحث (ایجنڈا) میں شامل کر لیا گیا ۔ اس انتخابی بل کا مقصد یہ تھا کہ قوم کے نجات دہندہ مصطفیٰ کمال کو حقوق شہریت سے محروم کر دیا جائے ۔ اس مقصد کے پیش نظر مخالفوں نے یہ شرط پیش کی تھی کہ جو شخص جس علاقے سے بطور نمائندہ منتخب ہونے کا امیدوار ہو اُس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کی ولادت ترکیہ کی موجودہ حدود میں ہوئی ہو یا وہ متعلقہ علاقے میں مسلسل پانچ سال تک مقیم رہ چکا ہو ۔ اس شرط کے بموجب

بیرونی مہاجروں کے لیے ضروری تھا کہ وہ علاقے میں پانچ سال تک قیام کر چکے ہوں - یہ قرارداد ترکوں کے جذبۂ احسان مندی کے سراسر خلاف تھی - اسے سن کر مصطفٰی کمال نے بطور مداخلت مندرجہ ذیل بیان دیا اور اس پردے میں اپنے موقف کی حمایت کرنے کے دوش بدوش بجا طور پر مخالفوں کو محجوب کرنے کا پہلو بھی نکلا :-

"بدقسمتی سے میری جائے ولادت ہمارے ملک کی موجودہ سرحد سے بہت دور واقع ہے - علاوہ ازیں میں کسی علاقے میں مسلسل پانچ سال تک قیام بھی نہیں کرسکا - لیکن اگر میری جائے ولادت ملک کی موجودہ سرحد سے باہر واقع ہے تو اس میں میرا کوئی قصور یا ذمہ داری نہیں - اس کا سبب تو یہ ہے کہ دشمن ہماری پوری قوم کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں تھے ، ہم نے اپنی کوششوں سے اُن کے منصوبوں کو ایک حد تک ناکام بنا دیا ہے - اگر خدا نخواستہ ہمارے دشمنوں کے یہ منصوبے پورے طور پر کامیاب ہو جاتے تو اس صورت میں وہ معزز اشخاص جنھوں نے اس بل پر اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں ، آج یہاں نہ بیٹھے ہوتے - اگر بل کی اس دفعہ کے تحت میں نمائندگی کی امیدواری کے لیے موزوں نہیں ہوں یعنی بہ الفاظ دیگر میں پانچ سال تک مسلسل کسی علاقے میں مقیم نہیں رہا تو اس کا سبب یہی ہے کہ میں مختلف علاقوں میں قوم کی خدمات انجام دیتا رہا ہوں - اگر مذکورہ دفعہ کے بموجب میں پچھلے پانچ سال میں یہ اہلیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا تو ذرا سوچیے کہ اس کے کیا معنی ہوتے - اس کے معنی یہ ہوتے کہ میں نے استنبول کو بچانے کے لیے آری برونی اور انافرتالر کا جو دفاع کیا ، وہ نہ کیا ہوتا - پانچ سال تک ایک جگہ گوشہ نشینی کا یہی مطلب ہے کہ میں نے بتلیس اور موش کو دشمن کے پنجے سے نکالنے کا فرض ادا کرکے حب وطن

کا جو تقاضا پورا کیا، اسے پورا نہ کیا ہوتا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ دشمن جس نے بتلیس اور موش پر قبضہ کر لیا تھا، اس کے ناپاک قدم دیار بکر میں بھی آئے ہوتے؟ ان معزز اشخاص نے پانچ سال تک ایک جگہ مقیم رہنے کی جو شرط لگائی ہے، کیا اس کو پورا کرنے کے لیے مجھے یہ لازم تھا کہ شام سے ہٹ کر آ جانے والی بچی کھچی ترک فوجوں کو دوبارہ منظم کر کے میں نے حلب میں جو فوج تیار کی تھی، وہ نہ تیار کی ہوتی؟ کیا میری نا اہلی یہی ہے کہ میں نے اس پر آشوب زمانے میں دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر وہ سرحد قائم کی تھی جسے آپ آج اپنی قومی سرحد کہتے ہیں؟ اس کے بعد میں نے قوم کی خاطر جو خدمات انجام دی ہیں، آپ لوگ اُن سے بخوبی آگاہ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان خدمات کی بدولت میں قوم کی محبت اور ہمدردی کا مستحق ہوں۔ بلکہ ممکن ہے کہ پوری ملت اسلامیہ کی ہمدردی و الفت کا حق دار سمجھا جاؤں۔ میرے تصور میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ قوم کی دل سوزی اور شفقت کے باوجود میں حقوق شہریت سے محروم کر دیا جاؤں! میں یہ خیال تو کر سکتا تھا اور اب بھی کرتا ہوں کہ دشمن مجھے قوم کی خدمت سے الگ کرنے کی سازش کر سکتے ہیں یا مجھے قتل کرنے کا منصوبہ بنا سکتے ہیں لیکن اس بات کا مجھے گمان تک نہ تھا کہ اس معزز و با وقار اسمبلی کے ارکان بھی (خواہ وہ دو تین ہی نفر ہوں) یہ حرکت کر سکتے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ حضرات اپنے اپنے علاقے کے عوام کے احساسات و خیالات کے صحیح ترجمان ہیں؟

"ان شریف اشخاص سے میرا ایک سوال اور ہے۔ نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انھیں ایسے اختیارات حاصل ہیں جن کا اثر سارے ملک پر پڑتا ہے۔ مجھے بتایا جائے کہ کیا قوم ان شریف

اشخاص کی ہم خیال ہے؟

"معزز حاضرین! مجھے یہ بھی بتائیے کہ ان معترض حضرات کو یہ حق کہاں سے ملا ہے کہ وہ مجھے حقوق شہریت سے محروم کر دیں؟ میں اس چوکی پر کھڑے ہو کر اپنی معزز و باوقار اسمبلی سے، نیز یہ شریف اشخاص جس علاقے کے نمائندے ہیں اُن علاقوں کے عوام سے، بلکہ ساری قوم سے یہی سوال کرتا ہوں اور جواب کا طلبگار ہوں۔ مجھے جواب دیا جائے۔"

مصطفیٰ کمال کی اس دھواں دھار تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پہلے تو اسمبلی نے، اور بعد ازاں پوری قوم نے غیظ و غضب کے ساتھ اس بل کو مسترد کر دیا۔ ملک کے کونے کونے سے اس بل کے خلاف شدید احتجاجات موصول ہوئے۔

یہ وہ دور تھا کہ ترک قوم غیر ملکی حملہ آوروں کے تسلط سے آزاد ہو چکی تھی۔ اب مصطفیٰ کمال کی یہ آرزو تھی کہ اپنے ملک کو قوموں کی برادری میں ایک معزز اور موزوں مقام پر کھڑا دیکھیں۔ انھیں معلوم تھا کہ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے آزاد شدہ علاقوں میں عوام کی بے روک ٹوک ترقی کے لیے سخت جد و جہد کرنی پڑے گی۔ اُن کی خواہش تھی کہ ترقی کے اس مقصد عظیم کی تکمیل کے لیے وہ قوم کے تمام مادی و اخلاقی ذرائع کو کام میں لے آئیں۔ قومی جد و جہد کے زمانے میں جو اشخاص اُن کے رفیق تھے اُنھیں جمع کر کے موصوف نے یہ طے کیا کہ وہ تحفظ حقوق کی تنظیم کو کسی نئے نام سے از سر نو حرکت میں لائیں۔ یعنی جس تنظیم نے آزادی قوم کے معاملے میں اتنی ٹھوس خدمات انجام دی تھیں اور جہاد آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا اُس کو اِس نئی مہم کی تکمیل کے لیے نئے اصول و قواعد سے روشناس کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اس سیاسی تنظیم کو ''خلق فرقہ سی'' کا نام دیا اور اس کے دروازے ہر ترک کے لیے کھول دیے خواہ اُس کا رتبہ یا سماجی حیثیت کچھ ہی ہو۔ مدعا یہ تھا

کہ عوام کو ترقی، خوش‌حالی اور آزادی کی نعمتوں سے بہرہ مند کرکے ترکیۂ جدید کی بنیادیں مضبوط کردی جائیں۔

۶ دسمبر ۱۹۲۲ع کو انھوں نے انقرہ کے صحافیوں سے ملاقات کی اور فرمایا کہ: "صلح نامے پر دستخط ہوتے ہی وقت اور مواقع ضائع کیے بغیر ہم یہ کوشش کریں گے کہ قوم کی آزادی و حریت کی جد و جہد کو تکمیل کے آخری درجے تک پہنچا دیں۔ افراد قوم کی لیاقت اور صلاحیت کو انتہائی نشو و نما دی جائے اور ملک کی دولت اور تمام ذرائع کا پورا پورا استعمال کیا جائے۔" انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہماری ان مساعی کے پس پشت، قومی ترقی کا ایک باقاعدہ خصوصی پروگرام ہونا ضروری ہے۔ جب تک یہ پروگرام مکمل نہ ہو جائے اصلاح کی اس تحریک میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ قوم کو مجھ پر جو اعتماد ہے اسے بجا و درست ثابت کرنے کے لیے میں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ "خلق فرقہ سی" کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت قائم کروں گا جس کے دل میں جمہوری اصولوں کی روح کار فرما ہوگی۔ اس کے بعد میں ایک ادنیٰ شہری کی حیثیت سے اپنی باقی زندگی قوم کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دوں گا۔

موصوف نے قوم کے تمام افراد کو دعوت دی کہ بنیادی اصلاحات کے اس پروگرام کے متعلق اظہار خیال کریں۔ ۱۴ فروری ۱۹۲۳ع کو وہ ایک لمبے دورے پر روانہ ہوگئے تا کہ عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کرکے ان کے سامنے اپنے نظریات کی وضاحت کریں اور خود بھی ان کے خیالات سے آگاہ ہو سکیں۔ اس سلسلے میں وہ اسکی شہر، ایزمیت بروسہ، بالیکسر، ازمیر اور آطنہ تشریف لے گئے۔ یہاں انھوں نے صرف تعلیم یافتہ طبقے سے نہیں بلکہ ہر پیشے کے آدمیوں سے لمبی چوڑی گفتگوئیں کیں۔ موصوف نے انھیں ملک کے مسائل سے آگاہ کرکے اُن کے خیالات دریافت کیے۔ ان تمام باتوں کے باوجود موصوف کی ذات بجائے خود ایک قابل تسلیم پروگرام تھی۔ اُن کی

قابل احترام خدمات خود اس بات کی ضامن تھیں کہ اہل ملک پورے اعتماد کے ساتھ آن کی ''خلق فرقہ سی'' میں شریک ہوں۔

سیاسی زندگی کے اس اہم ترین مرحلے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مصطفیٰ کمال کی والدہ زبیدہ خانم کا انتقال ہوگیا۔ یہ خاتون جنھوں نے بڑی مصیبتیں بھر کر مصطفیٰ کمال کو پروان چڑھایا تھا بہ تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۲۳ء ازمیر میں فوت ہوئیں۔ جنگ آزادی کی طویل مدت میں وہ استنبول میں مقیم رہیں اور تفکرات میں گرفتار رہتے رہتے ایسی بیماری میں مبتلا ہوئیں جو ان کی جان لے کر رہی۔

مصطفیٰ کمال نے استنبول کے اخباروں کے ایڈیٹروں سے ملاقات کرنے کے لیے انھیں ایزمیت میں مدعو کیا۔ اس طولانی مصاحبے (انٹرویو) کے دوران میں موصوف نے ان کے سامنے عوامی پارٹی کے متعلق اپنے نظریات کی وضاحت ان الفاظ میں کی:-

> ''جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں ''خلق فرقہ سی'' (عوامی پارٹی) کے نام سے ایک نئی جماعت بناؤں گا تو یہ خیال نہ کیجیے کہ میں کسی خاص جماعت یا طبقے کی خوشحالی کے لیے یہ اقدام کر رہا ہوں۔ اس پارٹی کے پروگرام کا نصب العین پوری قوم کی خوشحالی و ترقی ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ایک مثبت قومی پروگرام لے کر میدان عمل میں قدم رکھیں۔''

ایزمیت کے باشندوں سے خطاب کرتے ہوئے بھی انھوں نے وضاحت کی کہ عوامی پارٹی کے پروگرام کے دو بنیادی اصول مکمل آزادی اور عوام کی غیرمشروط حاکمیت ہیں۔ بالیکسر کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عوامی پارٹی ہمارے عوام کے لیے ایک سیاسی مدرسے کا کام کرے گی جس کے ذریعے انھیں سیاسی سوجھ بوجھ حاصل ہوگی۔

اس اثنا میں صلح نامۂ لوزان کی کارروائی جاری تھی۔ یہ صلح نامہ عصمت پاشا کے واسطے بہت بڑی سیاسی فتح کا حکم رکھتا تھا اور اسی پر ترکیہ کے قصر آزادی کی بنیادیں رکھی جانے والی

تھیں - انھی دنوں یہ بھی ضروری تھا کہ ترک قوم کو صلاح کی گفت و شنید کے متعلق نیز اصلاحات قومی کی مہم کے بارے میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے کیونکہ جنگ کے بعد آنے والے دور میں اصلاحات ہی پر قوم کی ترقی کا دار و مدار تھا - یکم اپریل ۱۹۲۳ع کو قومی اسمبلی نے نئے انتخابات کرانے کا فیصلہ کیا - اس کے یہ معنی تھے کہ ترکیہ کی اولین اسمبلی نے جو قابل احترام تاریخی خدمات انجام دی تھیں وہ اب آخری منزل میں ہیں - ۸ اپریل ۱۹۲۳ع کو انجمن تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کی طرف سے مصطفیٰ کمال نے اپنا "نو نکاتی پروگرام" شائع کر دیا - اس میں اُن فرائض اور اختیارات کی تشریح کی گئی تھی جو عوام آئندہ انتخابات میں اپنے علاقائی نمائندوں کو تفویض کرنے والے تھے - موصوف کے یہی نو اصول عوامی پارٹی کا اولین تحریری پروگرام بن گئے - قریب قریب انھی دنوں موصوف نے ایک اور اعلان شائع کیا جس میں انجمن تحفظ حقوق کی سابقہ خدمات کی تشریح تھی اور انجمن مذکورہ نے جنگ آزادی میں جو حصہ لیا تھا اُس کا ذکر تھا - اعلان میں ان مشکلات کا بھی بیان تھا جنھیں قوم کے افراد باہم مل کر اور یک جہتی سے کام کر کے حل کر سکتے تھے نیز اُن فرائض کا حوالہ تھا جو انجمن تحفظ حقوق کو عوامی پارٹی میں تبدیل کر دینے کے بعد اُس پر عاید ہوں گے - مصطفیٰ کمال عوامی پارٹی کی سرکاری تشکیل کا کام بھی کر رہے تھے - ۹ اگست کو انھوں نے ان علاقائی نمائندوں سے ملاقات کی جو انقرہ میں ان سے ملنے آئے تھے اور انھیں بتا دیا کہ انجمن تحفظ حقوق کو اب عوامی پارٹی میں تبدیل کر دیا گیا ہے - ۹ ستمبر ۱۹۲۳ع کو سرکاری ضابطے پورے ہو گئے اور ارباب حکومت نے قانون انجمن‌سازی کے تحت عوامی پارٹی کی رجسٹری کر دی - ۱۱ ستمبر کو پارٹی نے اپنے بانی مصطفیٰ کمال کو صدر عمومی منتخب کر لیا - موصوف نے یہ خطاب اور اس کے اختیارات ۱۹ ستمبر تک استعمال

کیے - بعد ازاں انہوں نے وزیراعظم عصمت پاشا کو نائب صدر مقرر کر دیا - خود مرتے دم تک جمہوری عوامی پارٹی کے مستقل عمومی صدر رہے - موصوف کے انتقال کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو پارٹی کے ایک غیر معمولی اجلاس نے مرحوم کو پارٹی کے "ابدی شف - دوامی قائد" کا خطاب دے کر اپنے بانی کا شکریہ ادا کیا -

مصطفیٰ کمال نے جمہوری عوامی پارٹی کی کارگزاریوں میں بہت اہم کام انجام دیا - ان کی وہ عظیم تقریر جو انہوں نے پارٹی کے دوسرے اجلاس میں ۱۵ اکتوبر سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۷ء تک کی خود ان کی زندگی کا نیز عوامی پارٹی کا بہت بڑا واقعہ ہے - اس تقریر میں مصطفیٰ کمال نے دستاویزی ثبوت پیش کرکے ترکوں کی قومی جد و جہد اور جنگ آزادی کے تمام مرحلوں کی تفصیل بیان کی - اس جد و جہد کا آغاز ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء سے ہوا جب انہوں نے پہلی بار صامسون میں آ کر سرزمین اناطولیہ پر قدم رکھا تھا - انہوں نے جمہوریہ کی بنیاد رکھنے اور اصلاحات نافذ کرنے کے اقدامات کا بیان کیا اور ان مخالفتوں کا بھی ذکر کیا جو اس سلسلے میں پیش آئیں - انہوں نے اپنی تقریر کا خاتمہ اس خطاب پر کیا جس میں وہ ترکیہ کے نوجوانوں سے مخاطب تھے اور جن کے ہاتھوں میں انہوں نے جمہوریۂ ترکیہ کے مستقبل کی باگ ڈور سونپی تھی - خطاب کے الفاظ یہ تھے :

"ترکیہ کے نوجوانو ! تمھارا اولین فرض یہ ہے کہ ترکوں کی آزادی اور جمہوریۂ ترکیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ و مامون کر دو -

"جوانو ! تمھاری بقا اور تمھارے مستقبل کی واحد بنیاد یہی ہے - مستقبل میں بھی ملک کے اندر اور ملک سے باہر ایسے بدخواہ و بد طینت اشخاص بھی ہوں گے جو تمھیں آزادی کی دولت سے محروم کرنا چاہیں گے - اگر تمھیں کسی روز اپنی آزادی اور جمہوریۂ ترکیہ کی حفاظت کے لیے میدان میں

آنا پڑے تو اپنا فریضہ سنبھالنے سے پہلے بے تامل حالات کا جائزہ لے لینا ۔ ممکن ہے کہ اس وقت حالات اور امکانات انتہائی ناسازگار ہوں ۔ ممکن ہے کہ وہ دشمن جو تمھاری اور تمھاری جمہوریہ کی آزادی سلب کرنے کے منصوبے بنائیں ان کے پیچھے فتح و ظفر کی ایسی روایتیں ہوں جن کی نظیر ساری دنیا میں نہ نکلے ۔ یہ حادثہ بھی واقع ہو سکتا ہے کہ تمھارے وطن مالوف کے تمام قلعے دشمن جبر و استبداد سے چھین لے ۔ ممکن ہے کہ تمھاری جہاز سازی کی گودیاں اس کے قبضے میں چلی جائیں ، تمھاری فوجیں تتر بتر ہوجائیں اور غنیم حملہ کرکے سارے ملک پر چھا جائے ۔ اس سے زیادہ غم ناک اور نہایت نازک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ تمھارے وطن کے ارباب اقتدار بالکل بے بصیرت اور گمراہ ہو جائیں ۔ ارباب حکومت حملہ آوروں کے سیاسی منصوبوں کے ساتھ اپنے ذاتی مفادات وابستہ کر دیں اور تمھارا ملک افلاس کا شکار ہو کر درماندہ و برباد ہو جائے ۔

”ترکیہ کے مستقبل کے فرزندو ! ان تمام مایوس کن حالات میں تمھارا فرض ہوگا کہ تم ترکیہ کی آزادی اور جمہوریۂ ترکیہ کی حفاظت کرو ۔ اس مقدس فریضے کو انجام دینے کے لیے تمھیں جو طاقت درکار ہوگی وہ اس شریف خون میں موجود ہے جو تمھاری رگوں میں دوڑ رہا ہے ۔“

لوزان کانفرنس جس نے ۲۰ نومبر ۱۹۲۲ع کو کام شروع کیا تھا ، اُس فتح کے انعامات طے کرنے کے لیے منعقد ہوئی تھی جسے ترکوں نے جنگ آزادی کے نتیجے میں انتہائی تکالیف اٹھا کر بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا ۔ اس کانفرنس میں ترکیہ نے پہلی مرتبہ جنگ عظیم کے فاتحوں سے آنکھیں چار کیں ۔ مصطفٰی کمال جانتے تھے کہ ترکیہ کے حقوق آسانی سے یا فوراً تسلیم نہیں کیے جا سکتے اور وہ کوشش کرتے رہے کہ اس سے سازگار نتائج حاصل

ہوں ۔ انھوں نے ترکی وفد کے قائد عصمت پاشا سے رابطہ قائم رکھا اور انھیں ہدایت کر دی کہ کانفرنس سے کوئی خط یا تار رات گئے بھی وصول ہو تو اُسے فوراً میری طرف بھیج دینا ۔ وہ یہ خیال رکھتے تھے کہ عصمت پاشا کے خطوں وغیرہ کا جواب فی الفور بھیجا جائے ۔ اس طرح عصمت پاشا کو یہ سہولت حاصل تھی کہ کانفرنس میں جو بات زیر بحث آتی تھی وہ اُس کے متعلق ہر وقت اپنی حکومت کا نقطۂ نظر پیش کر سکتے تھے ۔

مصطفیٰ کمال کو اندازہ تھا کہ کانفرنس کے مباحثات اپنے اولین مرحلوں میں قدرتاً بہت شورش آمیز ہوں گے ۔ ترکوں کے مفاد کی مخالفت کی جائے گی اور ابتدائی کارروائیاں ناسازگار ہوں گی ۔ ظاہر تھا کہ لوزان کانفرنس میں جن مسائل پر بحث ہونی تھی وہ جدید تو تھے نہیں ، گڑے مردے اکھڑنے تھے اور صدیوں کے حساب چکائے جانے تھے ۔ اُن مراعات کو منسوخ کرنا ضروری تھا جو عثمانی حکومت نے دول یورپ کو عطا کر رکھی تھیں ۔ حسب معمول مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ جب قومی مفادات زیر بحث آئیں گے تو نتیجہ ضرور ہمارے حق میں نکلے گا ۔ اس سلسلے میں ایک مرتبہ انھوں نے یہ کہا :

"اصولاً تو یہی مناسب تھا کہ صدیوں پرانے جھگڑے ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاتے کیونکہ ترکیہ کی سابقہ حکومتوں نے جن غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا یا زمانۂ ماضی میں جو نرم رویہ اختیار کیا تھا ، اُس کی ذمہ داری ہم پر عاید نہیں ہوتی تاہم اپنے ملک کو آزادی و حریت سے ہمکنار کرنے کی خاطر ہمارا فرض تھا کہ تمام مشکلات پر قابو پائیں اور قربانیاں دیں ۔ بہ ایں ہمہ اس بات کا یقین تھا کہ نتیجہ سازگار نکلے گا ۔ ہمارے مطالبات چند واضح اور فطری حقوق پر مشتمل تھے ۔ علاوہ ازیں ہم اپنے حقوق حاصل کر لینے اور انھیں محفوظ رکھنے کی طاقت بھی رکھتے تھے ۔ اس مقصد کے لیے ہمارے

پاس کافی طاقت تھی ۔"

مصطفیٰ کمال جو سیاسی پارٹی بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے ، اُس سے ترکوں کو متعارف کرنے کے لیے انھوں نے دورہ کیا تھا ۔ اس زمانے میں انھیں اس بات کا یقین تھا کہ لوزان کانفرنس کامیاب ہوگی ۔ صلح کے متعلق پیرس وغیرہ میں جو مباحثات ہوئے تھے ، انھیں تو اتحادی حکومتوں کے وفود نے اٹھا کر طاق پر رکھ دیا اور اُن کی جگہ ترکی وفد کو نئے معاہدے کا مسودہ پیش کیا ۔ یہ مسودہ بہ لحاظِ مضمون اور بہ لحاظِ نیت ، ہر طرح ترکیہ کے تصور آزادی کے منافی تھا، لہٰذا ترکی وفد نے اُسے مسترد کردیا اور اُس کے بجائے اپنی جوابی تجاویز پیش کر دیں ۔ اس مرتبہ اتحادیوں نے ترکوں کی تجاویز کو مسترد کیا اور کانفرنس غیر معین مدت کے لیے ملتوی ہوگئی ۔

ترکی وفد کے واپس آجانے کے بعد اسمبلی کے چند نمائندوں نے نکتہ چینی و اعتراض کی مہم شروع کی اور مطالبہ کیا کہ ہمیں ہر قیمت پر اتحادیوں سے صلح کرلینی چاہیے۔ اس سلسلے میں مصطفیٰ کمال کو عوام کے احساسات کا اندازہ تھا اور اسی اعتماد پر انھوں نے نئے انتخابات کا سوال کیا جو منظور ہوا ۔ لوزان کانفرنس ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو پھر منعقد ہوئی ۔ اس مرتبہ مصطفیٰ کمال اور ترکی وفد کے قائد عصمت پاشا کے اشتراکِ عمل سے صلح کی گفت و شنید بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی ۔

۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء کو صلح نامے پر دستخط ہوئے اور ترکوں کی قومی جد و جہد کا انجام یہ ہوا کہ سیاسی حکمت عملی میں بھی انھی کو فتح حاصل ہوئی ۔ ملک نے جو قربانیاں دی تھیں اور کوششیں کی تھیں اُن کا موزوں انعام یہ ملا کہ میدانِ جنگ میں بھی فتح نصیب ہوئی اور سیاسی میدان میں بھی کامیابی نے قدم چومے۔ ان دونوں فتوحات میں مصطفیٰ کمال نے اپنی زبردست شخصیت کی بدولت نیز اُس اعتماد کے سہارے جو انھیں قوم پر تھا ، خاص

کارگزاری دکھائی - "میثاق ملی" میں ملک کی جو حدود متعین کی گئی تھیں انھی حدود میں ترکیہ کی نئی اور طاقت ور سلطنت قائم ہوئی - مصطفیٰ کمال نے صلح نامہء لوزان کی اہمیت ان الفاظ میں واضح کی :

"یہ صلحنامہ اس بات کی سند ہے کہ دشمنوں نے صدیوں سے ترکیہ کے خلاف جو منصوبے بنائے تھے اور جو معاہدۂ سەور کی صورت میں کامیاب ہو جاتے ، اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُن پر پانی پھر گیا ہے - یہ ایسی سیاسی فتح ہے کہ جس کی نظیر عثمانی سلطنت کی تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی ."

باب ۱۲

مصطفیٰ کمال — جمہوریہ ترکیہ کا بانی اور پہلا صدر

عظیم ترکی قومی اسمبلی کی حکومت جس نے ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء سے عملی طور پر ترکیہ کی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی درحقیقت جمہوری تھی۔ جب تک کہ 'میثاق ملی' کی جد و جہد جاری تھی، مصطفیٰ کمال نے اس حقیقت کا اعلان کرنا نہ چاہا۔ وہ چاہتے تھے کہ طرز حکومت کے متعلق ان جھگڑوں سے بچتے ہی رہیں جن سے ملک کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا اندیشہ ہو کیونکہ قوم اس وقت دشمن سے لڑنے میں مشغول تھی۔ اصلاحات کی ہر منزل میں مصطفیٰ کمال نے یہی شیوہ اختیار کیا کہ قوم کے شعور و ادراک میں جدید ترقیوں کی جو صلاحیت ہے اس کو قومی راز کی طرح اپنے سینے میں محفوظ رکھیں اور صرف اس وقت اس کا اظہار کریں جب معاشرتی اصلاح کے اقدام کا صحیح وقت آ جائے۔

پہلی قومی اسمبلی کے خاتمے اور دوسری اسمبلی کے انتخابات کے درمیان میں جو وقفہ ہوا اس میں مصطفیٰ کمال نے خصوصی ماہروں سے نیا آئین بنانے کی فرمائش کی۔ وہ کبھی کبھی ان کے مباحثوں میں بہ حیثیت صدر شریک بھی ہوتے اور ان کے کام کی رہنمائی بھی کرتے۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ:

"ترکیہ کی قومی اسمبلی کے صدر اور سربراہِ حکومت کے عہدوں کو باہم ملا دینا اور اس حقیقت کے اظہار سے گریز کرنا کہ ملکی حکومت حقیقتاً جمہوری ہے، کمزوری کی علامت ہے۔"

انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ:

"یہ بات ناگزیر ہے کہ موقع ملتے ہی جمہوریت کا اعلان

کردیا جائے اور جمہوریہ کے صدر کو سربراہ مملکت کے اختیارات دے کر محفوظ حالات پیدا کر دیے جائیں ۔"

مصطفٰی کمال نے اپنے خیالات کا اظہار پہلے پہل اس وقت کیا جب انھوں نے نئے اور آزاد اخبارات کے نمائندوں سے ۲۲ ستمبر ۱۹۲۳ع کو ملاقات کر کے یہ بیان دیا :

"ترکیہ کی نشأۃِ ثانیہ کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا ۔ یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ملک کی آئینی ترقی مکمل ہو چکی ہے ۔ آئین کی اصلاح، ترمیم اور تکمیل کا کام جو نہایت ضروری ہے ابھی باقی ہے ۔"

۱۳ اکتوبر ۱۹۲۳ع کو عظیم قومی اسمبلی میں وزیر خارجہ عصمت پاشا اور ان کے متعدد رفیقوں کی دستخط کردہ ایک قرارداد منظور کی گئی جس سے بحث و مباحثہ ختم ہوکر یہ فیصلہ ہوگیا کہ حکومت ترکیہ کا دارالسلطنت انقرہ ہوگا ۔ اس طرح آئین میں ایک دفعہ کا اضافہ ہوا جس سے ملک کے دارالسلطنت کا مسئلہ طے ہوگیا ۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ع کو کابینہ میں ایک بحران پیدا ہوا جس سے مصطفٰی کمال کو اپنے منصوبوں کی تکمیل کا موقع مل گیا ۔ دوسری اسمبلی کے افتتاح کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۲۳ع کو فتحے بے نے ایک کابینہ قائم کی تھی جس کی مخالفت اسمبلی میں شروع ہی سے ہوتی رہی ۔ مصطفٰی کمال جانتے تھے کہ اسمبلی میں ایک ایسا گروہ موجود ہے جس نے کابینہ کا کام ناممکن بنا دیا ہے ۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ع کو انھوں نے کابینہ کے وزیروں کو چانکیہ (انقرہ) میں اپنے مسکن پر بلایا اور انھیں ہدایت کی کہ مجموعی طور پر استعفا دے دیں اور جب دوبارہ وزارت کی پیش کش کی جائے تب بھی انکار کردیں ۔ البتہ ایک شخص یعنی چیف آف جنرل سٹاف کو جو کابینہ کا رکن تھا ، انھوں نے اس حکم سے مستثنٰی رکھا ۔

مصطفٰی کمال یہ مظاہرہ کرنا چاہتے تھے کہ حزب مخالف ملک کے انتظام کے لیے حکومت کی تشکیل سے قاصر ہے ۔ ان کا یہ مظاہرہ

کامیاب ہوا کیونکہ ۲۸ اکتوبر کی شام تک اسمبلی کے نمائندے باہم متفق ہو کر وزیروں کی فہرست پیش نہ کر سکے۔ رات کے وقت مصطفٰی کمال نے اپنے بعض رفیقوں کو عشائیہ پر مدعو کیا۔ عشائیہ کے دوران میں موصوف نے فرمایا: "ہم کل جمہوریت کا اعلان کریں گے۔"

اس بات پر تمام اشخاص نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ جب مہمان چلے گئے مصطفٰی کمال اور وزیر خارجہ عصمت پاشا اس مقصد کے لیے قانون کا مسودہ تیار کرنے کو بیٹھے۔ انھوں نے ۲۰ جنوری ۱۹۲۱ء والے آئین کی دفعہ نمبر ۱ کی ترمیم ان الفاظ سے کی: "مملکت ترکیہ کی حکومت جمہوری ہے۔"

بعد ازاں دوسری دفعات میں بھی تبدیلیوں کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۹ اکتوبر کو عوامی پارٹی کی اسمبلی والی جماعت نے کابینہ کی تشکیل کے لیے دوبارہ بحث شروع کی۔ اس سلسلے میں بعض الجھنیں پیدا ہوئیں تو کچھ نمائندوں نے مصطفٰی کمال سے درخواست کی کہ صدر جماعت کی حیثیت سے رہنمائی فرمائیے۔ موصوف نے اس مقصد کے لیے تھوڑی سی مہلت چاہی۔ انھوں نے اس مختصر عرصے میں چند نمائندوں کو اپنے کمرے میں بلایا اور ان کے سامنے مسودہ رکھا جو انھوں نے گذشتہ رات تیار کیا تھا۔ بعد ازاں انھوں نے پوری جماعت کے سامنے بیان دے کر یہ وضاحت کی کہ آئین کی بعض دفعات ترمیم طلب ہیں۔

جب مصطفٰی کمال اس اجتماع سے باہر نکلے تو حاضرین نے ایک کلرک کو ہدایت کی کہ مصطفٰی کمال اور عصمت پاشا کا تیار کردہ مسودہ پڑھ کر سنائے۔ اب تک نمائندوں کو خاک معلوم نہ تھا لیکن اب ان پر یکایک یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مصطفٰی کمال جمہوریت کا اعلان کرنے کی تجویز کر چکے ہیں۔ اس کی موافقت اور مخالفت میں لمبے چوڑے بحث و مباحثے ہوئے لیکن بالآخر مسودہ تیار ہو گیا اور فوراً عظیم قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا۔ شام کے ساڑھے آٹھ بجے تھے کہ 'جمہوریہ زندہ باد' کے نعروں میں یہ قانون

منظور ہو گیا۔ پندرہ منٹ بعد مصطفلی کمال جو انقرہ کے نمائندے تھے بالاتفاق جمہوریہ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس وقت موصوف کھڑے ہوئے اور ایک بیان دیا جس میں اس نئے فیصلے کی اہمیت واضح کی اور ترکیہ کی تاریخ میں عصر نو کا جو آغاز ہوا تھا اس کے پروگرام کا خاکہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

"محترم رفیقو! آپ کی ذی شان اسمبلی اُس قانون کو منظور کر چکی ہے جو آئین کی بعض دفعات کی وضاحت کے لیے ایک خصوصی کمیٹی نے تیار کیا تھا۔ یہ قانون اس بات کی دستاویز ہے کہ ساری دنیا میں غیرمعمولی اہمیت کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، آپ کی قوم اُن سے پورے طور پر با خبر ہے۔ ترکی حکومت کی وضع جسے دنیا جانتی تھی یا جسے جاننا لازم تھا، بالآخر صحیح بین‌الاقوامی تعریف کے مطابق کر دی گئی ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اب تک صدر اسمبلی کے فرائض آپ نے اپنے جس ادنلی رفیق (مصطفلی کمال) کو تفویض کیے تھے، وہی اب صدر جمہوریہ کی حیثیت سے آپ کی خدمت کرے گا۔ آپ نے یہ منصب مجھے عطا کر کے ایک بار پھر اپنی اس محبت، ہمدردی اور اعتماد کا ثبوت دیا ہے جو آپ نے ہمیشہ میرے ساتھ روا رکھا ہے۔ اس طرح آپ نے اپنے جذبات تحسین کا بھی ثبوت دیا ہے جس کے لیے میں آپ کی ذی شان اسمبلی کا شکریہ تہِ دل سے ادا کرتا ہوں۔

"معزز حضرات! ہماری ترک قوم جو صدیوں سے جبر و استبداد کا شکار تھی، مشرق میں اپنے حقوق سے محروم رہی اور اس کے متعلق لوگ یہ سمجھتے رہے کہ اس میں بعض صفات کی کمی ہے حالانکہ قوم میں یہ صفات درحقیقت موجود تھیں۔ گزشتہ چند سال میں ہماری قوم نے جس قابلیت، ذہانت اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا ہے وہ ثابت کرتی ہے کہ یہ غلط رائے قائم کرنے والے اشخاص کوتاہ بین اور بے خبر تماشائی تھے۔

ملک کی وضع حکومت کو جمہوریہ کا نام دے کر ہم نے قوم کو یہ موقع بہم پہنچایا ہے کہ وہ مہذب دنیا کے سامنے اپنی صفات اور لیاقتوں کا بہتر مظاہرہ کر سکے -

''دوستو ! ترک قوم نے گزشتہ چار سال میں جو فتح حاصل کی ہے اور جس کے نتیجے میں یہ سربلند ادارہ یعنی جمہوریہ وجود میں آیا ہے ، وہ فتح ہمیں بار بار حاصل ہو گی - اگر آپ اپنے اس ادنیٰ خادم کو اپنے عطا کردہ یقین و اعتماد کا اہل سمجھتے ہیں تو میں آپ سے اپنی ایک اہم ضرورت کا اظہار کروں گا - میری حاجت یہ ہے کہ اس ذی‌شان اسمبلی نے مجھے جس ہمدردی ، اعتماد اور تائید کا مستحق سمجھا ہے. اُسے بدستور جاری رکھیے- اگر آپ نے ایسا کیا تو میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی امداد سے میں اپنے وہ فرائض کامیابی سے انجام دوں گا جو آپ نے مجھے تفویض کیے ہیں یا تفویض فرمائیں گے -

''میں اسمبلی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بالکل گھل مل کر کام کروں گا اور کبھی یہ نہ چاہوں گا کہ اُن کی امداد سے مستغنی ہو جاؤں - ہم مل کر آگے بڑھیں گے اور یہ یقین رکھیں گے کہ قوم کی حمایت ہی ہمارا واحد سہارا ہے - جمہوریۂ ترکیہ شاد کام ، کامیاب اور فتح مند ہوگی -''

ملک کے طول و عرض میں جمہوریہ کے قیام کا اعلان سو توپوں کی سلامی سے کیا گیا - مصطفیٰ کمال کو عصمت پاشا پر جو اعتماد تھا اُس کا ایک مظاہرہ اس طرح ہوا کہ موصوف نے عصمت پاشا کو حکم دیا کہ جمہوریہ کی کابینہ مرتب کیجیے -

جمہوریہ کے اعلان کے بعد مصطفیٰ کمال نے محسوس کیا کہ خلافت کا منصب بعض خطروں کا سرچشمہ بن چکا ہے - ممکن ہے کہ یہ خلافت جمہوریہ پر چھا جائے اور اُس کے دشمنوں کا آلۂ کار بن جائے - بہ ہر تقدیر، مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ سلطان کی معزولی سے خلافت کی معزولی خود بخود لازم آتی ہے کیونکہ یہ دونوں ایک

ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں ۔ تاہم وہ خلافت کا خاتمہ کرنے کے لیے مناسب وقت اور موقع کے منتظر تھے تا کہ اس سلسلے میں جو قدم اٹھایا جائے اس کی منطقی دلیل موجود ہو ۔ انھی دنوں حالات میں کچھ ایسے تغیر و تبدل ہوئے کہ مصطفیٰ کمال کے اندیشے بجا ثابت ہوئے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ خود خلیفہ اپنے مقام و منصب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ جب عبدالمجید آفندی کو خلیفہ منتخب کیا گیا تھا تو ان سے یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ آپ اپنے آپ کو ''خلیفۃ المسلمین'' سمجھیں اور ایک اعلان کے ذریعے دنیائے اسلام پر یہ بات واضح کر دیں کہ ترکوں کی عظیم قومی اسمبلی نے جو مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے اس کے لیے میں اسمبلی سے خوشنود ہوں ۔ نیز آپ کو یہ بھی لازم ہے کہ قومی اسمبلی کی خدمات کا تعریفی بیان کریں اور سلطان وحید الدین کے کردار کی خامیاں آشکار کر دیں ۔

اس پر خلیفہ عبدالمجید آفندی نے یہ جواب دیا کہ میرے دستخط کے اوپر ''خلیفہ المسلمین و خادم الحرمین'' کے جو القابات لکھے جاتے ہیں مجھے ان پر قناعت نہیں ہے ۔ نیز مجھے سلطان وحیدالدین کا بھلا یا برا ذکر کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور میری طرف سے دنیائے اسلام کے نام جو اعلان جاری ہو وہ صرف ترکی زبان میں نہ ہو بلکہ عربی میں بھی ہو ۔ اگرچہ ان کی کچھ باتیں مان لی گئیں لیکن وہ حکومت جمہوریہ کی بعض ہدایات کی خلاف ورزی کرتے رہے ۔ مثلاً اپنے دستخط میں عبدالمجید بن عبدالعزیز خاں کے الفاظ لکھتے جس سے ان کے والد کی سلطنت کا اشارہ ہوتا اور اس کے اوپر ''خلیفۃ الرسول و خادم الحرمین'' کا خطاب درج کرتے ۔ بعض اشخاص جنھیں خلیفہ عبدالمجید کے مزاج میں خاص دخل تھا ، ان سے وعدہ کیا کرتے کہ ہم آپ کے حقوق کا تحفظ کریں گے ۔ ان واقعات سے مصطفیٰ کمال کا یہ اندیشہ برابر بڑھتا گیا کہ ان باتوں سے قوم کے اصول حاکمیت پر زد پڑتی ہے ۔ بعض سیاست مآب یہ لاف زنی بھی

کرتے تھے کہ:

"خلیفہ کی ذات بجائے خود حکومت ہے اور کسی شخص بلکہ اسمبلی کو یہ منصب حاصل نہیں ہے کہ حقوق خلافت کو منسوخ کر دے۔"

ان سب باتوں کے یہ معنی تھے کہ خلافت کے پردے میں ادارۂ سلطنت کے وجود کو قائم رکھا جائے۔ کسی نمائندے نے اس مضمون کا ایک ورق بھی چھاپ کر شائع کر دیا کہ "خلیفہ اسمبلی کا ہے اور اسمبلی خلیفہ کی"۔ اس کے علاوہ بعض اور واقعات بھی رونما ہوئے جن کا تقاضا تھا کہ خلافت کا قصہ پاک ہی کر دیا جائے۔

لیکن ایک خاص بات جس نے مصطفیٰ کمال کو منصب خلافت کی معزولی پر کمر بستہ کیا یہ تھی کہ وہ جن سماجی اور غیر مذہبی اصلاحات کا منصوبہ بنا رہے تھے، خلافت کا وجود ان کی راہ میں حائل تھا۔ صلحنامۂ لوزان پر دستخط کرنے سے کافی عرصے پہلے انھوں نے ملک کا دورہ کیا تھا اور لوگوں کو خلیفہ اور منصبِ خلافت کے صحیح معنی سمجھائے تھے۔ انھوں نے واضح کیا تھا کہ عوام کا یہ اعتقاد بالکل بے بنیاد و باطل ہے کہ ترکی خلیفہ پورے عالم اسلامی کا فرماں روا اور محترم ہے۔ انھی دنوں استنبول کے اخبارات میں بھی آئے دن ایسے مضامین شائع ہونے لگے جن میں خلیفہ کی مذہبی حیثیت کا انکار تھا۔ غرض مصطفیٰ کمال نے فیصلہ کیا کہ اب اس قصے کو ہمیشہ کے لیے پاک کر دینے کا وقت آ گیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے ۴ تا ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء ازمیر میں فوجی نقل و حرکت اور حربی داؤ پیچ کے مظاہرات کے پردے میں فوج کے چھوٹے بڑے کمانداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کیا۔ وزیر اعظم عصمت پاشا اور چیف آف جنرل سٹاف فوزی پاشا ان کی جلو میں تھے۔ ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ منصبِ خلافت اور وزارتِ شریعت و اوقاف کو منسوخ کر دیا جائے۔ چیف آف جنرل سٹاف جو کابینہ کا رکن ہوتا ہے،

رکنیت سے الگ ہو جائے نیز تعلیمی اداروں کا طرز و انداز ایک کر دیا جائے۔

یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال نے افتتاحی تقریر کی جس میں ان اقدامات کا ذکر کیا جو: "جمہوریہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر قسم کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری تھے۔"

اگلے روز اسمبلی کی عوامی پارٹی والی جماعت نے ضروری فیصلے کیے۔ ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو اسمبلی نے تین قانون منظور کیے جن میں سے پہلے قانون کے بموجب خلافت منسوخ کی گئی اور خانوادۂ عثمانیہ کے تمام افراد کو ترکیہ سے جلا وطن کر دیا گیا۔ خلافت کی تنسیخ سے حکومتِ جمہوریہ کے قیام کا کام مکمل ہو گیا اور مصطفیٰ کمال کو بالآخر یہ موقع مل گیا کہ اصلاحات کے پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں۔

باب ۱۳

مصطفیٰ کمال اتاترک ترکیہ میں مغربی قانونی نظام قائم کرتے ہیں

اتاترک کی نگاہ میں جنگِ آزادی کا مفہوم یہی نہیں تھا کہ غیر ملکی حملہ آوروں کو ترکیہ سے نکال باہر کیا جائے بلکہ ان کے نزدیک اس جد و جہد کی حدود وسیع تر اور اہم تر تھیں - یعنی یہ بھی ضروری تھا کہ جمہوریہ' ترکیہ کو عثمانی طور طریقوں اور طرز زندگی کے جنجال سے نجات دے کر ترکی معاشرے میں وہ سماجی اور تہذیبی قدریں رائج کردی جائیں جو ساری مہذب دنیا میں تسلیم کی جاتی ہیں - انھوں نے جنگ آزادی کے آغاز ہی میں اپنی ایک تقریر میں ان باتوں کا اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے :

"آزادی کے بعد ہمیں ایک اور قومی کارنامہ انجام دینا ہے - حب وطن کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے داخلی امور کی اصلاح کریں اور عملاً یہ ثابت کر دکھائیں کہ ہم مہذب قوموں کی برادری میں ایک کارگزار رکن کی حیثیت رکھتے ہیں - اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہمارا فرض ہے کہ سیاسی میدان کے بجائے سماجی میدان میں زیادہ کارگزاری دکھائیں -"

تاہم سماجی میدان میں وہ جو کام کرنا چاہتے تھے اس کی ماہیت کو واضح کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا - مہذب قوموں میں اپنی اہلیت جتانے کے لیے ترکیہ کو جو کچھ کرنا تھا اس کا زمانہ ابھی دور تھا - بہ ہر حال مصطفیٰ کمال کی بعد کی تقریروں نے یہ وضاحت کر دی کہ ان کی سماجی اصلاحات کی کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ ترک قوم کو تہذیب کے جدید تصور سے آشنا کیا جائے - ان کے یہ

الفاظ اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں :

" دنیا میں ہر قوم کی زندگی ، حقوق ، آزادی اور خود مختاری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس کا ماضی کیا تھا اور اس کے مستقبل کی ترقیاں کیا ہوں گی ۔

" تہذیب کی شاہراہ پر کامیابی کے ساتھ گام‌زن ہونا زندگی کے لیے نہایت اہم ہے ۔

" تہذیب کی ارفع و اعلیٰ قوت کے سیلاب میں وہ قومیں یقیناً تباہ ہو جائیں گی یا کم از کم ذلت و غلامی کا شکار ہو جائیں گی جو تہذیب جدید کے اس دور میں قرون اولیٰ یا قرون وسطیٰ کے طور طریقے سے زندگی بسر کرنا چاہیں ۔"

" ہمارا عظیم ترین کام یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو پستی سے اٹھاکر دنیا کی سب سے زیادہ مہذب اور خوشحال قوموں کی سطح پر لا کھڑا کریں ۔ عظیم ترکی قوم کا یہی وہ زلزلہ افگن نصب العین ہے جس نے صرف اس کے معاشرے ہی کی نہیں بلکہ فکر و خیال کی بھی اصلاح کی ہے ۔

اتاترک کے مندرجہ بالا الفاظ کے پس پشت یہ جذبہ کار فرما تھا کہ وہ ترکی معاشرے کو مشرق کے قدیم تصور سے ہٹا کر آگے بڑھا دیں ۔ اسی تصور نے دنیا بھر کے مذہبی رجحانات اور خیر و شر کے معیاروں پر اثر انداز ہوکر تمام مادی اور اخلاقی ترقیوں کو اُن کے زیر اثر کر دیا تھا ۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بلوغ فکر و خیال روحانی تطہیر کا متقاضی تھا ۔ مذہبی وابستگی کا مطلب اب یہ تھا کہ مہذب دنیا سے سارے رابطے کاٹ کر بیٹھ جاؤ ۔ مذہبی نقطۂ نظر یہ تھا کہ دنیا سرائے فانی ہے اور عقبیٰ سرمدی ۔ اس تصور نے دنیا کی تمام اقدار کو باطل ٹھہرا دیا تھا اور یہ سمجھایا تھا کہ تہذیب مغربی ساری دنیا میں نئی قدریں قائم کرنے اور اُن سے بہرہ‌مند ہونے کی جو کوشش کر رہی ہے وہ سعیِ لاحاصل اور فکر باطل ہے ۔

اتاترک کو یقین تھا کہ جب تک ترکیہ میں تہذیب اور مذہب کے یہ قدیم تصورات باقی رہیں گے ، قوم ترقی اور خوشحالی سے محروم رہے گی ۔ اس کے باوجود اُن کا یہ خیال ہرگز نہیں تھا کہ صنعتی ترقی یا مادی خوشحالی کے حصول کی خاطر لوگ اخلاق و مذہبی اقدار سے کنارہ کش ہو جائیں ۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ تہذیب ہر قسم کی ترقی کی ضامن ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسانیت یک جہتی کے ساتھ اپنی مشترکہ کوششوں سے عوام کو مادی اور روحانی ترقی سے ہم کنار کر دے ۔ اُن کا خیال تھا کہ مہذب انسان عقل و فکر اور فہم و ذکا کی پیروی کرتا ہے ۔ مہذب آدمیوں کے انداز فکر میں وضاحت، حقیقت پرستی ، ہمدردی ، انسانیت اور شفقت کے جذبات پیش پیش ہوتے ہیں ۔

اتاترک اس نظریے کے قائل تھے کہ ترک قوم کی تاریخ اُس کی تہذیب کے مظاہروں سے بھرپور ہے ۔ ترکوں کے آبا و اجداد نے مختلف اوقات میں دنیا کے متعدد حصوں میں تہذیب کی شمع روشن کی تھی ۔ لیکن دور حاضر میں وہ قدیم تہذیبیں اس قابل نہ رہی تھیں کہ ترکوں کو با وقار زندگی کا مستحق بنا سکیں ۔ زندگی کا استحقاق حاصل کرنے کے لیے ہر نسل کا فرض ہے کہ نئی تہذیب کی تخلیق کرے ۔ علاوہ ازیں ترکوں کا فرض تھا کہ اپنے اسلاف کے قابل قدر سپوت ہونے کے ثبوت میں وہ تہذیب کو ترقی دیتے رہیں ۔

اتاترک کو یقین تھا کہ مذکورہ بالا نصب العین کو حاصل کرنے کی خاطر ترکیہ کو مغربی ممالک کی اُس تہذیب سے وابستگی پیدا کرنا ضروری ہے جس سے وہ صدیوں سے بیگانہ رہ چکا ہے ۔

اتاترک کا قول تھا کہ دنیا میں سینکڑوں قومیں ہیں لیکن تہذیب کی دنیا ایک ہی ہے ۔ اگر کسی قوم کو آگے بڑھنے کی خواہش ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ دنیائے تہذیب میں داخل ہو جائے جس کے دروازے تمام بنی نوع انسان کے لیے کشادہ ہیں ۔ مندرجہ ذیل اقتباسات اُن کے نظریے کی وضاحت کرتے ہیں :

"ہم اپنی آنکھیں بند کر کے یہ فرض نہیں کر سکتے کہ ہم ساری دنیا سے کٹ کر رہ سکتے ہیں - ہم اپنے گرد حصار کھینچ کر یا بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھ کر باقی دنیا سے قطع تعلق نہیں کر سکتے - اس کے برعکس ہم ایک ترقی پذیر اور حیات تازہ پائی ہوئی قوم کی حیثیت سے تہذیب کے افق پر نمودار ہوں گے -

''کیا کوئی ایک ملک بھی ایسا ہے جس نے تہذیب کے میدان میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا ہو اور اس مقصد کے لیے مغربی ممالک سے رجوع نہ کیا ہو ؟"

ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اتاترک کے نزدیک مغربی اقوام ہی مہذب و متمدن قومیں تھیں - اُن کے خیال میں تہذیب سے وابستہ ہونے کے یہ معنی تھے کہ سائنس ، صنعت ، علوم و فنون ، وضع قطع ، طریقۂ تنظیم غرض ہر بات میں اقوام یورپ کی تقلید کی جائے - انھیں یقین تھا کہ اصلاحات کا باقاعدہ نفاذ صرف اُسی وقت ہوگا جب ہم اپنے نظریات کو عملی جامہ پہنا دیں - للہذا اُن کی خواہش تھی کہ اپنے خیالات کو معرض عمل میں لائیں اور حکومت ترکیہ نیز ترک معاشرے کو ایسے سانچے میں ڈھال دیں کہ وہ مغربی تہذیب و معاشرت کا جز بن جائے -

ترکیۂ جدید کی جو مملکت ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو قائم کی گئی تھی اُسے ایک نئے قانونی نظام کی حاجت تھی - اس نظام کو عثمانیہ نظام قانونی کی بنیاد پر قائم کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ وہ ملک کا قانونی نظام ہونے کے بجائے مختلف مذہبی فرقوں کے فقہ کا ملغوبہ تھا - عثمانی دور حکومت میں مسلمانوں کے مختلف فرقے ، ترکیہ کی عیسائی رعایا اور وہ عیسائی جو ترک رعیت نہ تھے ، سب کے سب اپنے اپنے مذہبی قانون اور روایات کے حامل تھے جنھیں قانون کی حمایت حاصل تھی - اس اختلاف و ابتری کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں اسلام حکومت کا مذہب تھا اور عثمانی حکومت نے اپنے مختلف

اداروں کو اسلامی حدود کے دائرے میں محصور کر رکھا تھا۔

اتاترک اس بات کے قائل تھے کہ ترکیۂ جدید کی حکومت کا مستقبل اور زندگی اسی صورت میں محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ملک میں مختلف قوانین ہونے کے بجائے مشترکہ و متحد قانون کا رواج ہو۔ قومیت کا نظریہ کسی فرد واحد کا ذاتی نظریہ نہیں تھا بلکہ معاشرتی نظریات کا پابند تھا۔ اس نظریے کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام اشخاص جو ترکیہ کی حدود میں رہتے ہیں، رنج و راحت میں ایک دوسرے کے شریک ہوں اور باہم مل کر مسرت و خوش حالی کی زندگی بسر کریں۔ مذہب اور اجتماعی معاشرہ اگرچہ بظاہر دو مختلف چیزیں ہیں لیکن از روئے حقیقت دونوں ایک ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ تاہم نظام حکومت کا تقاضا یہی ہے کہ مذہبی معاملات کو امور حکومت سے الگ رکھا جائے۔ مذہب انسانوں کی عاقبت درست کرنے کا ضامن ہے لیکن حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ دین و مذہب کا لحاظ کیے بغیر رعیت کے افراد کی تنظیم کرے اور انھیں مذہب کے معاملے میں آزادی عطا کر دے۔ دونوں چیزوں کو الگ الگ ہی رکھا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس سے سیاسی قائدوں کو یہ فائدہ اٹھانے کی گنجائش نہ رہے گی کہ مذہب کی آڑ میں اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل کرسکیں۔ ان حقائق پر نظر کر کے اتاترک نے طے کیا کہ ترکیہ کی جدید حکومت کو ایسی لادینی حکومت بنائیں جو مذہبی میلانات سے محفوظ ہو۔ اس مقصد کے لیے یہ ضروری تھا کہ قوم میں معاشرتی اصلاحات کا نفاذ کر دیا جائے۔

معاشرتی اصلاحات کا قانونی پہلو اس وقت مکمل ہوا جب آئین اور نظام عدلیہ کو مذہب کی قیود سے نکال کر ترکی معاشرے کی بنیاد لادینی پر رکھی گئی اور اس کے انتظام و انضباط کے لیے فقۂ اسلامی کے بجائے سول قانون رائج کیا گیا۔ عدلیہ کو مذہب کی قید سے آزاد کر کے قانونی اصلاحات کی بنیاد رکھی گئی۔ دراصل

اتاترک نے مارچ ۱۹۲۲ء ہی میں نظام عدل کو غیرمذہبی بنانے کی ضرورت کا اشارہ کیا تھا۔ جو بیان انھوں نے دیا تھا وہ بجائے خود ایک لائحۂ عمل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اُس کے الفاظ یہ تھے:

''دنیا کی مہذب اقوام کے سول قانون ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ ترک قوم اور حکومت ترکیہ اب دنیا کی کسی مہذب قوم سے کمتر نہیں ہیں۔ ہماری تاریخ تو یہ ثابت کرتی ہے کہ نظام عدل کے معاملے میں ہم دوسری قوموں سے کچھ برتر ہی ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص بھی یہ گوارا نہ کرے گا کہ ہمارا ملکی قانون کسی مہذب ملک کے ضابطۂ قوانین سے کمتر ثابت ہو۔''

اس تقریر سے سال بھر بعد ۸ اپریل ۱۹۲۳ء کو اتاترک نے اپنے نونکاتی پروگرام میں ایک شق یہ بھی شامل کی کہ ضابطۂ قانون کی اصلاح کی جائے اور ترکیہ کے قانون کو یورپی نظام عدل کے تقاضوں اور ملکی ضروریات سے مطابق کر کے اس کی تکمیل کر دی جائے۔ اگرچہ یہ الفاظ آنے والی قانونی اصلاحات کا صاف اشارہ کر رہے تھے تاہم اتاترک نے مزید صراحت نہیں کی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ معاہدۂ صلح پر دستخط ہونے سے پہلے قانونی اصلاحات کی تفصیل کا ڈھنڈورا نہ پیٹیں۔ اس کے بجائے انھوں نے عمومی انداز میں اُن اصلاحات کی نوعیت کا ذکر کر دیا جو مستقبل میں ضروری تھیں۔

صلح نامۂ لوزان پر دستخط ہو جانے کے بعد اتا ترک نے فیصلہ کیا کہ خلافت کو جو قدیم اسلامی تہذیب کا مرکز و مستقر اور تحریک اصلاح کی راہ کا سنگ گراں ہے، منسوخ کر دیا جائے۔ ظاہر تھا کہ جب تک خلافت قائم رہے گی تب تک تہذیب اور عدلیہ کے دو تصور دوش بدوش قائم رہیں گے یعنی قدیم اسلامی تہذیب، تہذیب جدید کے ساتھ اور قدیم اسلامی نظام عدل جدید مغربی نظام عدل کے ساتھ موجود رہے گا۔ اس دو عملی کی وجہ سے

ملک کو بھی نقصان پہنچے گا اور اسمبلی کو بھی -

اسمبلی میں یکم مارچ ۱۹۲۴ع کو موصوف نے جو افتتاحی تقریر کی اُس میں صرف خلافت ہی کا مسئلہ نہیں اٹھایا بلکہ اتحاد تعلیم، نظام عدل اور قانون کی اصلاح، وزارت شریعت و اوقاف کی برطرفی کے مسئلے بھی پیش کیے - نتیجہ یہ ہوا کہ جب اسمبلی میں خلافت کی منسوخی منظور ہوئی تو اُس کے ساتھ یہ فیصلہ بھی ہو گیا کہ مذہبی مدارس بند کر دیے جائیں اور وزارت شریعت و اوقاف برطرف کی جائے - گزشتہ ڈیڑھ صدی میں جو جو اصلاحات عمل میں آئی تھیں ان کے مقابلے میں یہ اصلاحات انقلاب آفریں تھیں کیونکہ ان سے معاشرے کی وضع کچھ سے کچھ ہوگئی - ان تمام کارگزاریوں کا سہرا موصوف ہی کے سر ہے -

خلافت کے خاتمے سے نظام عدل اور ضابطۂ قانون کی نشأۃ ثانیہ کی وہ راہ کھل گئی جس کا منصوبہ اتا ترک نے بنایا تھا - انقرہ میں مدرسۂ قانون کھولا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ منصفوں کو جدید طرز فکر کے مطابق تربیت دی جائے - اس مدرسے کے افتتاح کے وقت مصطفیٰ کمال نے اصلاحات جدیدہ کے متعلق دوبارہ وضاحت کی اور اُن نظریات کا تفصیلی بیان کیا جنھیں وہ ایک سال پہلے مجمل طور پر بیان کر چکے تھے - آپ نے فرمایا :-

''ترکوں نے ملّی بقا کے لیے پچھلی صدیوں میں جو قاعدے ایجاد کیے تھے، اُن کی ہیئت اور روح بہت کچھ بدل گئی ہے - اب ترکوں نے کسی مذہب یا فرقے سے وابستہ ہونے کے بجائے اپنے تمام عوام کو مشترکہ ترکی قومیت کی لڑی میں پرو دیا ہے -

''ترکوں پر اب یہ حقیقت آشکار ہو گئی ہے کہ بین الاقوامی تہذیب و سیاست کی جد و جہد میں شامل رہنے کے لیے اُسے جس علمی، سائنسی اور مادی طاقت کی ضرورت ہے اُس کے حصول کے لیے تہذیب جدید سے وابستگی نا گزیر ہے -

''آج یہ ایک ناقابل انکار مسلمہ حقیقت ہے کہ جمہوریۂ ترکیہ میں پرانے قوانین اور طرز زندگی کے بجائے نئے قوانین حیات اور نئے ضابطے رائج ہو چکے ہیں۔ آپ کی کتابوں میں نیز اُن قوانین و ضوابط میں جو رائج ہوں گے، اس حقیقت کا اظہار کیا جائے گا۔''

اتا ترک کی اس تقریر کے ساتھ ہی ترکیہ کے ضابطۂ دیوانی کے خصوصی ماہروں کی کمیٹی نے نیا ضابطۂ دیوانی تیار کرنا شروع کیا تاکہ وہ اُس عثمانی ضابطۂ دیوانی کی جگہ لے لے جس کی اساس ''مجلہ'' پر یعنی فقۂ اسلامی پر تھی۔ یہ مجلہ یا ضابطۂ عدل اُنیسویں صدی میں ترکی معاشرے کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مدون کیا گیا تھا۔ اس ضابطۂ عدل نے اُن دنوں عثمانی نظام قانون کو بہت باقاعدہ بنا دیا تھا لیکن موجودہ زمانے میں جب کہ لامذہبیت دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہی ہے، اس ضابطۂ عدل سے ترکی معاشرے کا اِنتظام کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس کی نوعیت نیم قانونی اور نیم مذہبی تھی۔ علاوہ ازیں یہ ضابطہ بعض اہم موضوعات مثلاً قانون خاندان، قانون وراثت اور حیثیت عرفی سے بے تعلق تھا۔ اس ضابطے میں قانون تجارت کے متعلق جو تصریحات تھیں وہ دور جدید کی تجارت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھیں۔ غرض پہلی جنگ عظیم کے آغاز ہی میں اس ضابطۂ دیوانی کی کوتاہیاں آشکار ہو گئی تھیں۔ اس میں اصلاح کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کمیشن نے قانون ازدواج میں بعض نئی ترامیم رائج کرنے کے لیے عائلی قوانین کا نفاذ کیا جنھیں ''جماعت حریت و ایتلاف'' نے نہ چلنے دیا۔ آخر میں عظیم ترکی قومی اسمبلی کی حکومت نے ضابطۂ دیوانی میں جدید اصلاحات کیں۔

یکم مارچ ۱۹۲۲ء کو عظیم ترکی قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے مصطفٰی کمال نے اصلاحات کی حمایت میں خود 'مجلہ' کے اس اصول کا حوالہ دیا کہ:

''حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قانونی معاملات میں بھی لازماً

تبدیلی واقع ہوتی ہے ۔"

اسی اصول کی بنا پر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ 'مجلہ' میں ترمیم ہونی چاہیے ۔ اس مقصد کے لیے وزارت عدل نے ماہران خصوصی کے کمیشن مقرر کیے تا کہ موجودہ قوانین میں ترمیم کے ذرائع سوچیں ۔ ان کمیشنوں نے بہت کچھ کوشش کی لیکن اُن کی نظر اس حقیقت پر نہ پڑی کہ زمانۂ جدید میں عظیم صنعتی انقلاب کے باعث جدید اقتصادی حالات نے قوموں کو ایک دوسرے سے بے حد قریب کر دیا ہے ۔ یہ اقتصادی اتحاد اتنا قوی ہے کہ بڑے بڑے سیاسی تغیرات کے باوجود اقوام عالم نظام قانون کے معاملے میں ایک بڑے خاندان کی شکل اختیار کر چکی ہیں ۔ ان کمیشنوں نے اُن عظیم اصلاحی مہمات کی طرف بھی نظر نہ کی جنھیں واقعات عالم خود معرض وجود میں لا رہے تھے ۔ رفتار زمانہ اتنی گنجائش نہیں دے رہی تھی کہ یہ اصلاحی مہمات نئے ضابطۂ قوانین کا انتظار کرتی رہیں ، بلکہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ ترک قوم اُن پرانے قوانین و ضوابط سے دامن چھڑائے جو دور جدید کی روزانہ ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر تھے اور جن کی موجودگی میں ترک قوم دنیا کی دوسری اقوام کے ساتھ نہ چل سکتی تھی ۔ ان دوہری کوتاہیوں کی وجہ سے کمیشنوں نے یہ سفارش کی کہ وہی نظام قانون قائم رکھا جائے جس کی بنیاد 'مجلہ' یا قدیم نظام عدل پر ہو ۔

'مجلہ' کے ان طرف داروں کی کوششوں سے مصطفیٰ کمال نے ایک نیا سبق سیکھا ، یعنی اس طرح تو پرانے نظام عدل میں ترمیم ہونے سے رہی ۔ حال یہ تھا کہ ترک قوم کی ضروریات ایک نئے ضابطۂ دیوانی کی متقاضی تھیں ۔ مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ مہذب دنیا کی دیگر مہذب قوموں کی مانند ترک قوم کی جدید ضروریات کا یہی تقاضا تھا کہ ایسے قوانین وضع کیے جائیں جن سے دور جدید کی ضرورتیں پوری ہوسکیں ۔ اس یقین کے بموجب موصوف نے ترکوں کا وہ ضابطۂ دیوانی تیار کروایا جس نے پرانے ضابطۂ عدل کی جگہ

لے لی -

۱۹۲۴ء میں یہ احساس اور بھی بڑھ گیا کہ مغربی ممالک کے کسی ضابطۂ دیوانی کو بجنسہٖ اختیار کر کے اسے ترکوں کے ضابطۂ دیوانی کی حیثیت سے رائج کر دیا جائے - اس مقصد کے لیے مغربی ممالک کے ضابطہ ہائے دیوانی کا مطالعہ شروع کیا گیا - فرانس کے ضابطۂ دیوانی کے متعلق یہ اندازہ ہوا کہ بہت ہی قدیم و فرسودہ ہے - جرمنی کے ضابطۂ دیوانی کو بہت دقیق اور نا قابل عمل ٹھہرایا گیا - یہ دونوں نا منظور ہوئے - البتہ سوئٹزر لینڈ کے ضابطۂ دیوانی کو بہت جدید، قابل عمل اور جمہوریت نواز تسلیم کیا گیا - غرض ترکی حکومت نے فیصلہ کیا کہ سوئٹزر لینڈ کے ضابطۂ دیوانی کو بے کم و کاست اختیار کر لیا جائے - اس پر فوراً عمل ہوا - حکومت نے ۲۶ ماہران قانون کا کمیشن بنایا جس نے چودہ روز میں سوئٹزر لینڈ کے ضابطۂ دیوانی سے اخذ و استفادہ کرکے ترکیہ کا نیا قانون عدل یا ضابطۂ دیوانی تیار کر دیا - ساتھ ساتھ ایک اور خصوصی کمیشن نے اس ضابطۂ دیوانی کی مختلف دفعات کی تشریح کئی جلدوں میں تیار کر ڈالی - ضابطۂ دیوانی تیار ہو چکا تو منظوری کے لیے اس کا بل اسمبلی میں پیش کیا گیا - ۱۷ فروری ۱۹۲۶ء کو اسمبلی کے ارکان نے ہاتھ کھڑے کرکے بحث و مباحثے کے بغیر اسے منظور کر لیا اور اسی سال ۴ اکتوبر سے اس کا نفاذ ہو گیا - جہاد آزادی میں قانونی اصلاحات کا جو قدم اٹھایا گیا تھا، اس کی تکمیل جدید ضابطۂ دیوانی کی منظوری سے ہو گئی - اس ضابطے کے طفیل ترک، قوم جو پرانے اسلامی فقہ کی پابند تھی، اس جدید اور معاصر تہذیب کی حصہ دار بن گئی جس میں تمام دنیا کی قومیں شریک ہیں -

ترک خواتین کو بھی وہ حقوق حاصل ہوگئے جن سے وہ صدیوں سے محروم چلی آتی تھیں - یہ پاکیزہ قانون وضع ہو گیا کہ مرد صرف ایک عورت سے شادی کر سکے گا - یہی بیوی اس کے

بچوں کی ماں ہو گی - اسی قانون پر ترکوں کے عائلی ضابطے یا قانون خاندان کی بنیاد رکھی گئی - ترک شہریوں کے حقوق اور فرائض یکساں قرار پائے خواہ وہ کسی مذہب یا فرقے کے رکن ہوں -

ترکیہ کے ضابطۂ دیوانی کی ترویج سے ایک اور فائدہ ہوا - مغربی اقوام جو ترکیہ کے عیسائیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے کے بہانے ملکی سیاست میں مداخلت کرتی تھیں ، خاموش ہو گئیں -

صلح نامۂ لوزان کی دفعہ ۴۲ کے بموجب ترکیہ کی غیر مسلم رعیت کو اجازت تھی کہ جو معاملات اُن کی ذاتی حیثیت یا خاندانی قانون سے متعلق ہوں، اُن کا فیصلہ ان کی روایات و رسوم کے مطابق کیا جائے - نئے ضابطۂ دیوانی کی بدولت یہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق بھی ختم ہو گیا کیونکہ اُس کی بنیاد ایسے جدید قانون پر تھی جس کی قانونی حیثیت سے انکار ممکن ہی نہ تھا - اس ضابطۂ دیوانی کے منظور ہوتے ہی پہلے تو یہودیوں نے ، پھر یونان کے ثقہ طبقے نے ، کیتھولک فرقے اور آرمینیا نیز جارجیا کے باشندوں نے درخواستیں دیں کہ معاہدۂ لوزان کے تحت ہمیں جو خصوصی مراعات دی گئی ہیں ، ہم اُن سے دستبردار ہوتے ہیں ؛ ہمیں ترکی ضابطۂ دیوانی کے تحت رکھا جائے - حکومت نے یہ درخواستیں منظور کر لیں اور جدید مفاہمت کی بدولت قومی وحدت کی تکمیل ہو جانے سے قومیت کا ترقی یافتہ شعور عوام کے دماغ میں پیدا ہو گیا -

ترکی ضابطۂ دیوانی کے منظور ہو جانے سے یہ ضروری ہو گیا کہ قانون کی جملہ دفعات کو غیر مذہبی اصولوں سے مطابق کیا جائے - ۴ اکتوبر ۱۹۲۶ع ہی کو ضابطۂ دیوانی کے ساتھ ساتھ نیا ضابطۂ تعزیرات اور نیا قانون معاہدہ بھی معرض وجود میں آیا - ۱۹۳۰ع میں نئے قوانین منظور ہوئے جن سے عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کے قواعد کی شیرازہ بندی ہوئی نیز دیوالیوں اور سرکاری محصّلوں کے متعلق دفعات وضع کی گئیں -

اس طرح غیر مذہبی نظام قانون تو رائج ہو گیا لیکن سرکاری

اداروں اور ترکی معاشرے کو غیر مذہبی اساس پر قائم کرنے کی تمام کوششوں اور قانونی ضابطوں کے باوجود وہ آئینی ضوابط بدستور موجود رہے جو ان تصورات کو محو کر دیتے جو ایک غیرمذہبی جمہوریہ کی روح کے منافی ہیں۔ ضرورت تھی کہ اب ان آئینی ضوابط کو بھی حکومت اور معاشرے کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اپنی عظیم تقریر کے خاتمے میں مصطفٰی کمال نے اس ضرورت کی طرف اشارہ کیا کہ آئین کی ان دفعات میں بھی ترمیم کی جائے۔

۵ اپریل ۱۹۲۸ء کو عوامی جمہوری پارٹی والے ارکان اسمبلی نے آئین کو غیر مذہبی اساس پر قائم کرنے کا اصول منظور کر لیا۔ اسی روز یہ معاملہ عظیم ترکی قومی اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اسمبلی نے پہلے اسے اپنی آئینی کمیٹی کو غور کرنے کے لیے دیا پھر ۹ اپریل ۱۹۲۸ء کو اسمبلی کے ۲۶۹ حاضر نمائندوں نے بالاتفاق اصلاحات کے حق میں رائے دی۔ آئین کی دفعہ ۲ سے یہ الفاظ "جمہوریہ ترکیہ کا مذہب اسلام ہے" کاٹ دیے گئے اور قومی اسمبلی دفعہ ۲۶ کی اس پابندی سے آزاد ہوگئی کہ قانونی معاملات میں فقہ اسلامی کی پابندی کی جائے۔ اسمبلی کے نمائندے اور صدر جمہوریہ اپنے عہدے قبول کرتے وقت جو حلف اٹھاتے تھے اس کی عبارت بھی بدل دی گئی اور اس کے بجائے یہ الفاظ رکھے گئے کہ "میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔" غرض اس طرح ترکیہ کو غیر مذہبی اساس پر لانے کا کام قریب قریب مکمل ہوگیا۔

باب ۱۴

ترکیہ کی تعلیم و ثقافت کے سلسلے میں اتاترک کی عظیم خدمات

انیسویں صدی کے آغاز میں دولت عثمانیہ کی کوئی عمومی تعلیمی پالیسی نہ تھی۔ محلّوں میں مکتب تھے۔ کچھ مدرسے تھے جو مسلمان آبادی کو خالص مذہبی نوعیت کی تعلیم دیتے تھے۔ مکتبوں میں بچوں کو مذہبی علوم سکھائے جاتے تھے۔ اصول دین اور قرآن پڑھانے کے علاوہ حساب اور لکھنے کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مدرسوں میں عربی صرف و نحو، منطق، بلاغت، فقہ، الٰہیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ تاریخ، جغرافیہ اور دیگر کارآمد علوم قطعاً نظرانداز کر دیے جاتے تھے۔ مشاہدہ، مطالعہ اور انتقاد کے علمی اصول یک قلم متروک تھے۔ یہ مدرسے لوگوں کی دنیا کو درست کرنے کے بجائے فقط عقبیٰ کو سنوارتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنے طریقوں پر مسائل علمیہ کی تعلیم اور تعیین کی بھی کوشش کرتے تھے لیکن جب کبھی کسی قدرتی یا سماجی صورت حال کی توجیہ کی جاتی تو یہ مدرسے یا تو قدیم عقائد کا دامن تھامتے یا پرانے اصول پیش کر دیتے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں لوگوں کو یہ حقیقت محسوس ہونے لگی کہ مدرسے کی تعلیم سے معاشرے کی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ انھی دنوں دولت عثمانیہ نے طے کیا کہ مدرسوں میں جداگانہ تعلیمی نظام قائم کرنا چاہیے۔ غرض یورپین طرز کے اسکول کھولے گئے۔ انیسوی صدی کے وسط میں 'تنظیمات' کے نام سے جو تعلیمی تحریک چلی تھی اُس میں یہ رجحان اور بڑھ گیا۔ اس طرح ترکیہ میں سرکاری طور پر یورپین تعلیم کی داغ بیل پڑی۔ تاہم چونکہ عربی فارسی میں مذہبی تعلیم کا نصاب بڑی معزز حیثیت کا

حامل تھا ، لہٰذا مشرقی ثقافت کا پلہ بدستور بھاری رہا ۔ حکومت کے تعلیمی اداروں اور مدرسوں کے علاوہ ترکیہ کی حدود میں اقلیتوں کے اپنے اسکول بھی تھے جن میں وہ اپنے تیار کردہ نصاب کے مطابق اپنی زبانوں میں تعلیم دیتی تھیں ۔ مغربی اقوام کے کھولے ہوئے سکول اس کے علاوہ تھے جنھیں بالعموم غیرملکی مذہبی جماعتیں چلاتی تھیں اور ان سے اپنے لسانی ، مذہبی اور ثقافتی اثرات پھیلاتی تھیں ۔ یہ تمام اسکول اپنے اپنے نصب العین کے مطابق کام کرتے تھے اور ان کے وجود سے ایک ہی نسل کی زبان ، علم ، جذبات اور نقطۂ نظر میں فرق پیدا ہوتا تھا ۔ اس فرق و اختلاف کی بدولت ترکوں کی قومی ثقافت کی نشو و نما رک گئی تھی ۔ جد و جہد آزادی کے ابتدائی زمانے تک حالات کی رفتار یہی تھی ۔

جد و جہد آزادی کا نصب العین یہ تھا کہ قومی وحدت پیدا کر کے ترکی معاشرے کو غیرمذہبی سطح پر لایا جائے ۔ اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ جمہوریۂ ترکیہ میں عثمانی عہد کے تعلیمی نظریات کو ختم کر دیا جائے ۔ لیکن یہ کام آسان نہ تھا ۔ مدرسے بدستور موجود تھے جن میں یورپین زبانوں کو تو کیا ، خود ترکی زبان کو بھی علمی مقام حاصل نہ تھا ۔ مدرسوں کی تعلیم یافتہ نسل کا بڑا حصہ قومی تعلیم یعنی جدید تعلیم کا مخالف تھا ۔ علاوہ ازیں کسی نئی تعلیمی تحریک کو فروغ دینے سے پہلے اُن لوگوں کی نفسیات اور میلانات کا لحاظ کرنا بھی ضروری تھا جو صدیوں سے توہمات اور فکر عقبیٰ کی فضا میں پلے بڑھے تھے ۔

اتاترک کو یقین تھا کہ ترکیہ کی آزادی نیز قوم کی تہذیبی سطح اور ملک کی خوشحالی کا دار و مدار سراسر قومی تعلیم پر تھا ۔ اس نکتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے تمام مشکلات کے باوجود جد و جہد آزادی کے آغاز ہی سے قومی تعلیم کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا ۔ جنگ سقاریہ کے موقع پر انقرہ میں ایک تعلیمی سبھا منعقد ہوئی ۔ مصطفیٰ کمال نے اس سے خطاب کرتے ہوئے

اس تعلیم کا ذکر کیا جو وہ ترکی بچوں کو دلانا چاہتے تھے۔ موصوف نے فرمایا :

"مجھے یقین ہے کہ تعلیم و تدریس کے جو طریقے اب تک ہمارے ملک میں رائج ہیں ، وہی ہماری قوم کے تاریخی زوال کا اصلی سبب ہیں ۔ اسی لیے جب کبھی میں تعلیم کے قومی پروگرام کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ایسی ثقافت ہوتی ہے جو توہمات اور ان غیرملکی نظریات و خیالات سے پاک ہو جو ترکوں کی فطری و جبلی" صفات کے منافی ہیں ۔ میں ایسی ثقافت کو رواج دینا چاہتا ہوں جو ہماری قومی اور تاریخی صلاحیتوں کے شایاں ہو اور مغرب و مشرق کے مذموم اثرات سے پاک ہو ۔"

جب اناطولیہ کو دشمنوں سے پاک کر دیا گیا تو اکثر اشخاص یہ خیال کرتے تھے کہ اب ہم زندگی کے قدیمی طور طریقوں کے مطابق آرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کریں گے ۔ اتاترک کو لوگوں کا یہ خیال خطرناک معلوم ہوا ۔ انھوں نے سوچا کہ جس جوش اور جذبے نے ترک قوم کو جد و جہد آزادی کے معاملے میں سرگرم کر دیا تھا اس جوش و خروش کو قائم رکھ کر ان رجعت پسندانہ رجحانات کو ختم کر دیا جائے جو ملک کو تباہ کرنے میں دشمن کی فوجوں سے کم نہیں ہیں ۔ خود اتاترک کے دل میں وہی جوش و خروش قائم تھا ۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ اب تو ملک آزاد ہو گیا ہے ، اب آپ اور کیا کریں گے ؟ موصوف نے جواب دیا کہ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں وزیر تعلیم بن جاؤں اور قومی تعلیم کا معیار بلند کر دوں ۔ اگرچہ وہ وزیر تعلیم کبھی نہیں بنے لیکن انھوں نے تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بہت حصہ لیا اور اپنے کارناموں اور ہدایتوں سے تعلیمی مسائل کو حل کرتے رہے ۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ حکومت کا سب سے اہم لیکن سب سے زیادہ سود مند

فرض یہ ہے کہ قومی تعلیم کی طرف متوجہ ہو ۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ :

"اگر ہمیں اس میدان میں کامیابی کی آرزو ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ایسا تعلیمی پروگرام اختیار کریں جو قوم کے موجودہ حالات ، معاشرتی ضروریات ، ماحول کی نوعیت اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو ۔ جہالت کا قلع قمع کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم عملی طور پر قوم کے بچوں کو ایسی بنیادی اطلاعات مہیا کریں جو انھیں ملک کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں مفید اور تخلیقی کارگزاری کے قابل بنا سکیں ۔"

سقاریہ کی فتح عظیم کے بعد بھی مصطفٰی کمال انھی نظریات کی تبلیغ کرتے رہے ۔ اکتوبر ۱۹۲۲ع میں بہ مقام بروسہ انھوں نے استنبول کے استادوں کے وفد سے ملاقات کی اور وضاحت کی کہ ملک کی سماجی ترقی میں سکول نہایت اہم کردار انجام دیتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا :

"ہم جو کامیابی حاصل کر چکے ہیں وہ حقیقی فلاح و بہبود کی سطح تک نہیں پہنچتی ۔ جو عوامل یا طاقتیں کسی قوم میں ترقی و تخلیق کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں وہ ذہنی اور معاشرتی ہوتی ہیں ۔

"سب سے پہلے ہمیں انھی ذہنی اور معاشرتی طاقتوں کے سرچشموں کو پاک کرنا لازم ہے ۔ جو لوگ اپنے ملک اور ہم وطنوں کو بچانا چاہتے ہیں اُن کا پر جوش ، نیک نیت اور صاحب ایثار ہونا ضروری ہے ۔ لیکن معاشرے کی بیماریوں کی تشخیص کے لیے نیز اس کے علاج اور نشو و نما کے لیے محض یہی صفات کافی نہیں ۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق یہ بھی ضروری ہے کہ ملک کے بہی خواہ قائد اور عوام سب کے سب علم اور سائنس حاصل کریں ۔ علم و سائنس کی تحصیل کا دار و مدار اسکولوں پر ہے ۔ اسی لیے ہمیں اسکولوں کی

ضرورت ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اسکولوں کو احترام کی نظر سے دیکھیں ۔

"اسکول ہی وہ جگہ ہے جہاں قوم کے نونہالوں کو احترام آدمیت، حب وطن اور ہمدردیِ اہل وطن کا سبق پڑھایا جاتا ہے ۔ اسکول ہی میں انھیں عزت اور آزادی کا شعور دیا جاتا ہے ۔ ساری قوم کو اسکولوں ، طالب علموں ، استادوں اور سائنس دانوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جن کی بدولت ترک قوم ، ترکی فنون ، ترکی اقتصادیات ، ترکی شاعری ، ادب اور فنون لطیفہ ایک دوسرے کے دوش بدوش ترقی کریں گے۔"

اسی تقریر کے دوسرے حصے میں انھوں نے یوں فرمایا :

"جو قومیں لکیر کی فقیر بن کر آن عقائد و روایات کی پرستار بنی رہیں جو معقولیت سے دور ہوں تو خواہ وہ ترقی حاصل کرلیں لیکن یہ ترقی انھیں بہت مشکل سے حاصل ہوگی ۔ جو قومیں اپنے آپ کو ترقی کی شرطوں کے ساتھ ہم آہنگ نہ کرسکیں وہ زندگی کی معقولیت اور عملی حیثیت حاصل کرنے سے محروم رہتی ہیں ۔"

ان تقریروں میں لفظ 'اسکول' سے مصطفیٰ کمال کی مراد پرانی وضع کا مدرسہ نہیں تھا بلکہ جدید طرز کے اسکول تھے جو جہالت و توہمات کا قلع قمع کرنے کا خاص آلہ ہیں ۔ یہ جدید اسکول ترکیہ میں سلطان محمود ثانی کے زمانے سے موجود تھے ۔ انھیں دنوں لازمی ابتدائی تعلیم کا خیال پیدا ہوا تھا ۔ تاہم قیام جمہوریہ کے زمانے تک جدید اسکول بہت ہی کم تھے اور لازمی ابتدائی تعلیم کے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا تھا ۔ عوامی تعلیم صرف شہری آبادی کے ایک حصے کو میسر آتی تھی ۔ کاشتکار طبقہ اس سے بالکل محروم تھا ۔ اتاترک نے ۱۹۲۲ء میں اپنی تقریر میں وضاحت کی کہ تعلیمی پالیسی کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ کسانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے ۔ آپ نے فرمایا کہ :

"کسان ہمارے ملک کا آقا اور ہماری معاشرتی تنظیم کا بنیادی عنصر ہے۔ اب تک وہ تعلیم کے نور سے محروم رہا ہے۔ لہٰذا ہماری تعلیمی سرگرمیوں کا مطمح نظر یہ ہونا چاہیے کہ ہم جہالت کو نیست و نابود کر دیں۔"

اتاترک جانتے تھے کہ محض اسکول کھول دینے یا طریقہ ہائے تعلیم اور نصاب تعلیم کی اصلاح سے ترکیہ کی قومی تعلیم کی پالیسی صحیح معنی میں اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی۔ ترکیہ کے مستقبل کا دار و مدار اس نئی نسل کے کردار پر تھا جو ترکیۂ جدید کے سانچے میں ڈھالی جا رہی تھی۔ اس کے یہ معنی تھے کہ نئی پود کے ذہن میں صرف قومی شعور ہی پیدا نہ کیا جائے بلکہ اسے معاشرتی آداب و اطوار نیز سیاسی سوجھ بوجھ سے بھی آشنا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ تعلیم و تدریس کا کام مقررہ قواعد و ضوابط کے مطابق کیا جائے اور مدرسوں کو ختم کر کے تمام اسکولوں کو وزارت تعلیم قومی کے زیر انتظام لایا جائے۔ قومی تعلیم کی متحدہ تنظیم و ہدایت نیز مدرسوں کے مسئلے پر موصوف نے سب سے پہلے ۱۹۲۳ء میں بہ مقام ازمیر اپنی تقریر میں یوں حوالہ دیا :

"ہمارے سامنے ایک خاص مسئلہ ہے جس کی اہمیت کا ثبوت یہ ہے کہ ہر شخص اس کی طرف اشارہ کرنے سے اجتناب کر رہا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ آخر ان مدرسوں کا کیا کیا جائے، اور اوقاف کا معاملہ کیسے طے کیا جائے؟ حالت یہ ہے کہ ادھر آپ نے اس معاملے میں زبان کھولی اور ادھر مخالفت و مزاحمت کا طوفان اٹھا۔ ہمیں یہ پوچھنا چاہیے کہ آخر اس معاملے میں مخالفت کس حق اور کس استحقاق پر کی جاتی ہے؟ اس سلسلے میں اپنی ذاتی تحقیقات اور ذاتی مشاہدے کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ مدرسے قطعاً بیکار ہیں۔ عربی زبان سیکھنے اور عربی زبان کے ذریعے تعلیم دینے سے وقت ضائع ہوتا اور مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ ملک کے

تمام تعلیمی مرکزوں کا انداز ایک جیسا ہونا چاہیے اور ملک کے تمام لڑکوں لڑکیوں کو ایک ہی قسم کی تعلیم ملنی چاہیے۔"

تعلیم کو یکساں کر دینے کی ضرورت اور مدرسوں کی صحیح نوعیت بیان کر دینے کے بعد اتاترک نے یہ اندازہ کیا کہ اس تقریر کا رد عمل کیا ہوگا، لیکن مجمع میں سے کسی ایک شخص نے بھی مدرسوں کی حمایت میں آواز بلند نہ کی کیونکہ یہ مدرسے کئی صدیوں سے ترکیہ کو فائدہ کم پہنچا رہے تھے اور نقصان زیادہ۔ خود ان مدرسوں کے منتظموں کی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ اپنے دفاع میں کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔

اس واقعے سے اتاترک کو مدرسوں کے متعلق اپنے نظریات کی صحت کا اور یقین ہوگیا۔ یکم مارچ ۱۹۲۳ع کو عظیم قومی اسمبلی میں انھوں نے وحدت تعلیم کا سوال اٹھاتے ہوئے یہ فرمایا:

"اس ملک کے بچوں کو مشترک طور پر یکساں طریقے سے سائنسی اور غیر سائنسی علوم سیکھنے چاہییں۔ سماجی زندگی کے نشو و نما اور ترقی کے لیے یہ بات بے حد اہم ہے کہ تمام بچے ایک خاص مدت تک ایک جیسی تعلیم حاصل کریں۔ اس کے بعد خصوصی تعلیم اور مختلف پیشوں کے لحاظ سے ان کی تعلیم میں فرق جایز ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ وزارت شریعت کو وزارت تعلیم میں مدغم کر دینے کے متعلق سوچ کر کچھ کارروائی کی جائے۔"

اس موضوع پر اتاترک نے اپنے خیالات کا اظہار اس نو نکاتی پروگرام میں کیا جو ۸ اپریل ۱۹۲۳ع کو عظیم قومی اسمبلی کے دوسرے انتخاب سے پہلے انتخابی پروگرام کے بطور شائع ہوا تھا۔ اس کا آٹھواں نکتہ یا اصول یہ تھا کہ:

"ابتدائی تعلیم یکساں ہونی چاہیے۔ ہمارے سب اسکول اس وضع کے ہوں کہ ہماری ضروریات اور جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ رہیں۔ استادوں اور پروفیسروں کو معقول معاوضہ اور ذرائع

دیے جائیں ۔"

با ایں ہمہ مصطفیٰ کمال کو معلوم تھا کہ وزارت شریعت اور وزارت قومی تعلیم میری تجویز کے مطابق متحد نہیں ہوسکتیں ۔ دولت عثمانیہ کے زمانے کے ایک صدی کے تجربات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ پرانے دقیانوسی اداروں اور نئے اداروں کو ایک مرکز پر لے آنا یعنی قرون وسطیٰ اور عصر حاضر کی ذہنیت میں مفاہمت کرانا ناممکن ہے ۔

لیکن تاریخ سے سبق حاصل کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہ تھی ۔ یہ سلیقہ اتا ترک ہی کو تھا ۔ آن کے قریب‌ترین رفیقوں میں بھی بعض اشخاص ایسے تھے جو چاہتے تھے کہ دور عثمانیہ کے مکاتب و مدارس جمہوریۂ ترکیہ میں بدستور قائم رہیں ۔ اتاترک نے دونوں وزارتوں کو مخلوط و متحد کرنے کی سفارش محض اس لیے کی تھی کہ لوگ اس حقیقت کا احساس کر لیں کہ پرانے مدرسوں اور جدید اسکولوں کو پہلو بہ پہلو قائم رکھنا ممکن نہیں ہے ۔

جب مطلوبہ تعاون حاصل نہ ہو سکا تو اتا ترک نے فیصلہ کیا کہ کسی انقلابی طریقے سے کام لیا جائے ۔ یکم مارچ ۱۹۲۴ع کو قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ رائے عامہ اس بات کے حق میں ہے کہ یکساں تعلیم و تدریس کا اصول ملک میں فی الفور رائج کر دیا جائے ۔ تاخیر میں خطرہ ہے اور سرگرمی و انہاک میں فائدہ ہے لہٰذا آپ صاحبان بہت جلد فیصلہ کریں ۔"

یہ الفاظ گویا اسمبلی کی طرف سے اس بات کا مطالبہ تھے کہ قوم اس سلسلے میں فوراً قدم اٹھائے ۔

۳ مارچ ۱۹۲۴ع کو ارکان اسمبلی نے ووٹ دے کر یہ قوانین منظور کیے کہ خلافت ختم کر دی جائے ، خانوادۂ عثمانیہ کے تمام افراد کو جمہوریۂ ترکیہ سے جلاوطن کیا جائے ؛ وزارت شریعت و اوقاف نیز جنرل سٹاف کی وزارت توڑ دی جائیں اور تعلیم یکساں

کر دی جائے۔ اُسی دن خلافت کے خاتمے کے ساتھ وہ مدرسے بھی ختم کردیے گئے جو صدیوں سے خلافت کے حامی و ناصر چلے آتے تھے۔ جس وحدت تعلیم کا منصوبہ اتا ترک نے مدتوں پہلے بنایا تھا وہ قوم میں رائج ہو گئی۔ ان وسیع الاثر اقدامات کے رواج سے کچھ عرصے بعد موصوف نے وحدت تعلیم کی اہمیت کو اپنی تقریر میں یوں بیان کیا :۔

''ترک قوم جو مہذب اقوام کی برادری میں ایک معزز مقام حاصل کرنے کی خواہش مند تھی ، اپنے بچوں کی تعلیم کا کام دو ایسے اداروں میں کس طرح تقسیم کر سکتی تھی جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں، یعنی سکول اور مدرسے۔ تعلیم و تدریس کی وحدت کے بغیر یہ کوشش کرنا قطعی لغو ہے کہ ہم خیال اشخاص پر مشتمل قوم تیار کی جا سکے۔''

اگرچہ اتا ترک نے وحدت تعلیم کے قانون کو بے حد اہمیت دی تھی لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ قومی تعلیم کو غیر مذہبی سطح پر لانے کے لیے مزید اقدامات بھی ضروری ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ وحدت تعلیم کے بعد ملک کے تعلیمی نظام میں کچھ ایسی تبدیلیاں کی جائیں کہ مدرسوں کی مذہبی تعلیم کا اثر سراسر ختم ہو جائے۔ مدرسوں کے ختم ہو جانے سے اُن علما کے مفاد اور اثرات بھی ختم ہو گئے جو اُن میں درس و تدریس کا شغل رکھتے تھے۔ ان علما نے احتجاج کیا اور وہ لوگ جنھیں دولت عثمانیہ سے فائدے پہنچے تھے نیز کم فہم اشخاص کی ایک جماعت اُن کی ہمنوا ہو گئی اور مدرسوں کی بحالی کا مطالبہ کیا گیا۔ چنانچہ مدرسوں کے خاتمے کے کچھ عرصے بعد مدرسے کے طلبا کا ایک وفد بہ مقام ریزہ اتاترک سے ملا اور درخواست کی کہ مدرسے دوبارہ کھول دیے جائیں۔ اتاترک نے اُنھیں سمجھایا کہ ان مدرسوں نے ملک کی تاریخ میں بہت ہی تباہ کن حصہ لیا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا :

''قوم سکولوں کی طلب گار ہے اور آپ اُن سے متنفر ہیں۔

معاف کیجیے ، قوم کو اور ملک کے غریب بچوں کو صحیح تعلیم حاصل کرنے دیجیے - مدرسے اب نہیں کھولے جائیں گے - قوم کو سکولوں کی ضرورت ہے -"

لیکن مدرسوں کے خاتمے کا غم صرف اساتذہ و علما یا حکومت عثمانیہ کے وظیفہ خواروں ہی کو نہ تھا ، بہت سے ذی فہم و ذہین اشخاص بھی اُن کے ہمنوا تھے جو اصلاح تعلیم کی تحریک کا نفسیاتی پس منظر دیکھنے سے قاصر تھے اور مدرسوں کے خاتمے سے بہت آزردہ تھے - لیکن یہ حقیقت اُنھیں معلوم تھی کہ اب مدرسے دوبارہ قائم نہیں ہو سکتے - لہٰذا انھوں نے اپنی کوششوں سے صرف یہ کام لیا کہ ترکی معاشرے میں اپنی حیثیت قائم رکھیں اور ملک کے تعلیمی نظام پر مناسب طریقے سے اثر انداز ہو سکیں - اُن کا اصرار خصوصیت سے اس بات پر تھا کہ حکومت مذہبی تعلیم کے معاملے میں دخل نہ دے - مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ جدید معاشرے میں اگر حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ داری بھی سنبھال لے تو فائدہ کم ہوتا ہے اور نقصان زیادہ - وہ ہر موقع پر اسی نظریے کی حمایت کرتے - مثلاً ۱۹۲۴ع میں جب وہ صامسون کے دورے پر گئے تو وہاں اپنی تقریر میں فرمایا کہ :-

"اس دنیا کی ہر چیز یعنی مادی یا روحانی ترقی، زندگی اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے سائنسی اور غیر سائنسی علوم نہایت مفید ہیں- علم اور سائنس کے سوائے کسی اور شے سے ترقی و کامیابی کی امید رکھنا گویا جہالت ، بے بصیرتی اور گمراہی کا اعلان کرنا ہے -"

اس کے بعد انھوں نے تعلیم اور قومی تعلیم کے موضوع پر یوں بیان دیا :-

"تعلیم کسی قوم کو آزاد ، کامیاب اور قابلِ احترام زندگی بھی دے سکتی ہے اور مصیبت اور غلامی میں بھی مبتلا کرسکتی ہے - محض لفظِ 'تعلیم' سے ہر شخص اپنے نقطۂ نظر کے مطابق

معنی مراد لے سکتا ہے۔ مزید تفصیل میں جائیے تو تعلیم کے مقاصد و اغراض میں فرق نکل آتا ہے۔ مثلاً مذہبی تعلیم، قومی تعلیم اور بین الاقوامی تعلیم سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تعلیم کی ان مختلف اقسام کے اغراض و مقاصد الگ الگ ہیں۔ اس موقع پر میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جمہوریۂ ترکیہ نئی نسل کو قومی تعلیم دینا چاہتی ہے۔ تعلیم کی دوسری قسموں سے مجھے سروکار نہیں ہے۔ میں ایک مختصر سی مثال دے کر اپنا مطلب واضح کرنا چاہتا ہوں:

معزز حضرات!

دنیا میں تیس کروڑ سے زیادہ مسلمان ہیں۔ انھیں ان کے والدین یا استادوں نے تعلیم و تربیت دی ہے۔ لیکن بد بختی ملاحظہ کیجیے کہ دنیا کے تیس کروڑ مسلمانوں کی یہ جماعت کسی نہ کسی غیر قوم کی غلامی کی زنجیروں میں قید ہے۔ انھیں جو تعلیم دی گئی ہے اور زندگی بسر کرنے کے جو طور طریقے سکھائے گئے ہیں وہ ان میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کرسکے کہ وہ غلامی کی ان زنجیروں کو توڑ سکیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انھیں قومی تعلیم سے محروم رکھا گیا ہے۔"

اتاترک کے اس اندازِ فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مدرسے بند کر دیے گئے اور علما نے مذہبی ضروریات پوری کرنے کے لیے پیش اماموں اور خطیبوں کی تعلیم کے ادارے کھولے تو موصوف نے انھیں بھی بند کروا دیا۔ ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ جماعتوں میں جو اسلامی نصاب موجود تھا اسے خارج کر دیا۔ جب ان اقدامات کی بد دولت تعلیمی نصاب سے مذہبی عنصر سراسر خارج ہوگیا تو موصوف نے اقلیتوں اور غیر ملکی اداروں کے سکولوں میں بھی مذہبی اور سیاسی تعلیم کی ممانعت کر دی اور ان میں جو مذہبی اعلام و علامات تھیں انھیں ہٹوا دیا۔ ان سکولوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ اپنے نصاب میں ترکی زبان، تاریخ، جغرافیہ اور

شہریت کے مضامین شامل کریں جنھیں ترک بالعموم ترکی زبان میں پڑھاتے تھے۔ غیر ملکی سکول نیز اقلیتوں کے سکول بھی ترکی سکولوں کی طرح سرکاری معائنے اور نظم و ضبط کے تحت آ گئے۔ حکومتِ عثمانیہ کے زمانے میں انھیں جو خصوصی حیثیت حاصل تھی ختم ہو گئی اور انھیں قومی نظامِ تعلیم میں شامل کر لیا گیا۔

مدرسوں کے بند کر دیے جانے اور سکولوں میں مذہبی تعلیم کے ختم ہو جانے سے، جس کے بانی مبانی اتاترک تھے، ترکیہ کی قومی تعلیم نے غیر مذہبی بنیادوں پر بہت ترقی کی۔ ابتدائی، ثانوی اور اعالی (فوقانی) سکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ صنعتی سکولوں کو مزید ترقی دی گئی۔ لڑکیوں کے لیے صنعتی سکول نیز شبینہ صنعتی سکول بھی کھولے گئے اور ثانوی سکولوں میں لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم رائج ہوئی۔ ۱۹۳۳ء میں استنبول کے دارالفنون (عہد عثمانیہ میں یونیورسٹی کے لیے یہی لفظ رائج تھا) کی از سرِ نو تنظیم کی گئی اور اس کا نام یونیورسٹی رکھا گیا۔ انقرہ میں مختلف زبانوں، تاریخ اور جغرافیہ کے شعبے کھولے گئے۔ ججوں اور منصفوں کو تربیت دینے کے لیے مدرسۂ قانون ۱۹۲۵ء ہی میں کھل گیا تھا۔ انھی اداروں سے انقرہ یونیورسٹی کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۳۷ء میں اسمبلی کی افتتاحی تقریر میں اتاترک نے بہ شد و مد یہ بیان کیا کہ مشرق اناطولیہ میں بھی ایک یونیورسٹی کا قیام ضروری ہے۔ ان اقدامات کی بدولت اتاترک ترکیہ کی قومی تعلیم کے بانی قرار پائے۔

باب ۱۵

اتاترک ترکیہ کی معاشرتی زندگی کو بدلتے ہیں

اتاترک کو یہ یقین نہ تھا کہ سرکاری اداروں میں اصلاحات رائج کر دینے سے ترکی معاشرہ مغربی تہذیب کی سطح پر آ سکے گا۔ وہ چاہتے تھے کہ سکولوں اور کالجوں میں اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں بھی انقلاب آفریں تبدیلیاں ہوں۔ صدیوں سے یہ صورت تھی کہ ترکوں کے طرز زندگی اور نظریۂ حیات پر مذہبی اقدار اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اتاترک کو یقین تھا کہ اب ان میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ طرز زندگی اور نظریۂ حیات پر سب سے پہلے خاندانی تربیت کا اثر پڑتا ہے۔ آئندہ نسلوں کی تربیت کا دارومدار ترکی ماؤں پر تھا جنھیں اس عظیم مقصد کے لیے تیاری کے مواقع بہم پہنچانا از بس ضروری تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ترک خواتین کو وہ فطری حقوق دے جائیں جن سے معاشرے اور خاندان نے انھیں محروم کر رکھا تھا۔ حالات زندگی کچھ ایسے ہوگئے تھے کہ عورتوں کو تربیت حاصل کرنے کے مواقع دینا اور فطری حقوق عطا کرنا لازمی ہوگیا تھا۔ جدید زندگی کے حالات کا تقاضا یہی تھا اور دیگر اقوام کی طرح ترک قوم بھی ان حالات سے مطابقت پیدا کرنے پر مجبور تھی۔

جنگ آزادی کے دوران میں ترک خواتین نے اپنے قومی فرائض انجام دیتے ہوئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ وہ مردوں کی اسامیوں پر کام کرتی رہیں، فوج کے عقب میں خدمات انجام دیں بلکہ محاذ جنگ پر پہنچ کر دشمنوں پر گولیاں بھی چلائیں۔ اتاترک کو یقین تھا کہ جس طرح عورتوں نے آزادی وطن کی خدمت انجام دی ہے، وہ معاشرے کی اصلاح کے معاملے میں بھی حصہ لیں گی۔ وہ اس بات

کے قائل تھے کہ خوش حالی و مسرت ، کام کرنے کا صحیح انعام ہیں - خوشحال و شاد کام ہونے کے لیے ملک کو محنت کی ضرورت تھی - عورتوں کو لازم تھا کہ اقتصادی میدان میں مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کریں -

ترکی معاشرے میں یہ حقیقت پسندانہ اور حریت بخش نظریہ رائج کرنے کے لیے اتاترک قانون کے زور کے بجائے تفہیم و ترغیب سے کام لیا کرتے تھے - ترکی معاشرہ صدیوں سے مشرقی تہذیب کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا - ۱۹۲۳ء کے بعد سے اتاترک نے یہ شیوہ اختیار کر لیا تھا کہ جب کہیں دورے پر جاتے تو وہاں کے عوام کو ترک عورتوں کی حالت اور حیثیت کی طرف متوجہ کرتے اور وضاحت کے ساتھ سمجھاتے کہ عورتوں کو معاشرے اور خاندان میں نہایت اہم مقام حاصل ہے - ایک مرتبہ آپ نے بیان کیا کہ :

''اگر دور حاضر میں کوئی سماجی تنظیم محض اس بات پر قناعت کر لے کہ اس کی صرف ایک صنف (مرد) موجودہ علوم حاصل کرے تو یہ تنظیم نیم مردہ بلکہ بدتر ہو جائے گی - ہمارے سماجی نظام کی ناکامی کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے عورتوں سے بے توجہی اور بے احترامی کا سلوک کیا ہے - ہر شخص کی میعاد حیات مقرر ہے اور زندگی کے معنی عمل ہیں - اگر معاشرے کے ایک طبقے (عورتوں) کو بیکار بنا دیا جائے تو دوسرے طبقے کی کارگزاری کے باوجود وہ معاشرہ مفلوج ہو جائے گا - عصر حاضر کا تقاضا ہے کہ ہماری عورتیں ہر معاملے میں بلند تر سطح پر آ جائیں - اسی لیے ہم نے طے کیا ہے کہ ہماری عورتیں بھی عالم ، فاضل اور سائنس دان بنیں گی اور تعلیم کی ان تمام منزلوں تک پہنچیں گی جہاں مرد پہنچتے ہیں - سماجی زندگی میں مرد عورت ایک دوسرے کو امداد اور سہارا دے کر شانہ بہ شانہ چلیں گے -

"ہمارے کردار کی تعمیر کا کام ہماری ماؤں کے ذمے تھا، انھوں نے یہ فریضہ بہت اچھی طرح انجام دیا۔ لیکن دورحاضر میں ہمیں کسی اور قسم یعنی بہتر صلاحیت کے آدمی درکار ہیں۔ ان آدمیوں کی تربیت اگلی نسلوں کی مائیں کریں گی۔ اگر ترکیہ کی حکومت اپنی آزادی، زندگی اور وقار کو قائم رکھنا چاہتی ہے تو جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس کے بنیادی اصولوں میں شامل ہونا چاہیے اور شامل ہو کر رہے گا۔ جب میں تہذیب کا ذکر کرتا ہوں تو مجھے لازماً یہ بات بھی بیان کر دینی چاہیے کہ تہذیب کی بنیاد نیز طاقت اور ترقی کی اساس خاندانی طرز زندگی پر ہے۔ خاندانی زندگی میں بد نظمی ہو تو سماجی، اقتصادی اور سیاسی کمزوری لازماً پیدا ہو جائے گی۔ خاندان مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ انھیں اپنے فطری حقوق ضرور ملنے چاہییں اور انھیں اس قابل ہونا چاہیے کہ خاندان میں اپنے فرائض انجام دے سکیں۔"

اتاترک نے عورتوں کو ترکی معاشرے میں صحیح مقام دینے کے لیے تقریروں کے علاوہ اپنے افعال سے بھی کام لیا۔ جب ۲۹ جنوری ۱۹۲۳ء کو انھوں نے ازمیر میں لطیفہ خانم سے شادی کی تو انھوں نے بہت سی رسوم ترک کر دیں (۵ اگست ۱۹۲۵ء کو طلاق واقع ہوئی)۔ مثلاً دستور یہ تھا کہ نکاح جمعرات کے دن ہوتا تھا، اتاترک نے پیر کے روز کیا۔ اگرچہ ان دنوں یہ دستور تھا کہ نکاح کے وقت دلھن پردے میں ہوتی تھی لیکن مصطفیٰ کمال نے نکاح خوانی کے وقت لطیفہ خانم کو سامنے بٹھایا۔ ترکیہ میں یہ معمول نہ تھا کہ مرد اپنی بیویوں کو ساتھ لیے پھریں لیکن شادی کے بعد اتاترک نے جہاں جہاں کا دورہ کیا، لطیفہ خانم کو ساتھ لے گئے۔ صدر مملکت کے اس طرح اپنی بیوی کو ساتھ لیے پھرنے سے لوگوں پر بہت گہرا اثر پڑا۔

اتاترک کو یقین تھا کہ عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش

کام کرنے کے علاوہ تفریحات میں بھی ساتھ دینا چاہیے - اس مقصد کے لیے انھوں نے مخلوط رقص و سرود کا انتظام کیا - ان کا پختہ خیال تھا کہ مردوں کے ساتھ پوری مساوات حاصل کرنے کے لیے عورتوں کو برقع ترک کردینا چاہیے - قسطمونی کے مقام پر انھوں نے ہیٹ پہننے کے متعلق جو مشہور تقریر کی تھی اس کے بعد اینہ بولی میں بہ تاریخ ۲۷ اگست ۱۹۲۵ع پردے کے متعلق یوں فرمایا :

''اپنے سفر کے دوران میں میں نے دیکھا کہ نہ صرف دیہات بلکہ قصبوں اور شہروں تک میں عورتیں اپنے چہروں اور آنکھوں کو نقاب میں چھپائے رکھتی ہیں - میرے رفیق مردو ! اگر سوچیے تو یہ ہماری خودغرضی کا نتیجہ ہے - ہماری عورتیں ہماری طرح ذہین اور معقول انسان ہیں - جب تک ہم انھیں خوش اخلاق اور اپنی مقدس قدروں سے آشنا نہ کریں یا جب تک ہم انھیں اپنے قومی شعائر کی تعلیم دے کر ان کے دماغوں کو شرافت و انسانیت کا نصب العین نہ سمجھائیں ، یقیناً ہم انتہائی خودغرض کہلائیں گے - انھیں اپنا منہ کھولنے کی اور دنیا کو قریب سے دیکھنے کی اجازت دیجیے - اس میں کوئی قباحت نہیں -"

عورتوں کے لباس میں اصلاح کی کوشش کے سلسلے میں یقیناً اتاترک کو یہ معلوم تھا کہ بہت سی مشکلات پیش آئیں گی - مذہب و تعصب ان کی راہ میں حائل ہوں گے کیونکہ دور عثمانیہ میں بھی یہی صورتیں واقع ہوئی تھیں - ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے انھوں نے لوگوں کو متنبہ کر دیا کہ میں جس سماجی اصلاح کو رواج دے رہا ہوں ، اگر کسی نے اس کی مخالفت کی تو اسے سخت سزا دی جائے گی - اینہ بولی میں ان کی تقریر کا خاتمہ مندرجہ ذیل الفاظ پر ہوا :

''دوستو ! خوف زدہ مت ہو - مجھے یقین ہے کہ یہ تغیر و تبدل ناگزیر ہے - اس سے نہایت اہم اور تسلی بخش نتائج

نکلیں گے - مجھے یہ کہنے دیجیے کہ ان نتائج کو حاصل کرنے کے لیے ہم قربانیاں دینے کے لیے تیار ہیں - لیکن قربانی کوئی بڑی بات تو نہیں -"

ترکی ضابطۂ دیوانی نے جو ۱۹۲۶ع میں منظور ہوا ، عورتوں کو شہری حقوق عطا کیے اور ترکوں کی خاندانی زندگی کو نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار کر دیا - ترکی معاشرے میں مردوں اور عورتوں کو مکمل مساوات دینے کے لیے اتاترک نے طے کیا کہ جس طرح عورتوں کو شہری حقوق عطا کیے گئے ہیں انھیں سیاسی حقوق بھی دیے جائیں - ضابطۂ دیوانی کی منظوری کے چار سال بعد ۱۹۳۰ع میں ایک بلدیاتی قانون منظور ہوا جس کے بموجب عورتوں کو بلدیاتی انتخابات میں ووٹ دینے یا امید وار کی حیثیت سے کھڑے ہونے کا حق ملا - اس کے بعد مصطفٰی کمال نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ عورتوں کو قومی اسمبلی کے انتخابات میں ووٹ دینے اور بطور نمائندہ امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہونے کی اجازت ملنی چاہیے تا کہ وہ مرکزی حکومت کے نظم و نسق میں حصہ لے سکیں - انھوں نے اپنی متعدد تقریروں میں قوم سے مطالبہ کیا کہ ترک عورتوں کے حقوق اور فرائض بالکل وہی ہونے چاہییں جو ترک مردوں کے ہیں - بالآخر ۵ دسمبر ۱۹۳۴ع کو عورتوں کو بلند ترین شہری حق مل گیا جس کے بموجب انھیں نمائندوں کو منتخب کرنے یا نمائندہ منتخب ہونے کا استحقاق حاصل ہوا -

ترک خواتین کو ان کے جایز معاشرتی اور سیاسی حقوق مل جانے سے ترکی معاشرے کی صورت کچھ سے کچھ ہو گئی - معاشرہ اپنی پرانی وضع کو چھوڑ کر جدید ترقیات کی منزل میں داخل ہوا - ترکی خواتین کے جائز حقوق حاصل کر لینے کی خبر سے ساری دنیا متاثر ہوئی - یورپ میں ترک خواتین کی پسماندگی کے متعلق جو افسانے مشہور تھے ختم ہو گئے - بہت سی یورپی اقوام نے اپنی

تاریخ کے مختلف زمانوں میں اہم اصلاحات نافذ کی تھیں لیکن وہ بھی اپنی عورتوں کو وہ مقام نہ دے سکیں جو ترکی خواتین اصولی طور پر حاصل کر چکی تھیں - ان اقوام کی عورتوں نے ترک خواتین کی مثال دے کر مزید حقوق کا مطالبہ شروع کیا - حقوق نسواں کے معاملے میں ترکیہ میں جو اصلاحات نافذ ہوئیں انھوں نے ساری دنیا پر دور رس تعمیری اثرات ڈالے -

مشرق اور مغربی تہذیب میں سب سے نمایاں ظاہری خصوصیت لباس کی تھی - اگرچہ مغرب کے ممالک میں بھی مختلف لباس رائج تھے تاہم یہ حقیقت تھی کہ ساری مغربی دنیا میں (کوٹ پتلون پر مشتمل) ایک مشترک لباس بھی تھا - مشرقی ممالک کا کوئی مشترک لباس نہ تھا - اتنا ضرور تھا کہ سرکاری ملازموں ، مذہبی لوگوں وغیرہ کا ایک مخصوص لباس ہوتا تھا - سلطنت عثمانیہ کے ملازم اپنے عہدوں اور رتبوں کے مطابق وردی پہنتے تھے - مذہبی رہنماؤں اور مشائخ و درویش کا لباس مختلف تھا - عوام کی یہ صورت تھی کہ اپنے اپنے ضلع کی آب و ہوا ، تاریخی روایات اور معاشی حیثیت کے مطابق طرح طرح کے کپڑے پہنتے تھے - سلطنت عثمانیہ میں رہنے والے ترک اور دیگر مسلمان اپنے اپنے لباس کو مذہبی اہمیت تو نہیں دیتے تھے لیکن مغربی لباس کے متعلق سب کا عام خیال یہ تھا کہ کوٹ پتلون کفار کا لباس ہے - اس کا مطلب یہ تھا کہ مشرق اور مغرب میں لباس کو سماجی یا جمالیاتی اہمیت حاصل ہونے کے بجائے اسے مذہبی اہمیت دی جاتی تھی -

سلطنت عثمانیہ نے اٹھارویں صدی کے نصف آخر سے مغربی تہذیب کے بعض پہلو اختیار کرلیے تھے اور اپنے اداروں کی نئی تنظیم کی تھی - لیکن اول اول اس نے اپنے عوام کے لباس کا معاملہ بالکل نہیں چھیڑا تھا - بعد ازاں سلطان محمود ثانی کے عہد میں سرکاری ملازموں اور فوج والوں کا مخصوص لباس مقرر کیا گیا - سرکاری ملازم فراک کوٹ یعنی نیچے کوٹ اور شلوار پہنتے - بعد ازاں عوام نے بھی

یہ لباس اختیار کر لیا - محمود ثانی نے سرکاری ملازموں اور سپاہیوں کی ٹوپی بھی تبدیل کی یعنی اونچے ہیٹ کے بجائے فس ٹوپی یا طربوش کو رواج دیا - اس زمانے سے فس ٹوپی (ترکی ٹوپی) مشرق اور مغربی تہذیب کی پہچان کا ذریعہ بن گئی - تاہم عثمانی رعیت کے لیے فس ٹوپی پہننا لازمی نہ تھا - رعایا کے مختلف طبقوں اور مذہبی جماعتوں کو اپنی مرضی کی ٹوپیاں پہننے کا اختیار تھا - البتہ علما فس ٹوپی پر شال لپیٹتے رہے - مختلف سلسلوں کے درویش مختلف کلاہیں پہنتے تھے - عوام فس ٹوپی، سموری ہیٹ (قلپاق) اور ابھرواں نمدی ہیٹ لگاتے - یہیں سے "باشی بوزوق" (میلے سر والے) کی اصطلاح نکلی جو سرکاری ملازموں اور فوجیوں کو عوام سے ممتاز کرتی تھی - جمہوریہ کے قیام تک ٹوپیوں کے معاملے میں یہی بد نظمی رائج تھی -

جمہوریۂ ترکیہ میں جدید معیاروں سے مطابقت کا میلان اتنا بڑھ گیا تھا کہ ٹوپیوں کے معاملے میں یہ بد نظمی اب گوارا نہیں کی جا سکتی تھی - مصطفٰی کمال کی خواہش تھی کہ ترک سراسر یورپین تہذیب اختیار کر لیں کیونکہ یہی ثقافت اب ساری انسانیت کا مشترک ورثہ بن چکی تھی - انھیں آرزو تھی کہ اور باتوں کے علاوہ ترک وہی مہذب لباس اختیار کر لیں جو مغربی ثقافت سے متاثر ممالک میں رائج تھا - تاہم انھیں معلوم تھا کہ مغربی لباس کو رواج دینا آسان نہ تھا - اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ لوگ جنھیں اب تک مذہب سے بے تعلقی گوارا نہ تھی، فس کے بجائے ہیٹ پہننے کے حکم پر چراغ پا ہو جائیں گے - اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اس معاملے میں احتیاط کے ساتھ زمین ہموار کی جائے -

۱۹۲۵ء کی بہار میں طبی وجوہ کا سہارا لے کر فوج کے ہیٹ میں چھوٹی سی نوک کا اضافہ کیا گیا - انھی دنوں اسمبلی کے بعض نمائندے ننگے سر ایوان میں داخل ہوئے - بلدیاتی اور صوبائی کونسلوں میں بھی یہی صورت واقع ہوئی - اس طرح فس ٹوپی کو

اڑا کر اس کے بجائے ہیٹ پہننے سے پہلے ، لوگوں نے وہ طور طریقے اختیار کرنے شروع کیے جو ہیٹ پوش ممالک میں رائج ہیں ۔ اخباروں میں ہیٹ کے رواج پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا ۔ ہیٹ کا لفظ مغربی تھا اس سے بچنے کی شعوری کوشش کی گئی اور اس کے بجائے لفظ سرپوش رائج کیا گیا ۔ ڈاکٹروں نے اس چھجے دار سرپوش کے فوائد کا بیان کیا کہ یہ دھوپ سے بچاتا ہے ۔ اس طرح اصلاح لباس کے معاملے میں عوام کو دلچسپی ہو گئی ۔ اب مصطفیٰ کمال نے فیصلہ کر لیا کہ تحریک اصلاح کی ماہیت واضح کردیں ۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۶ء کی صبح کو وہ منہ اندھیرے اطلاع کیے بغیر انقرہ سے قسطمونی روانہ ہو گئے ۔ وہاں مقامی اشخاص کی ایک جماعت نے ان سے ملاقات کی جنھیں موصوف نے خوش آمدید کہا ۔ اس وقت وہ ننگے سر کھڑے تھے ، ہاتھ میں تنکوں کا ہیٹ تھا ۔ انھوں نے قسطمونی میں اور بعد ازاں اینہ بولی میں کئی تقریریں کیں جن میں قدیم لباس کے بجائے جدید لباس اختیار کرنے کی ضرورت مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی :

"ہمیں لازم ہے کہ ہر نقطۂ نظر سے مہذب قوم بن جائیں ۔ ہمارا طرز فکر ، ذہنیت ، غرض سر تا پا ہماری ہر چیز مہذب ہونی لازم ہے ۔ قوم کو اس حقیقت کا احساس ہونا چاہیے کہ تہذیب ایسی آگ ہے کہ جو لوگ اس سے بے پروائی اختیار کریں انھیں جلا کر خاک کر دیتی ہے ۔ مہذب اقوام کی برادری میں ہم جس مقام کے مستحق ہیں اُسے حاصل کر کے ہم مزید عروج پر پہنچائیں گے ۔ خوشحالی ، مسرت اور انسانیت ، سب کا تقاضا یہی ہے کہ ہم مہذب بن جائیں ۔

"تورانی کے دقیانوسی لباس کو ڈھونڈ کر نکالنا اور اُسے دوبارہ رائج کرنا لاحاصل ہے ۔ ہماری قوم کے لیے لباس کی وہ قسمیں جو مہذب اقوام پہن رہی ہیں موزوں ہیں ۔ ہم دیسی جوتوں کے بجائے بوٹ پہنیں گے ۔ اس کے بعد پتلون ، واسکٹ ، قمیص ،

ٹائی اور صدری پہنیں گے۔ ٹوپیوں کے معاملے میں بھی اصولاً ہم چھجے دار ٹوپی استعمال کریں گے، بلکہ مجھے صاف کہہ دینا چاہیے کہ اسی چھجے دار ٹوپی کو ہیٹ کہتے ہیں۔"

مصطفٰی کمال نے قسطمونی اور اینہ بولی میں جو تقریریں کیں وہ خبر رساں ایجنسیوں اور اخباروں کے ذریعے سارے ملک میں فوراً پھیل گئیں۔ انقرہ اور دوسرے شہروں کے سرکاری ملازموں نے دفتری احکام جاری ہونے سے پہلے ہی ہیٹ پہننا شروع کر دیا۔ جب موصوف قسطمونی سے انقرہ واپس آئے تو استقبال کرنے والے اشخاص میں آدھے سے زیادہ ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ جنھیں ہیٹ نہ مل سکے وہ ریلوے سٹیشن پر ننگے سر ہی چلے آئے۔ عوام کے تعاون نے موصوف کو آمادہ کیا کہ زبانی ہدایت کے بعد سرکاری حکم بھی جاری کر دیں۔ ان کے انقرہ واپس آنے سے اگلے روز کابینہ نے فیصلہ کر دیا کہ سرکاری ملازموں کے لیے ہیٹ پہننا لازمی ہے۔ اگرچہ اول اول عوام پر اس حکم کا اطلاق نہیں کیا گیا تاہم اکثر تعلیم یافتہ ترکوں نے خوشی سے ہیٹ پہننا اختیار کر لیا۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ اس معاملے میں ملک کے عوام بھی رفتہ رفتہ اپنے تعلیم یافتہ رہنماؤں کی پیروی کرنے لگے ہیں تو ۲۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو عظیم قومی اسمبلی میں اس مسئلے پر بحث ہوئی۔ اس اقدام کا منشا یہ تھا کہ ہر شخص ہیٹ پہنے۔ اس معاملے میں صرف ایک شخص یعنی بروسہ کے نمائندے نور الدین پاشا نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ اقدام آئین کے خلاف ہے۔ الغرض اسمبلی نے یہ قانون منظور کرلیا اور اس کی دفعہ نمبر ۱ کے بموجب فس ٹوپی یا سموردار ٹوپی (قلپاق) پہننا خلاف قانون قرار پایا۔ یہ قانون فوراً نافذ ہوگیا۔ عوام کی اکثریت نے خاموشی کے ساتھ اس کی تعمیل کی۔ پھر بھی مشرقی اناطولیہ میں معمولی شورشیں ہوئیں جنھیں بہت جلد دبا دیا گیا۔

ہیٹ کے رواج سے قوم کے آداب و اطوار میں بھی تبدیلی

آئی - پرانے عثمانی آداب مثلاً سلام کے لیے ٹھوڑی تک ہاتھ اٹھانا یا کسی کی تعظیم کے لیے سر پر ٹوپی رکھ لینا متروک ہو گیا - اس کے بجائے یہ نیا طریقہ جاری ہوا کہ سلام یا احترام کے لیے ہیٹ کو سر پر قدرے اٹھا لیا جائے - دفتروں یا سرکاری مقامات میں ننگے سر کام کرنے کا عام رواج ہوگیا - محمود ثانی کے عہد میں اصلاح لباس کی جو تحریک شروع ہوئی تھی لیکن نا مکمل رہ گئی تھی ، وہ ہیٹ کا رواج ہونے سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی - ٹوپیوں ، دستار اور قلپاق کے فرق کے باعث مختلف مذاہب اور فرقوں کا اختلاف نمایاں ہوتا تھا، ہیٹ نے اسے ختم کرکے ترکیہ کی معاشرتی زندگی میں ہمواری پیدا کی - ہیٹ اختیار کر لینے سے وہ اہم ترین ظاہری فرق ختم ہوگیا جس کے باعث ترک مغربی تہذیب سے الگ نظر آتے تھے -

مذکورہ بالا کارروائیوں کا واحد محرک یہ تھا کہ مصطفٰی کمال کو ترک قوم کے مفادات و اعزاز نہایت عزیز تھے - ہیٹ کے متعلق موصوف نے قسطمونی میں جو تقریریں کیں ان میں مدرسے کے تربیت یافتہ علما کے لباس کا بھی ذکر کیا - سلطنت عثمانیہ میں علما کا خاص لباس قبا اور دستار تھا - بالخصوص دستار کو مذہبی علوم اور دین داری کا نشان سمجھا جاتا تھا - دستار پہننے والوں کی عزت و توقیر کی جاتی تھی - اس سے ایک خرابی یہ پیدا ہوئی کہ دغا باز ، مکار جنھوں نے کبھی مدرسے کی صورت تک نہ دیکھی تھی اور کسی مذہبی منصب پر فائز نہ تھے ، قبائیں اور دستاریں پہن پہن کر عوام سے ناجایز فائدہ اٹھانے لگے - ان بد معاشوں نے مذہبی لباس سے ناجایز فائدہ اٹھانے کے علاوہ عوام میں غلط عقیدے پھیلا کر انھیں گمراہ بھی کیا - مصطفٰی کمال کو یہ دھن تھی کہ ملک کی معاشرتی حالت میں جدید طریقے سے ترقی ہو - انھوں نے قسطمونی میں صاف کہہ دیا کہ یہ صورت حال مزید برداشت نہیں کی جا سکتی - آپ کے الفاظ یہ تھے :

”میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے اشخاص، جنھیں مذہبی معاملات

سے کچھ بھی واسطہ نہیں ، مذہبی رہنماؤں کا لباس پہنے پھرتے ہیں - ان میں بعض ایسے اشخاص بھی مجھے ملے جو بالکل بے علم بلکہ ان پڑھ ہیں - یہی دغا باز خصوصیت کے ساتھ عوام کے نمائندوں کا روپ بھر کر ادھر اُدھر کھڑے ہو جاتے ہیں اور حکومت کا عوام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے میں حائل ہوتے ہیں - میں ان لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہیں رہبر قوم ہونے کے خطابات یا استحقاق کس شخص سے یا کس بنا پر حاصل ہوئے ہیں؟ میں قوم کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ شوخ چشمی برداشت نہیں کی جا سکتی - میں حکومت کو اس نقصان کی طرف متوجہ کروں گا جو یہ مکار لوگ مولویوں اور عالموں کا لباس پہن کر قوم کو پہنچاتے ہیں -"

موصوف کی مراد ان مکار لوگوں سے تھی جو بظاہر عالموں اور مولویوں کی وضع اختیار کیے پھرتے تھے - قسطمونی سے انقرہ واپس آتے ہوئے مصطفٰی کمال چان قیری اور اسکلیپ میں بھی رکے جہاں انھوں نے اسی موضوع پر یہ فرمایا :

"ملک میں امور شریعت کا ایک ہی محکمہ ہے جس میں مفتی ، امام اور خطیب ملازم ہیں ، ہم اُن کا لباس پہچانتے ہیں - جو لوگ محکمۂ شریعت کے ملازم نہیں ہیں ، انھیں وہ لباس بھی نہیں پہننا چاہیے - اس لباس میں نہ انھیں کوئی شخص پہچانتا ہے نہ تسلیم کرتا ہے -"

عوام کے مذہبی رجحان سے فائدہ اٹھانے والوں میں صرف وہی مکار دغا باز لوگ نہ تھے جو کسی سند یا استحقاق کے بغیر مولویوں کا لباس پہنے پھرتے تھے - ان مکاروں میں طریقت کے مختلف سلسلوں کے درویش بھی تھے - عثمانی دور حکومت میں ان لوگوں نے کھانے کمانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی کا دعویٰ کرتے تھے - ان درویشوں کی اکثریت خانقاہوں میں رہتی تھی جو عوام کے چندوں کے سہارے قائم تھیں - ملک کے

بعض حصوں میں اُن کا خاصہ اثر تھا ۔ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ جہاں حکومت کے اقدام سے ان درویشوں کے مفاد پر ضرب لگتی تھی ۔ وہ لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکا کر بغاوت کرا دیتے اور یہ مشہور کر دیتے کہ حکومت مذہب اسلام کے خلاف کارروائی کر رہی ہے ۔ مشرق اناطولیہ میں یہی ہوا ۔ فروری ۱۹۲۵ء میں شیخ سعید نے جو اپنے سلسلۂ طریقت کا مرشد تھا ، علاقۂ گنج میں بغاوت کروا دی ۔ شیخ طریقت کی حیثیت سے اُسے جو اقتدار حاصل تھا اُسے اُس نے اپنی سیاسی آرزوئیں پوری کرنے کے لیے استعمال کیا ۔

مصطفیٰ کمال جانتے تھے کہ درویشی و طریقت کے یہ سلسلے عوام کو بھڑکا دیتے ہیں اور کبھی کبھی سیاسی جماعتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ۔ اس لیے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان سلسلوں کو ختم کر دینا چاہیے ۔ قسطمونی جاتے ہوئے انھوں نے جو تقریریں کیں اُن میں اپنے نظریے کی حمایت میں یہ بیان دیا :

''صاحبو ، ہم وطنو ! آپ کو یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیے کہ جمہوریۂ ترکیہ ان درویشوں ، مجذوبوں اور شیوخ کا تکیہ نہیں ہے ۔ سب سے سچی طریقت ، تہذیب کا طریقہ ہے ۔ اگر ہمیں مردوں کی طرح زندہ رہنا ہے تو ہمیں تہذیب کے تقاضے پورے کرنے چاہییں ۔ علم ، سائنس اور تہذیب کا جو مفہوم ہے اُس کی تیز روشنی میں مجھے تو یہ یقین نہیں آتا کہ ہمارے مہذب ملک میں کوئی شخص مادی ترقی یا مسرت حاصل کرنے کے لیے کسی درویش یا فقیر کی ہدایات پر عمل کرے گا. یہ خانقاہیں حتمی طور پر لازماً بند کر دینی چاہییں ۔ ہماری قوت کا دار و مدار تہذیب ، علم اور سائنس پر ہے اور یہی رہبر ہیں ۔ ہم کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتے ۔ یہ خانقاہیں لوگوں کو مجذوب اور قلندر بنانا چاہتی ہیں لیکن عوام نے طے کر لیا ہے کہ وہ ہرگز مجذوب اور قلندر نہ بنیں گے ۔''

مصطفٰی کمال کو علم اور سائنس سے بے حد شغف تھا۔ اس رجحان نے انھیں مقبروں اور مزاروں کے بھی خلاف کر دیا کیونکہ یہ مزار اور مقبرے صدیوں سے قائم تھے اور یہاں لوگوں کو لوٹا جاتا تھا۔ یہ مزار بزرگوں کی یادگار ہونے کے بجائے توہمات پھیلانے کا مرکز بن گئے تھے۔ بعض اشخاص ان مزاروں پر آ کر نذرانے دیتے اور اپنی دنیوی حاجات کی دعائیں مانگتے۔ بھلا غیر مذہبی حکومت اس خرافات کو کیسے برداشت کرتی! قسطمونی جاتے ہوئے موصوف نے سفر کے دوران میں ایک تقریر کی اور اپنا نقطۂ نظر یوں واضح کیا:

"ایک مہذب معاشرے کے لیے یہ بات باعث ننگ ہے کہ جو لوگ مر چکے ہیں ان سے مرادیں مانگی جائیں۔"

قسطمونی کے سفر میں مصطفٰی کمال نے جن ضروری اصلاحات کی حمایت کی انھیں آن کے انقرہ واپس آنے پر قانون کی حیثیت دے دی گئی۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء کو کابینہ نے احکام جاری کر دیے کہ تکیے، خانقاہیں اور زاویے بند کر دیے جائیں۔ سرکاری عہدہ داروں اور مذہبی پیشواؤں کا مخصوص لباس مقرر ہو گیا۔ خانقاہوں کا صفایا ہو جانے سے طریقت کے سلسلوں، پیروں، مریدوں، مرشدوں اور شیوخ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مقبرے اور مزار بند ہوگئے۔ متولی لوگ خلاف قانون قرار دیے گئے۔ اس قسم کے القاب استعمال کرنا یا ان کے مخصوص امتیازی لباس پہننا ممنوع ٹھہرایا گیا۔ مذہبی پیشواؤں کے متعلق جو قانون بنا اس کے بموجب وہ شرطیں بھی مقرر کر دی گئیں جو علما کا لباس پہننے کے لیے ضروری تھیں۔ علما کے لیے حکومت کا منظور شدہ لباس بھی مقرر ہو گیا۔ عظیم قومی اسمبلی نے اپنے دوسرے اجتماع میں ان تمام فیصلوں کو قانون کی شکل دے کر مستحکم کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں ایک اور قانون منظور ہوا جس کے بموجب عبادت گاہوں کے سوا اور کہیں کسی قسم کا مذہبی لباس پہننا ممنوع قرار پایا۔

قسطمونی سے واپسی پر مصطفیٰ کمال نے ترکیہ کو غیرمذہبی ملک بنانے کا کام اور شدت سے شروع کر دیا - ترکوں کی تقویم ، وقت کا حساب لگانے کا طریقہ ، ہندسے اور جمعے کے دن تعطیل کرنا ، یہ سب چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں ترکیہ کی معاشرت ، مغربی تہذیب کے معاشرے سے مختلف تھی - ان اختلافات کی بدولت ملک کے اندرونی معاملات میں بھی مشکلات پیش آتی تھیں اور دوسرے ممالک سے تعلقات قائم رکھنے میں بھی - ۱۹۲۶ع میں قانون نافذ کیے گئے جن کے بموجب ہجری اور رومی تقویمیں منسوخ ہوکر بین الاقوامی عیسوی تقویم رائج ہوئی - وقت کے حساب کا جو پرانا ترکی طریقہ رائج تھا اس کے بجائے بین الاقوامی طریقہ جاری ہوا جو آج تک ترکیہ میں مستعمل ہے - اس کے بعد ہندسوں کے معاملے میں بھی بین الاقوامی قاعدہ اختیار کیا گیا - پھر یہ فیصلہ ہوا کہ بین الاقوامی دستور کے مطابق جمعے کے بجائے اتوار کو تعطیل کا دن مقرر کیا جائے -

جب سے ترکوں نے اسلام قبول کیا تھا ، وہ قرآن پاک کو عربی زبان میں پڑھتے تھے اور اذان و نماز عربی زبان میں ہوتی تھی- اس سے یہ احساس پھیلتا تھا کہ عربی زبان ترکی سے افضل ہے اور اس کے بموجب عربی جاننے والوں کو اعزاز و اعتبار ملتا تھا - عہد عثمانیہ میں علما اپنے اس اعزاز و اعتبار کو قائم رکھنے کے لیے بہت جھگڑتے تھے - چنانچہ ۱۷۲۶ع میں جب استنبول میں پہلی بار چھاپہ خانہ قائم کیا گیا تو شیخ الاسلام نے جو مسلمانوں کے مذہبی پیشوائے اعظم تھے ، فتویٰ دے دیا کہ مذہبی کتابیں مطبع میں نہ چھاپی جائیں - عیسائی عالموں کا شیوہ تو یہ تھا کہ انھوں نے انجیل مقدس کو بالآخر سولھویں صدی عیسوی میں اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کر لیا تھا - مسلمان عالموں کو جمہوریۂ ترکیہ کے قیام تک اسی بات پر اصرار رہا کہ قرآن پاک ، نماز اور مذہبی علوم کی تعلیم عربی زبان ہی میں رہیں - لیکن زبان کا معاملہ بہت اہم ہے

کیونکہ اس کا اثر ساری ثقافت پر پڑتا ہے۔ مذہب کی یہ صورت ہے کہ یہ تو انسان کے ضمیر اور عقائد و خیالات کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ لہٰذا مذہب جیسی روحانی شے کو ایک غیر ملکی ثقافت سے وابستہ کردینا یعنی اسلام کو عربی زبان کا محتاج بنا دینا غلط تھا'۔ حکومت جمہوریہ جس نے اصولاً اس قسم کی تمام ٹھیکے داریاں ختم کر دی تھیں، یہ برداشت نہ کر سکتی تھی کہ مذہب جیسے اہم معاملے کو عربی زبان کا محتاج رہنے دے۔ ۱۹۳۱ع میں قرآن مجید کو ترکی میں ترجمہ کرنے کا کام شروع ہوا۔ دعائیں اور اذان ترکی زبان میں ہونے لگیں۔ اس طرح عبد و معبود کے درمیان جو غیر ضروری واسطے تھے ختم ہوگئے۔

... کے مطابق ترقی نہ کر سکی۔

عربی حروف تہجی کا ایک نقص یہ ہے کہ یہ ترکی زبان کی تمام آوازوں کو ادا نہیں کر سکتے۔ ترکی زبان میں عربی سے زیادہ

انجیل مقدس کو ...
میں ترجمہ کر لیا تھا ۔ مسلمان عالموں کو جمہوریۂ ترکیہ کے قیام تک اسی بات پر اصرار رہا کہ قرآن پاک ، نماز اور مذہبی علوم کی تعلیم عربی زبان ہی میں رہیں ۔ لیکن زبان کا معاملہ بہت اہم ہے

باب ۱۶

اتاترک ترکیہ کی فن کاری اور ثقافت کی رہنمائی کرتے ہیں

اتاترک نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اصلاحات کے پروگرام کے بموجب قومی تعلیم کے معاملے میں لامذہبیت کا اصول پورے طور پر نافذ کریں گے ۔ وہ مدرسوں کو تباہ کرنے اور سکولی نصاب سے مذہبی اثرات خارج کر دینے کو بڑی اہمیت دیتے تھے لیکن اس کے باوجود انھیں ان اقدامات پر قناعت نہ تھی ۔ وہ انھیں ناکافی سمجھتے تھے ۔

موصوف ترکی معاشرے کو اس ثقافتی ورثے سے پاک کرنا چاہتے تھے جو اسلام کی پیداوار تو تھا لیکن ترکوں کے لیے پھر بھی غیرملکی ہی تھا ۔ اتاترک کی ہدایات کے بموجب ایک اصلاح تو یہ ہوئی کہ عربی حروف کی بجائے لاطینی حروف یا رسم الخط رائج کیا گیا ۔ دیگر اصلاحات کی مانند اس اقدام کا مقصد بھی یہی تھا کہ تہذیب جدید سے مطابقت اختیار کرنے میں سہولت ہو ۔ عربی حروف تہجی عرب ثقافت کا نشان تھے، موصوف نے انھیں خارج کرکے ان کے بجائے لاطینی حروف تہجی رائج کیے جس سے ترکیہ مغربی تہذیب و ثقافت سے قریب تر ہو گیا ۔

ترکوں نے عربی حروف تہجی اسلام قبول کرنے پر اختیار کیے تھے ۔ عربی حروف تہجی کے رائج ہونے سے ترکیہ میں عربی ثقافت اور ان ثقافتوں کا اثر پھیلا جو اہل عرب سے متاثر تھیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی زبان اپنی خصوصیات اور وسائل کے مطابق ترقی نہ کر سکی ۔

عربی حروف تہجی کا ایک نقص یہ ہے کہ یہ ترکی زبان کی تمام آوازوں کو ادا نہیں کر سکتے ۔ ترکی زبان میں عربی سے زیادہ

حروف علت ہیں اس لیے عزلی حروف میں ترکی الفاظ لکھنے سے اکثر ابہام پیدا ہو جاتا تھا - جب تک عربی کا رواج رہا ، بچوں کو لکھنا پڑھنا سیکھنے میں کئی کئی سال لگ جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ میں یہ عربی حروف صدیوں سے رائج تھے اور ان میں کسی قسم کا تغیر و ترقی نہیں ہوئی تھی - یہ سچ ہے کہ سلطنت کے آخری ایام میں ہجا کی اصلاح کے لیے بعض تجاویز پیش کی گئی تھیں لیکن یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئیں - مثلاً عربی حروف کہیں سالم لکھے جاتے ہیں لیکن الفاظ کے آغاز ، درمیان اور آخر میں ان کی شکل کچھ اور ہوجاتی ہے - اس طرح ایک حرف کی چار صورتیں بن جاتی ہیں - تجویز یہ ہوئی کہ ان مختلف صورتوں کی بجائے حرف کی بسیط یعنی جداگانہ صورت قائم رکھی جائے اور حرفوں کو الگ الگ لکھا جائے - لیکن اس تجویز کو عام قبولیت حاصل نہ ہو سکی - بے دلی کے ساتھ جو کوششیں کی گئیں وہ ملک کی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں - لاطینی حروف اختیار کرنا اگرچہ ایک انقلابی قدم تھا لیکن اس میں یہ فائدہ ضرور تھا کہ اس کے ذریعے مغربی تہذیب سے ترکوں کے ثقافتی رابطے قائم ہوتے تھے اور ترک یہی چاہتے تھے - علاوہ ازیں ترکوں کی لسانی ضروریات کے لیے لاطینی حروف کی ترمیم زیادہ آسان تھی -

ان باتوں کا لحاظ کر کے اتاترک نے فیصلہ کیا کہ لاطینی حروف کو ترکی زبان کے حروف تہجی کے بطور رائج کریں - ۱۹۲۷ع میں اس اصلاح پر عمل درآمد کا فیصلہ ہوا اور فوراً اس کی تیاریاں شروع کر دی گئیں - ۱۹۲۸ع کے آخر میں اس موضوع پر بہت بڑے پیمانے پر غور و خوض کیا گیا - لسانیات کے ماہر ، تاریخ دان ، شاعر ، ہر قسم کے ادیب اور اسمبلی کے نمائندے جو اس کام کے اہل تھے اس میں شریک ہوئے - یہ کام بہت تیزی سے ہوا - حروف تہجی ، ہجا ، قواعد اور صرف و نحو کے متعلق فیصلے ہوئے - اتاترک نے ماہرین خصوصی کی ایک کمیٹی مقرر کی جسے بعد ازاں

"انجمن زبان ترکی" کہنے لگے - کابینہ کے ایک قانون کے تحت یہ انجمن قائم کی گئی تھی - اس کا پہلا اجلاس ۲۶ جون ۱۹۲۸ع کو انقرہ میں ہوا - انجمن زبان ترکی کے اکثر اجلاسوں میں وزیراعظم عصمت پاشا شریک ہوتے تھے جنھیں اس کے کام سے خصوصی دلچسپی تھی - لاطینی حروف میں ترکی ہجا کے اصول بہت تیزی سے وضع کر لیے گئے - اس کے بعد اتاترک نے یکم اگست ۱۹۲۸ع کو ارکان انجمن کا اجلاس استنبول میں طلب کیا - وہ ان کے کام سے مطمئن ہوئے اور فیصلہ کیا کہ عوام کے سامنے انجمن کی کارگزاری کا اعلان کر دیں - اس مہم کے آغاز کے لیے موصوف نے استنبول ہی کو منتخب کیا جو اہل علم کا مرکز تھا اور جہاں سے متعدد اخبار نکلتے تھے- ۹ اگست ۱۹۲۸ع کی شام کو آپ ایک اجلاس میں شریک ہوئے جسے عوامی پارٹی نے سرای بورنی میں منعقد کیا تھا - آپ نے اصلاح حروف تہجی کی تحریک کا تعارف اس طرح کیا :

"دوستو ! ہم اپنی دل پذیر ترکی زبان کی آوازیں ادا کرنے کے لیے نئے ترکی حروف رائج کر رہے ہیں - آج سے ہماری ثروت مند ، ترنم خیز زبان نئے ترکی رسم الخط میں جلوہ گر ہوگی - ہمیں لازم ہے کہ ان مہمل بے معنی علامتوں سے نجات حاصل کریں جنھیں سیکھنے کی کوشش میں ہمارا دماغ چکرا جاتا ہے - ہم نے یہ عزم کر لیا ہے کہ اپنی زبان کو لاطینی حروف میں سیکھیں گے کیونکہ ان حروف میں اسے بہت جلد پورے طور پر سیکھ سکتے ہیں - مجھے اس بات کا یقین ہے اور آپ حضرات کو بھی اس کا یقین ہو گا -

"ہمیں، نیا رسم الخط بہت جلد سیکھ لینا چاہیے - آپ کا فرض ہے کہ ہر مرد ، ہر عورت ، امیر ، غریب غرض ہر شخص کو یہ رسم الخط سکھا دیں - اسے اپنا قومی اور وطن پرستانہ فریضہ سمجھیے - اس فریضے کو اپنے ذمے لیتے وقت یہ یاد رکھیے کہ کسی ملک کے دس یا بیس فی صد اشخاص کا

خواندہ ہونا اور باقی اسّی نوے فی صد آبادی کا ان پڑھ ہونا بہت ہی شرم ناک بات ہے - ہر نیک دل انسان کو اس بات سے شرمندگی ہوگی - لیکن بحیثیت قوم ہم شرمندہ نہیں ہوں گے - ہمیں اپنے وطن پر فخر کرنا چاہیے - یہ وہ ملک ہے جس نے تاریخ عالم میں زریں کارنامے انجام دیے ہیں - سال دو سال میں ہمارا سارا ملک نئے حروف تہجی سے آشنا ہو جائے گا - ہم اپنے طرز فکر سے نیز اپنے رسم الخط سے یہ ثابت کرسکیں گے کہ ہم مہذب دنیا (مغربی ممالک) کے شانہ بہ شانہ بڑھ رہے ہیں -"

اس تقریر نے اصلاح رسم الخط کی تحریک میں جان ڈال دی اور اسی سے تحریک کا پروگرام طے ہوا - نئے حروف تہجی سکھانے کا فوری اقدام کیا گیا - ۲۵ اگست کو قصر شاہی میں بڑا بھاری اجلاس منعقد ہوا - اتاترک کی موجودگی میں سرکاری چھاپے خانے میں چھپے ہوئے نئے حروف تہجی کو وزیروں ، اسمبلی کے نمائندوں اور ممتاز اہل علم کے سامنے پیش کیا گیا - موصوف نے سرای بورنی میں جو تقریر کی تھی نیز قصر شاہی میں جو امور زیر بحث آئے انھیں ترکی اخباروں نے بڑے جوش و خروش سے شائع کیا - استنبول کے اخباروں نیز انقرہ کے روزنامہ ''حاکمیت ملیہ'' نے بہت جلد اپنے قارئین کو نئے حروف تہجی اور اصول ہجا سے آشنا کر دیا - شہروں، قصبوں اور دیہات میں ہر چھوٹے بڑے نے نئے حروف سیکھنے شروع کر دیے - نئے رسم الخط کی یہ قبولیت اور عوامی جوش و خروش دیکھ کر اتاترک بہت متاثر ہوئے - اس مہم کی ترویج کا معائنہ اور حوصلہ افزائی کرنے کے لیے آپ نے تکیر داغ اور چناق قلعہ کے دیہاتی علاقے کا دورہ کیا - جا بجا چوک میں تختۂ سیاہ پر موصوف نے نئے حروف تہجی لکھ لکھ کر دکھائے جنھیں دیکھنے کے لیے عوام جمع ہوئے -

تیسری قومی اسمبلی کے دوسرے سالانہ اجلاس کا افتتاح کرتے

ہوئے اتاترک نے اپنی تقریر میں نئے حروف تہجی سیکھنے سکھانے کی کارگزاری کا مفصل بیان کیا - پھر آپ نے اسمبلی سے فرمائش کی کہ اس معاملے میں ترک قوم کی رضامندی و پسندیدگی کا اظہار قانونی طور پر کیا جائے - لہٰذا نئے رسم الخط کے مسودۂ قانون کو ایک خصوصی کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا - اس کمیٹی نے اپنی منظوری کا اظہار کیا اور اسی روز نمائندوں نے اسے بالاتفاق منظور کر کے قانون کی شکل دے دی - ۳ نومبر ۱۹۲۸ء کو یہ قانون شائع ہوا جس کے بموجب ترکیہ میں عربی حروف لکھنے پڑھنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا اور ترکیہ میں تعلیم و ثقافت کے ارتقا کی نئی راہیں کھل گئیں -

اصلاح رسم الخط اس ثقافتی قوم پرستی کی پالیسی کا ایک جز تھی جسے اتاترک نے رواج دیا - اس کا دوسرا پہلو جس کی طرف موصوف نے توجہ فرمائی ، ترکیہ کی قومی تاریخ تھی جو ترکوں کی ترقی اور قومی ارتقا کی نشان دہی کرتی تھی -

دولت عثمانیہ کی تاریخ تین مرحلوں یا زمانوں سے گزری ہے - پہلا دور وہ ہے جو دولت عثمانیہ کے آغاز سے انیسویں صدی کی تحریک اصلاحات (تنظیمات) تک پھیلا ہوا ہے - اس دور میں ترکی عالم و فاضل اپنی پوری توجہ تاریخ اسلام پر مرکوز رکھتے تھے کیونکہ ایک ایسی سلطنت جس کی بنیاد اسلام پر ہو اس کا عام ثقافتی سرمایہ یہی تاریخ اسلام ہو سکتی ہے - لیکن تاریخ اسلام میں نہ تو دنیا کے تاریخی حالات شامل ہیں نہ اس کا واسطہ ترکیہ کی قبل اسلام والی تاریخ سے ہے اور نہ اسے ان اہم خدمات سے سروکار ہے جو ترکوں نے اسلام کی ثقافتی اور عمومی ترقی کے سلسلے میں انجام دی ہیں - علاوہ ازیں تاریخ اسلام جس انداز سے پیش کی گئی ہے وہ بھی موضوع کی وضاحت کرنے سے قاصر ہے -

تاریخ عثمانیہ کا دوسرا دور اعلان تنظیمات (اصلاحات) سے لے کر پہلے عثمانی آئین کے نفاذ تک ہے - اس کا ایک نمایاں واقعہ یہ تھا

کہ نئے سرکاری سکولوں کے نصاب میں (جو قدیمی مدرسوں کے پہلو بہ پہلو قائم کیے گئے) تاریخ اسلام کے دوش بدوش تاریخ دولت عثمانیہ بھی شامل کی گئی - لیکن اس میں بھی دولت عثمانیہ کے قیام سے پہلے ترک قوم کی تاریخ کا کوئی ذکر نہ تھا - اس کے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی بنیاد اور ارتقا کا بیان بھی غیر سائنسی انداز سے کیا گیا تھا -

تاریخ عثمانیہ کا تیسرا دور اولین عثمانی آئین (۱۸۷۶ع) سے پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک پھیلا ہوا ہے - ذی علم و ذی فہم ترک عالم جنھوں نے یورپ میں تعلیم پائی تھی اور وہاں تاریخ کے قومی پہلو کا مطالعہ کیا تھا، ترکوں کی تاریخ کو مجموعی حیثیت سے دیکھنے کے اصول پر کاربند ہوئے - لیکن حکومت نے اس کام کی تنظیم اور حوصلہ افزائی نہ کی اور یہ تحریک سکول میں یا سکولوں سے باہر کوئی دیر پا اثر پیدا کرنے سے قاصر رہی -

تاریخ عثمانیہ کے یہ تینوں دور یکے بعد دیگرے ارتقا پذیر ہوئے - ان کی خصوصیات باہم مخلوط رہیں اور بجائے اس کے کہ ایک دور دوسرے دور کی خصوصیات کو ختم کر دیتا، ان کی مشترک خصوصیات جمہوریۂ ترکیہ کے ابتدائی زمانے تک باہم ملی جلی رہیں۔ تاہم اتاترک نے جنگ آزادی کے آغاز ہی میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان تاریخوں کے بجائے ایسی قومی تاریخ مرتب کروانی چاہیے جو جامع انداز کی ہو -

اتاترک کو یقین تھا کہ ترکوں کو قومی تاریخ کا صحیح شعور حاصل ہو جائے تو جہاد آزادی کے سلسلے میں اُن کا حوصلہ بہت بلند ہو جائے گا - حقیقت یہ ہے کہ اغیار نے ترکوں کی سر زمین پر ہی حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اُن کی تاریخ، تہذیب اور انسانی اقدار کو بھی تاراج کر ڈالا تھا - جب سے ترکوں نے اسلام قبول کیا، اُن کے عظیم کارناموں کو کسی نے درخور اعتنا نہ سمجھا - ترکوں اور اقوام یورپ کے تعلقات کی تاریخ بہت درد ناک ہے - اہل یورپ نے

ترکوں کے خلاف اتنے غلط اور عداوت آمیز نظریے قائم کیے کہ رفتہ رفتہ انھیں یقین کا درجہ حاصل ہوگیا ۔ اہل یورپ نے انھیں زرد نسل قرار دیا جو تہذیب میں مغربی اقوام سے کوسوں پیچھے تھی ۔ عام خیال یہ تھا کہ ترک بس سپاہی بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں ۔ وہ ایک تباہ کن قوم ہے جسے کسی تہذیبی سرگرمی سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ وہ قوم ہے جو متعدد تہذیبوں کو فنا کرچکی ہے ۔ یہ تمام باتیں تاریخی حقائق کے بطور پیش کی جاتی تھیں ۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یورپ کی کئی قوموں نے اس تاریخ کا سہارا لے کر اُن علاقوں پر قبضہ کرنے کی دلیلیں گھڑ لیں جن میں ترک آباد تھے اور جہاں اُن کی تہذیب کے آثار موجود تھے ۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں انھی نام نہاد دلائل کی بنا پر اتحادیوں نے ترکیہ کے حصے بخرے کر لینے کی کوشش کی تھی ۔

اتاترک کا ایمان تھا کہ یہ بے بنیاد ، غیر منصفانہ ، توہین آمیز اور مخاصمانہ بیانات سراسر غلط تھے ۔ انھیں یقین تھا کہ ترکوں کی تاریخ ٹھوس دلائل دے کر یہ ثابت کر سکتی ہے کہ وہ سر زمین ترکیہ کے اصلی باشندے ہیں ۔ موصوف نے ترکوں میں یہ یقین پیدا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ان کے آبا و اجداد عظیم تہذیبوں کے خالق تھے ۔ وہ اہل یورپ کی طرح سفید نسل کے افراد ہیں اور ترکیہ کا علاقہ اُن کا قدیمی وطن ہے اور وہ اُس کے حقیقی مالک ہیں۔ اتاترک نے یہ عزم کر لیا تھا کہ اپنی قوم کو یقین اور اعتماد کی دولت عطا کریں ۔ ۱۹۲۸ء میں کسی نے انھیں فرانسیسی سکولوں کی ایک نصابی کتاب دکھائی جس میں ترکوں کو زرد نسل کی پست فطرت قوم بتایا گیا تھا ۔ اسے دیکھ کر اتاترک کا یہ رجحان اور شدید ہو گیا کہ ترکوں کی قومی تاریخ تیار ہونی چاہیے ۔ موصوف نے مندرجہ ذیل سوالوں کے اصولی جواب تیار کرانے پر توجہ کی :

۱ ۔ ترکیہ کے قدیم ترین باشندے کون تھے ؟

۲ ۔ ترکیہ میں سب سے پہلے تہذیب کا ظہور کیسے ہوا اور اس

تہذیب کے معمار کون تھے ؟
۳ - ترکوں نے تاریخ عالم اور تہذیب کے ارتقا میں کیا حصہ لیا ؟ انھوں نے کون سی خدمات انجام دیں ؟
۴ - یہ بات تو قابل یقین نہیں کہ اناطولیہ کا ایک قبیلہ آٹھ کر سلطنت کا عظیم الشان قصر تعمیر کرلے ، لٰہذا وضاحت کی جائے کہ ترکوں کی عظیم سلطنت کیسے قائم ہوئی ؟
۵ - تاریخ اسلام کی صحیح صورت کیا ہے - ترکوں نے تاریخ اسلام میں کیا خدمت انجام دی؟

اتاترک خوب جانتے تھے کہ دنیا میں ترکوں کے متعلق بلکہ خود ترکوں میں جو غلط تاریخی نظریات قائم ہو چکے ہیں ، انھیں ٹھیک کرنا آسان نہیں ہے - سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ اس مقصد کے لیے ایک باقاعدہ تنظیم قائم کی جائے - انھوں نے ایک تاریخی لائبریری قائم کرکے اس کام کا آغاز کیا - بعد ازاں انھوں نے مورخوں اور ترکی تاریخ کے شائقوں سے یہ فرمائش کی کہ ترکوں کی تاریخ پر جو کتابیں موجود ہیں انھیں جانچا جائے - مختلف ترجمہ شدہ کتابوں کے خلاصے اور دوسری کتابوں کے متعلق رودادیں اتاترک کے سامنے پیش کی گئیں - اس کے نتیجے میں "تاریخ ترکیہ کا ایک خاکہ" ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا جس میں اس بات کا مختصر بیان تھا کہ تاریخ عالم میں ترکوں نے کیا حصہ لیا ہے ؟ ایک سال بعد ۱۹۳۱ء میں "انجمن تحقیق تاریخ ترکیہ" قائم کی گئی جس کا مستقل پروگرام یہ تھا کہ تاریخ ترکیہ کے موضوع پر تحقیق کیا کرے - اس کے قیام سے تاریخ ترکیہ کا کام بہت تیزی سے ہونے لگا -

اتاترک کی خواہش تھی کہ تاریخی تحقیق کا یہ سارا کام تاریخ کے سائنسی طریقے پر کیا جائے اور اس کے نتائج اتنے واضح ہوں کہ علمی دنیا کے سامنے پیش کیے جا سکیں اور انھیں قبول عام کا شرف حاصل ہو سکے - ان خطوط پر مورخوں کی رہنمائی کرنے کے لیے اتاترک نے تاریخی سوسائٹی کو یہ ہدایات دیں :-

''ہمارے آبا و اجداد جنھوں نے عظیم سلطنتیں قائم کیں ، عظیم اور ہمہ گیر تہذیبوں کے خالق بھی تھے - ہمارا فرض ہے کہ اس موضوع پر مطالعہ و تحقیق کریں اور ساری دنیا نیز ترکوں کو اس حقیقت سے آشنا کردیں - اپنے آبا و اجداد کے کارناموں سے واقف ہوکر ترک بچے عظیم کارنامے انجام دینے کی صلاحیت پیدا کریں گے -

''آپ صرف اُن تاریخی دستاویزات سے مدد لیں جنھیں احتیاط سے منتخب کیا گیا ہے - ان دستاویزوں سے تحیقق کرنے میں آپ اپنی قوت ایجاد اور فیصلہ سے کام لیں - ہم صداقت کے جویا ہیں - جب ہمیں حقیقت تک پہنچ جانے کا یقین ہو جائے گا ، ہم اُس کا اعلان جرأت کے ساتھ کر دیں گے -

اپنی تاریخ کی تعمیر کی طرح تاریخ لکھنا بھی بہت اہم ہے - اگر تاریخ لکھنے والے کو اُن بزرگوں سے اعتقاد ہو جو ملک کی تاریخ کے خالق ہیں تو وہ تاریخی حقائق کو کماحقہ سمجھ سکے گا -''

اتاترک نے مورخوں کی جو رہنمائی کی اُس کا نتیجہ ۱۹۳۱ع کے آخر میں نکلا یعنی سکولوں کے نصاب میں وہ تاریخ عالم شامل کی گئی جو سلسلہ وار چار جلدوں پر مشتمل تھی - یہ کتاب جس میں پوری دنیا کی تاریخ کا واضح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے ، ترکوں کی تاریخی تحقیق کا دوسرا شاہکار ہے - ۱۹۳۲ع میں انقرہ میں انجمن تاریخ ترکیہ کا پہلا اجلاس ہوا - اس میں شرکت کرنے والے پروفیسروں اور استادوں نے ترکیہ کے تاریخی موضوع پر سائنسی معیاروں کے مطابق بحث و مباحثہ کیا - یہ موضوع جس نے ترکیہ کی ثقافتی زندگی میں تاریخ کا نیا تصور پیش کیا ، بطور خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے :

''ترک قوم کی تاریخ محض سلطنت عثمانیہ کی تاریخ تک محدود نہیں - اس کا آغاز مدتوں پہلے ہوتا ہے جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ترکوں کا جن قوموں سے تعلق ہوا ، اُن کی تہذیب پر

انھوں نے اپنا اثر ڈالا ۔"

ترکوں کی تاریخ کا موضوع باقاعدہ تیار ہوجانے سے یہ موقع ملا کہ ترکیہ کی تاریخ کا مطالعہ صحت کے ساتھ کیا جا سکے ۔

اس کے بعد منطقی ترتیب کے مطابق اتاترک نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ اصلاح زبان کی طرف متوجہ ہوئے ۔ عظیم قومی اسمبلی کے قیام سے دور عثمانیہ کے اداروں اور قدیم ذہنیت کا زوال شروع ہوگیا تھا ۔ اُن کے بجائے جدید جمہوریۂ ترکیہ اور معاشرے کے قوم پرستانہ نقطۂ نظر کو فروغ مل رہا تھا ۔ یہ تبدیلیاں محض سیاسی نہیں بلکہ معاشرتی بھی تھیں ۔ زبان کو بھی قوم کی نفسیات کا ساتھ دینا تھا اور اُس کا اس قابل ہو جانا ضروری تھا کہ نئی ضرورتوں اور نئے میلانات کا اظہار کرسکے ۔ عہد عثمانیہ کے ذی علم حضرات جس ترکی زبان کو استعمال کیا کرتے تھے وہ اس معیار پر پوری نہیں اُترتی تھی ۔

عہد عثمانیہ کی ترکی زبان پر صدیوں سے غیرملکی الفاظ اور قاعدوں کا اتنا اثر پڑتا رہا تھا کہ اُس کی اپنی انفردایت ختم ہو گئی تھی ۔ اس پیچیدہ زبان کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے تھے جو ترکی کے علاوہ عربی اور فارسی کی قواعد اور صرف و نحو سے بھی واقف ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو ترکی کو قومی زبان کا درجہ حاصل ہو سکا نہ وہ علمی زبان بن سکی ۔ عوام جو زبان بولتے تھے اُس میں اور تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان میں بہت بڑا فرق تھا ۔

انیسوی صدی کی تنظیمات (اصلاحات) کے بعد عہد عثمانیہ کے بعض دانشوروں کو یہ احساس ہوا کہ عوامی ترکی اور خواص کی زبان میں فرق ہونے کی وجہ سے معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہے ۔ انھوں نے زبان کو سلیس و سادہ بنانے کی کوشش کی ۔ تاہم یہ لوگ اپنی کوششوں میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے ۔ بالآخر اتاترک نے فیصلہ کیا کہ انقلاب آفریں اصلاحات سے زبان کا مسئلہ حل کیا جائے ۔

جوں ہی اصلاح حروف تہجی سے مفید نتیجے نکلنے شروع ہوئے ، اتاترک نے ۱۲ جولائی ۱۹۳۲ء کو ''انجمن تحقیق زبان ترکی'' کا سنگ بنیاد رکھا جو ''انجمن تحقیق تاریخ ترکیہ'' کی رفیق کار تھی - اس کا فرض یہ تھا کہ ترکی کی لغات ، اصطلاحات ، صرف و نحو اور اشتقاق الفاظ کا مطالعہ کرے ، زبان کی ترقی میں اعانت کرے اور دنیا کی زبانوں میں ترکی کو معزز درجہ دلائے - اس مقصد کے لیے موصوف نے حسب ذیل پروگرام معین کیا :

پہلے ایک لسانی اجتماع منعقد کیا جائے جس میں ماہرین خصوصی ، ادیب ، شاعر ، صحافی اور اساتذہ کو جمع کیا جائے - اُن سے گزارش کی جائے کہ زبان کے موضوع پر اظہار خیال کریں - ایسا کرنے سے اس مضمون میں عمومی دلچسپی میں اضافہ ہوگا - یہ اجتماع انجمن تحقیق زبان کے قواعد و ضوابط اور لائحۂ عمل کی جانچ کرے اور اس کے لیے ایک کمیٹی منتخب کرے -

ماہرین زبان کا یہ اجتماع ۲۶ ستمبر سے یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء تک قائم رہا - اتاترک اس کے کام سے نیز آئندہ کارروائیوں کے پروگرام سے مطمئن ہوئے - یکم نومبر ۱۹۳۲ء کو آپ نے قومی اسمبلی کے سیشن میں جو افتتاحی تقریر کی اُس میں لسانی مطالعے اور تحقیق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ فرمایا :

> ''ہم جمہوریۂ ترکیہ کی بنیادی خواہش کو پورا کرنے کے لیے قومی ثقافت کے ہر شعبے کو ترقی دیں گے - میں چاہتا ہوں کہ حکومت اپنے تمام ذرائع اس کام کے لیے وقف کر دے کہ ترکی زبان اپنی کھوئی ہوئی انفرادیت ، دلکشی اور ثروت دوبارہ حاصل کر لے -''

انجمن تحقیق زبان ترکی نے اجتماع کے پہلے اجلاس کے بعد اپنا کام اتاترک کی سرپرستی میں جاری رکھا - پوری کوشش کی گئی کہ اجتماع نے جو پروگرام وضع کیا ہے اس پر عمل کیا جائے - اتاترک بھی زبان کے معاملے میں برابر دلچسپی لیتے رہے - بیمار

پڑنے تک ان کی یہ سرگرمی قائم رہی - خصوصی ماہروں نے جو یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ترکی زبان دنیا کی تمام زبانوں کی اصل ہے، وہ اس پر توجہ کرتے رہے - آپ نے ابتدائی اور ثانوی سکولوں کی نصابی کتابوں میں ترکی اصطلاحات داخل کرنے کے کام کی حوصلہ افزائی کی -

اتاترک اس حقیقت سے آشنا تھے کہ قومی معاشرے کا تار و پود جبھی قائم رہ سکتا ہے جب اس کی قومی زبان کو اس کے اپنے ذرائع اور اپنے قواعد و ضوابط کے مطابق ترقی دی جائے - لاطینی حروف تہجی کی تحریک کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ زبان کی اصلاح کا کام بھی کیا جائے - چنانچہ موصوف نے اس معاملے کی ہر طرح تائید فرمائی -

باب ۱۷

مصطفٰی کمال اور ترکیہ کی اقتصادیات کی تعمیر نو

سب جانتے ہیں کہ دولت عثمانیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب اقتصادی مشکلات تھیں۔

حکومت عثمانیہ نے یورپی ممالک سے دب کر جو صلحنامے کیے تھے ان سے ترکیہ کی اقتصادی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ انیسویں صدی میں ساری سلطنت عثمانیہ یورپی ممالک کی روز افزوں صنعتی ترقی کے لیے ایک منڈی بن کر رہ گئی تھی۔ ملک کا سالانہ بجٹ متوازن رکھنے کے لیے دوسرے ملکوں سے قرضہ لیا گیا۔ غیر ملکی سرمایہ داروں نے ترکیہ میں اپنا سرمایہ لگا کر ایسے حالات پیدا کر دیے جو ترکوں کے لیے نا سازگار تھے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکیہ کی شکست کے بعد اتحادی ملکوں نے سلطان وحید الدین کی حکومت پر جو معاہدہ 'سہ ور' ٹھونسنا چاہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ ترکوں کو صرف سیاسی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ اقتصادی حیثیت سے بھی غلام بنا دیا جائے۔

جب اتاترک نے قومی جد و جہد کا آغاز کیا تو انھوں نے 'مکمل آزادی' کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اپنی تقریر میں موصوف نے اس آزادی کا مطلب یوں بیان کیا:

"جب ہم مکمل آزادی کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد قدرتاً یہ ہوتی ہے کہ سیاسی، مالی، اقتصادی، قانونی، فوجی اور تمام دیگر امور میں ہمیں کامل آزادی میسر ہو۔ اگر مذکورہ بالا امور میں سے کسی معاملے میں بھی ہم آزادی سے محروم ہوں تو یہ سمجھیے کہ پورا ملک آزادی کے صحیح اور سچے مفہوم سے محروم کر دیا گیا ہے۔"

جو لوگ قومی جد و جہد میں اتاترک کے رفیق تھے ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ اس قسم کی مکمل آزادی کا نظریہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوگا۔ ان کے دلائل یہ تھے کہ ہمارا ملک غریب ہے، آبادی کم ہے، بجٹ میں اتنی گنجائش بھی نہیں کہ قرضوں کا سود ہی ادا کر سکے۔ غیرملکی امداد کے بغیر اس ملک کی زندگی ممکن ہی نہیں۔ ان لوگوں نے سیواس کی (کانگرس) میں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ ترکیہ کو امریکہ کی تولیت میں دے دیا جائے۔

بہت سے ترک دانشور جنھوں نے قومی جد و جہد کی ضرورت کو تسلیم کر لیا تھا، اس خیال کے باوجود قنوطیت میں گرفتار تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا ملک غریب ہے اور جنگ کے لیے دولت درکار ہے۔ اتاترک نے ان لوگوں سے اپنی ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے:

"جب میں نے پہلے پہل جنگ آزادی کا کام شروع کیا تو بہت سے انتہائی ذہین اور صاحب فکر اشخاص نے مجھ سے پوچھا "کیا ہمارے پاس روپیہ ہے۔ کیا ہمارے پاس ہتھیار ہیں؟" میں نے جواب دیا، نہیں۔ اس پر انھوں نے سوال کیا کہ پھر آپ کیا کریں گے؟ میں نے کہا کہ روپیہ بھی آ جائے گا اور فوج بھی کھڑی ہو جائے گی اور ترک قوم اپنی آزادی کا تحفظ کر لے گی۔"

مذکورہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ نئی ترکی حکومت کی اقتصادی پالیسی کے سلسلے میں اتاترک کی اولین کامیابی یہی تھی کہ انھوں نے آزاد قومی اقتصادیات کو اپنا نصب العین بنایا اور اہل ملک کو اس سے آگاہ کر دیا۔ انھیں خوب اندازہ تھا کہ آزاد قومی اقتصادیات کے قیام میں بہت سی مشکلات و موانع پیش آئیں گے۔ انھیں یقین تھا کہ دولت عثمانیہ نے دوسرے ملکوں سے دب کر جو معاہدات کیے ہیں وہی سب سے بڑی مشکل ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اس قسم کے معاہدے حکومت کی جڑیں کھوکھلی

کر دیتے ہیں جس کی نمایاں ترین مثال حکومت عثمانیہ ، ہندوستان اور مسلمانوں کی سلطنتیں ہیں ۔ سیواس کانگرس اور 'میثاق ملی' میں بھی مذکورہ معاہدوں کے نقصانات پر خاص زور دیا گیا تھا ۔ یکم مارچ ۱۹۲۲ع کو مصطفیٰ کمال نے قومی اسمبلی میں جو تقریر کی اس میں معاہدات کے تباہ کن اثرات کا یوں بیان کیا :

"وہ قومیں جو اقتصادی طور پر ہم سے زیادہ مضبوط تھیں انھیں ایک فائدہ یہ تھا کہ وہ ہمارے ہی ملک میں زیادہ حقوق و مراعات رکھتی تھیں ۔ انھیں اپنے منافع پر ٹیکس نہیں دینے پڑتے تھے ۔ وہ ہمارے محصولات کی مختار تھیں ۔ وہ اپنی پسندیدہ شرطوں پر ہمارے ملک میں جو سامان لانا چاہتیں ، لا سکتی تھیں ۔ اس طرح ہمارے حریفوں نے ان تمام ذرائع کو تباہ کر دیا جنھیں ہم فروغ دے سکتے تھے ۔ انھوں نے ہماری زراعت کو نقصان پہنچایا اور ہماری اقتصادی و مالی ترقی روک دی ۔

"اب ترکیہ نے آزاد زندگی کے میدان میں قدم رکھا ہے ۔ اب یہ ملک ان نقصان رساں معاہدوں کی پابندی نہیں کرے گا جو اس کی اقتصادی زندگی کا گلا گھونٹ رہے تھے ۔"

معاہدات کے منسوخ ہو جانے سے آزاد قومی اقتصادیات کی ترقی کی راہ کھل گئی ۔ تاہم ایک اور تبدیلی ابھی ضروری تھی ۔ صدیوں سے یہ حال تھا کہ تعلیم یافتہ ترک ، کسانوں کا کچھ خیال نہ کرتے تھے ۔ آبادی کی اکثریت اسی طبقے پر مشتمل تھی اور یہی زراعتی پیداوار کے حقیقی ضامن تھے ۔ اتاترک نے حالات کا رخ بدلا ۔ کسانوں سے بے توجہی کے بجائے توجہ کا سلوک کیا تاکہ اقتصادیات کی مہم کامیاب ہو سکے ۔ یکم مارچ ۱۹۲۲ع کو اپنی تقریر میں موصوف نے یہ واضح کیا کہ ترکیہ کی قومی اقتصادیات میں کسان کو خاص مقام حاصل ہے ۔ آپ کے الفاظ یہ تھے :

"مجھے اس معزز و ذیشان اسمبلی سے بلکہ ساری دنیا سے ایک

سوال پوچھنے کی اجازت دیجیے۔ ترکیہ کا حقیقی آقا اور ولی نعمت کون ہے؟ ہم سب بے تامل یہی جواب دیں گے کہ ملک کا حقیقی مالک کسان ہے جو غلہ پیدا کرتا ہے۔ اس کے یہ معانی ہیں کہ خوشحالی، مسرت اور دولت میں بھی اس کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے ترکوں کی اس قومی اسمبلی کو لازم ہے کہ اپنی اقتصادی پالیسی میں انھی باتوں کو نصب العین بنائے۔ معزز حاضرین! سچ تو یہ ہے کہ ہمارے موجودہ آلام و مصائب کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا ہے۔

"جو ہوا سو ہوا، اب بھی موقع ہے کہ ہم احساس خجالت اور احساس ادب کے ساتھ تلافی مافات کریں اور اپنے اس آقا (کسان) کی خدمت کریں جسے ہم نے دنیا کے کونے کونے میں سرگشتہ پھرایا ہے، جس کا خون بہایا ہے اور جس کی ہڈیاں تک دوسری قوموں کے ہاتھ بیچ دی گئی تھیں۔ سات صدیوں سے ہم کسان کی محنت کا پھل چھین چھین کر ضائع کر رہے ہیں اور اس کے صلے میں اسے ذلت و توہین دے رہے ہیں۔ اس نے ہمارے ساتھ فیاضی اور قربانی کا برتاؤ کیا لیکن ہم نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ ناشکرے پن، بدتمیزی اور ظلم سے کام لے کر اُسے غلاموں کی سی حیثیت میں رکھنا چاہا۔"

آزاد قومی اقتصادیات کے فروغ کے لیے اتاترک کی یہ خواہش تھی کہ ہر شخص اقتصادی مسائل میں دلچسپی لے اور زیادہ روزی کما کر اچھی زندگی بسر کرے۔ بد قسمتی سے سیاسی معاہدات اور قناعت کے غلط تصور نے لوگوں کو اقتصادی مسائل کی طرف سے غافل کر دیا تھا۔ فلسفۂ حیات کا بنیادی تصور یہ تھا کہ انسان کو فقط دو روٹیاں اور ایک جوڑا کپڑے درکار ہیں اور افلاس بڑی شرافت ہے۔ اتاترک جانتے تھے کہ جس قوم کا فلسفۂ زندگی یہ ہو وہ اپنے ملک میں نو آبادیاتی باشندوں یا غلاموں کی سی زندگی بسر کرے گی،

اس لیے موصوف نے اپنی تقریروں سے اس فلسفے اور اس کے جملہ تصورات کو ختم کرنا چاہا - ۱۹۲۲ع میں مغربی اناطولیہ کا دورہ کرتے ہوئے انھوں نے قناعت و توکل کے فلسفے پر یوں تنقید کی :

''مجھے یقین ہے کہ ہم موجودہ عوامی دور کو اقتصادی دور کہہ سکتے ہیں - یعنی یہ اقتصادی ترقی کا وہ دور ہے جس میں ہمارا ملک ترقی کرکے متمول اور خوش حال ہو جائے گا - مجھے یہاں اس فلسفۂ قناعت کا بھی بیان کرنے دیجیے جو صبر و قناعت کو لازوال خزانہ قرار دیتا اور افلاس کو شرافت ٹھہراتا ہے - یہ اقتصادی دور اس قسم کے تصورات کو ختم کر دے گا - حقیقت یہ ہے کہ اسی قسم کے مفکروں اور فلسفیوں نے ہمارے عزیز وطن کو زندان اور دوزخ بنا دیا ہے - حالانکہ وطن عزیز کا حق ہے اور وہ یہ حق حاصل کرنے کے لیے فریاد کناں ہے کہ مجھے میرے نونہالوں کے لیے دوزخ نہیں بلکہ بہشت بناؤ -''

اس نظریے کو باطل کرنے کے علاوہ کہ افلاس ایک فضیلت ہے ، مصطفیٰ کمال نے یہ بھی سمجھایا کہ غیرملکی حملہ آوروں کو فوج کے زور سے شکست دے دینے کے باوجود ملک کے تمام مسائل حل نہیں ہوئے - ابھی کتنے ہی میدانوں میں جد و جہد کرنی اور مشکلات پر فتح پانا باقی ہے - آپ نے فرمایا :

''دوستو ! ہم مستقبل میں نئی اور نہایت اہم فتوحات حاصل کریں گے - لیکن یہ فتحیں تیغ و تفنگ کے زور سے حاصل نہیں کی جائیں گی - یہ فتوحات اقتصادی ، سائنسی اور تعلیمی ہوں گی - یہ کہنا درست نہیں کہ ہماری جانباز فوجوں نے جو فتحیں حاصل کی ہیں وہ ترکیہ کی نجات و فلاح کے لیے کافی ہیں - یقیناً یہ فوجی فتوحات ہماری آئندہ فتحوں کا سنگ بنیاد ہیں - ہمیں اپنی فوجی کامیابیوں پر فخر کرنے کے بجائے نئی فتوحات یعنی سائنسی اور معاشیاتی ترقیوں کی تیاری کرنی چاہیے -''

اتاترک کی رائے تھی کہ اقتصادی فتوحات حاصل کرنے کے لیے

حکومت کا تصور بدلنا ضروری ہے ۔ سلطنتِ عثمانیہ ایک فاتح سلطنت تھی جو نئے ممالک فتح کر کر کے اپنی طاقت اور دولت بڑھاتی رہی لیکن کشور کشائی کے اس قاعدے سے ملک کو محض نا پائدار عظمت حاصل ہو سکتی تھی ۔ یہی ہوا ۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اقتصادی استحکام سے محروم رہنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطنت پر تیزی سے زوال آیا اور حکومت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیے گئے ۔ نئی جمہوریۂ ترکیہ کو اس سے سبق لینا لازم تھا ۔ اس کی بنیاد اقتصادی دور میں رکھی گئی تھی اور اسے اقتصادی حکومت ہی بننا تھا ۔ اسے اپنے اقتصادی ذرائع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا لازم تھا ۔ اتاترک نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس بات کی وضاحت کی :

"جو لوگ تلوار کے زور سے ملک فتح کرتے ہیں ان کا انجام جلد یا بہ دیر یہ ہوتا ہے کہ محنت کش زراعت پیشہ قومیں ان پر غالب آجاتی ہیں ۔ تلوار چلانے والوں کے بازو تھک کر شل ہو جاتے ہیں لیکن ہل چلانے والے کا ہاتھ ہر روز زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے اور زمین ہر روز اسے زیادہ نفع دیتی ہے بڑی سے بڑی فوجی اور سیاسی فتح نا پائدار ہوتی ہے اور اگر اقتصادی فتح اسے سہارا نہ دے تو وہ لازماً زوال پذیر ہوجاتی ہے ۔"

اتاترک کو یقین تھا کہ اقتصادی کامیابی حاصل کرنے کے لیے قوم کا فرض ہے کہ نئے معاشیاتی تصورات قائم کرے اور اس کے دوش بہ دوش حکومت بھی ایک واضح اقتصادی منصوبہ بنائے ۔ جنگ آزادی کے ختم ہونے سے کہیں پہلے ، مارچ ۱۹۲۲ع میں اتاترک کی توجہ اقتصادی مسائل پر مرکوز تھی جن کا حل کرنا ضروری تھا ۔ آپ نے ان کو اختصار کے ساتھ یوں پیش کیا :

۱ ۔ مغربی اقوام کی مسابقت کے ہاتھوں ملک کی زراعت تباہ ہو کر رہ گئی ہے ۔ اسے حیات تازہ دی جائے اور کاشت کے لیے جدید آلات مہیا کیے جائیں ۔

۲ ۔ جنگلات کی پوری نگہداشت کی جائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے ۔

۳ ۔ حکومت کو چاہیے کہ جس حد تک ملک کے وسائل اجازت دیں ، وہ ان تمام معاشیاتی منصوبوں اور نجی کاروبار کو قومی تصرف میں لے لے جو براہ راست عوام کے ہاتھ میں ہیں ۔

۴ ۔ ملک کے معدنی وسائل سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور عوام کو اجازت دی جائے کہ وہ اس کام میں اپنا سرمایہ لگائیں ۔ اس سرمائے کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ۔

۵ ۔ اگرچہ زراعت اور زراعتی صنعتیں ملکی اقتصادیات کی بنیاد ہیں تاہم دیگر صنعتوں مثلاً پارچہ بافی وغیرہ کے تحفظ اور ترقی کا خیال رکھا جائے ۔ کوشش کی جائے کہ ملک کے ہر حصے میں صنعتیں قائم ہو جائیں ۔

۶ ۔ ملک کی مالی آزادی قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے ۔ بہ الفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا بجٹ ملک کے اقتصادی وسائل کے مطابق ہو ۔

یہ تھیں وہ تجاویز جنھیں اتاترک نے عظیم قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا ۔ جب ترکوں نے ۱۹۲۲ء میں غنیم کی فوجوں کو سمندر میں پھینک دیا تو موصوف نے یہی نظریات دوبارہ پیش کیے ۔ پھر جب مغربی اناطولیہ کے عوام سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تو موصوف نے انھی خیالات کا اعادہ کیا ۔ اس وقت ترکیہ شدید اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھا ۔ دولت کے وسائل کا بڑا حصہ دشمن کی دستبرد سے تباہ ہو چکا تھا ۔ بہت سے کارکن اور مزدور اپنے کارخانوں اور گھروں سے نکال دیے گئے تھے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اندرون ملک کی تجارت میں سخت بد نظمی پیدا ہوگئی تھی ۔ بیرونی تجارت از سر نو تنظیم اور قیام کی محتاج تھی ۔ ملک اگرچہ جنگ کی بھٹی سے نکل آیا تھا لیکن اقتصادی بحران کے دروازے پر کھڑا تھا ۔ اتاترک کو یقین تھا کہ ان حالات میں کامیابی کا پہلا راز یہی

ہے کہ ترک اپنے وطن اور وطن کے مستقبل کے متعلق پُر یقین ہوں ۔ موصوف نے ملک کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے جو دورے کیے ان میں عوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے عزم و یقین پیدا کرنے کے لیے آپ نے یہ فرمایا :

''ہم بہت جلد ملک کے اہم مرکزوں کو ریل کے ذریعے باہم ملا دیں گے ۔ معدنیات کے اہم وسائل کا کام شروع کیا جائے گا ۔ ہمارا عزیز وطن جو اس وقت تباہی و بربادی کا منظر پیش کر رہا ہے، اسے ہم خوشحالی و شادابی کا ایسا مرقع بنا دیں گے کہ دیکھنے والے بے ساختہ تحسین و آفرین کے نعرے بلند کریں گے ۔

''جو شخص کام کرنا اور خوش رہنا چاہتے ہیں ان کے لیے بہت جلد مستقل اور معقول روزگار بہم پہنچایا جائے گا ۔ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب تاجر دوبارہ شادکام اور مسرور ہوں گے ۔"

موصوف نے اسمبلی کے اجلاسوں اور عوامی جلسوں میں جن اقتصادی مسائل کا بیان کیا تھا انھیں حل کرنے کے لیے ازمیر میں ایک اقتصادی اجتماع (کانگریس) کا اجلاس کیا ۔ یہ اجلاس ۱۹۲۳ء کے آغاز میں ہوا ۔ اتاترک نے اپنی تقریر سے اس کا افتتاح کیا اور فرمایا :

''اگر جدید ترکی حکومت کو مناسب و معقول سطح تک بلند کرنا ہے تو اقتصادیات کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے ۔ ہم ایسے اقتصادی دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں معاشیات کو بنیادی مقام حاصل ہے ۔"

اس زمانے میں ترکی اخبارات بھی اقتصادی مسائل پر خاص توجہ مرکوز کرنے لگے ۔ ترکیہ کے بعض ذی فہم و ہوشمند اشخاص نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ ترقی کے لیے ملک کے مالی وسائل قطعی ناکافی ہیں ۔ اس مقصد کے لیے غیرملکی سرمائے کی ضرورت ہے ۔ بعض تجارتی ادارے جو ان غیرملکی سرمایہ داروں

سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہتے تھے جنھوں نے دور عثمانیہ میں اپنا سرمایہ ترکیہ میں لگایا تھا، یہی نعرہ لگاتے تھے۔ تامل و تشویش کو ختم کرنے نیز بیرونی سرمایہ داروں کا تذبذب دور کرنے کے لیے اتاترک نے اس طرز عمل کو واضح کر دیا جو ترکیہ نے غیر ملکی سرمائے کے متعلق طے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''ہمارے ملک میں اتنا سرمایہ موجود نہیں ہے کہ جس سے ہم تھوڑے سے عرصے میں اپنے وسائل کو ترقی دے سکیں۔ لہٰذا غیر ملکی وسائل اور سرمائے کا استعمال ہمارے مفاد کے عین مطابق ہے۔ یہ خیال نہ کیجیے کہ ہم غیر ملکی سرمائے کے خلاف ہیں۔ ایسا نہیں، ہمارا ملک بہت وسیع ہے جسے ترقی دینے کے لیے بہت سرمائے اور بڑی کوششوں کی ضرورت ہے۔ اگر غیر ملکی ادارے ہمارے قواعد و ضوابط کا احترام کریں تو ہم غیر ملکی سرمائے کو ہر قسم کے تحفظ کا یقین دلانے کو تیار ہیں۔''

اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دور عثمانیہ کے معاہدات کے تحت جو صورت حالات غیر ملکی سرمائے نے پیدا کر دی تھی وہ تو باقی نہیں رکھی جا سکتی تھی لیکن جو غیرملکی سرمایہ دار ترکیہ کے اقتصادی قواعد و ضوابط کے دائرے میں رہ کر دست تعاون بڑھانا چاہیں ان سے تعاون قطعی ممکن تھا۔

ترکی اخباروں میں جن موضوعات پر بحث ہوتی تھی ان میں سے ایک یہ تھا کہ ترکیہ کی اقتصادیات کا مجوزہ اندازہ کیا ہو گا۔ بعض کا خیال تھا کہ ترکیہ کو سراسر خالص زراعتی علاقہ بنا دیا جائے گا۔ لیکن اتاترک ملک کی اقتصادی ترقی کو محدود کر دینے کے خلاف تھے۔ اقتصادی اجتماع کے اجلاس میں موصوف نے اقتصادی کوششوں کی انتہائی توسیع کے متعلق یہ حوصلہ افزا الفاظ کہے:

''اقتصادیات ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم بہت ہمہ گیر ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو زندگی بسر کرنے،

خوش رہنے اور بھلے مانسوں کی طرح زندہ رہنے کے لیے ضروری ہیں - اس میں زراعت ، صنعت و حرفت ، غرض سب کچھ شامل ہے -''

انیسویں صدی میں جو تدابیر رائج تھیں ان سے ملک کی اقتصادیات کا نشو و نما اپنے وسیع اور صحیح مفہوم میں ممکن نہ تھا - حقوق انسانی اور معاشیاتی مساعی کے میدان میں انیسویں صدی وہ زمانہ ہے جب منفرد اور ممتاز شخصیتوں کو بے حد عروج حاصل تھا - اس کے برعکس ترکیہ کی جدید حکومت کی ضروریات نیز جن حالات سے ترکیہ دو چار تھا - ان کا تقاضا یہ تھا کہ اقتصادیات کے معاملے میں حکومت اپنے سرمائے پر اعتماد کرے اور غیر ملکی سرمائے سے دامن بچائے رہے - غیر ملکی سرمایہ داروں کی ذہنیت وہ ظالمانہ ذہنیت تھی جو سیاسی معاہدوں کے روپ میں اپنا جلوہ دکھا چکی تھی اور جس کے بوجھ تلے دب کر ترکیہ صدیوں سے کراہ رہا تھا - ملک کو ان سرمایہ داروں کے چنگل سے بچائے رکھنے کا طریقہ یہی تھا کہ ان کے سرمائے سے سروکار نہ رکھا جائے - استنبول سے دریائے سقاریہ تک اسی غیر ملکی سرمائے کی بدولت دشمنوں نے ترکیہ کو تباہ کر رکھا تھا اور ملک کی تعمیر نو کے لیے ضروری تھا کہ اس کا منحوس سایہ ترکوں پر نہ پڑنے دیا جائے - جدید ترکی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ یہ عوامی حکومت ہے جو عوام کی جملہ ضروریات مہیا کرنے کی کفیل ہے - ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حکومت کو لازم تھا کہ ہر قسم کے ضروری اقدامات کرے - جب ۱۹۲۸ع کا عالمگیر اقتصادی بحران پھیلتے پھیلتے ترکیہ تک جا پہنچا تو حکومتی سرمایہ کاری کی پالیسی ، اعتراض اور تنقید کا نشانہ بن گئی - ترکیہ کی 'آزاد جمہوری پارٹی ، حکومت کی سرمایہ کاری والی پالیسی کی حامی تھی اور یہ چاہتی تھی کہ ترکیہ میں غیر ملکی سرمایہ کاری کو فروغ حاصل نہ ہو - لیکن ۱۹۲۸ع والے معاشی بحران میں اس پارٹی نے ان

اصولوں سے انحراف اختیار کر لیا جو اس کے بانیوں نے وضع کیے تھے۔ اس نے معاشی مسائل کو حل کرنے میں امداد دینے کی بجائے ان قدامت پرست اور رجعت پسندانہ عناصر کا اثر قبول کر لیا جو اس پارٹی میں داخل ہو گئے تھے۔

جب صورت حال یہ ہو گئی تو پارٹی کے بانیوں نے ۱۷ نومبر ۱۹۳۰ء کو اسے ختم کر دیا۔ آزاد جمہوری پارٹی کی ناکامی کے بعد اتاترک نے 'حکومتی سرمایہ کاری' کے اصولوں کو ملک کی اقتصادی زندگی میں رائج کرنے کے لیے بعض اقدامات منظور کیے جن کے بموجب نجی سرمایے کی کارفرمائی پر نئی پابندیاں لگا دی گئیں۔ اب اتاترک نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ حکومتی اقتصادیات تمام حکومتی سرگرمیوں کا جزو لاینفک ہیں۔ آپ نے ۱۹۳۷ء میں عظیم قومی اسمبلی میں جو تقریر کی اس میں اپنا نظریہ ان الفاظ میں ظاہر کیا:

"کسی ملک کے سیاسی وجود کی مشینری میں جس سے قوم کو آزاد انفرادی تشخص اور آزاد قدریں حاصل ہوتی ہیں، تین عناصر کار فرما ہوتے ہیں: اول حکومت، دوم افراد قوم کی ذہانت، سوم اس کی اقتصادی زندگی، یہ تینوں عناصر باہم مخلوط اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر اس مشین کا نظام درست نہ ہو اور اس سے خوش آہنگی کے ساتھ کام نہ لیا جائے تو اقتصادی مشین کی قوت محرکہ ضائع ہونے لگتی ہے اور اس سے وہ نتیجے نہیں نکلتے جن کی اس سے توقع کی جاتی تھی۔ اسی لیے کسی ملک کی ثقافتی رفعت و ثروت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس ملک نے کاروبار حکومت، ذہنی کارگزاری اور اقتصادی سرگرمیوں کے میدانوں میں مجموعی حیثیت سے کتنا کام کیا ہے۔"

اتاترک نے اقتصادی ترقی کو جو اہمیت دی تھی، اس کے پیش نظر یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس معاملے کو محض بخت و اتفاق

یا انفرادی کوششوں کے حوالے کر دیتے - وہ منظم اقتصادی ترقی پر ایمان رکھتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت ملکی اقتصادیات کی تنظیم و ترتیب کرے اور اسے صحیح راستے پر ڈال دے - اسی لیے اتاترک کی نگاہ میں اقتصادی ترقی تہذیب کے تصور کا جزو اعظم تھی اور وہ اکثر اپنی تقریروں میں اس پر بہت زیادہ زور دیتے تھے - ۱۹۳۷ع والی تقریر میں، جس کا ایک پارہ ابھی بیان ہو چکا ہے ، موصوف نے اقتصادیات کے موضوع پر دوبارہ یوں اظہار خیال کیا :

"جب اقتصادی زندگی کا ذکر آئے تو زراعت ، تجارت ، صنعت اور امور عامہ کو الگ الگ ، مختلف چیزیں سمجھنا غلط ہے - اقتصادی زندگی میں یہ چیزیں بحیثیت مجموعی شامل ہیں۔"

ان الفاظ سے موصوف کی مراد یہ تھی کہ زراعت و تجارت و صنعت وغیرہ کی اقتصادی سرگرمیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے کسی ایک سے ترجیحی سلوک کرنا اور دوسری چیزوں سے بے اعتنائی کرنا غلط ہے -

دوسرے معاملات کی طرح اتاترک اقتصادیات کے معاملے میں بھی حقیقت پسند تھے - وہ حکومتی سرمایہ کاری کے اصول کو کسی مخصوص اقتصادی عقیدے کے زیر اثر قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے - وہ معاشیاتی مسائل پر جو بیان دیتے اس میں ان کی نگاہ ملک کی موجودہ صورت حالات پر ہوتی اور وہ اقتصادیات عالم کے رجحان کو برابر پیش نظر رکھتے -

ملک کی اقتصادی زندگی کو وہ جس حقیقت پسندانہ اور پر جوش نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوگا جو ان کی ایک تقریر سے ماخوذ ہے :

اتاترک

"ہم دنیا والوں کو عرش بریں سے الہام نہیں ہوتا بلکہ زندگی کے واقعات و حالات ہماری رہنمائی کرتے ہیں - یہ ملک جس میں ہم رہتے ہیں، ترک قوم جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں اور تاریخ عالم کے درد ناک واقعات ہی زندگی کی تاریک گھاٹیوں میں ہمارے واسطے شمع راہ بنتے ہیں -"

باب ۱۸

مصطفیٰ کمال ترکوں کو جدید آفاقی نقطۂ نظر عطا کرتے ہیں

اتاترک کو یقین تھا کہ کسی ملک کے لیے آزاد خارجہ پالیسی سب سے بڑی اہمیت کی حامل ہے - اس پالیسی کی کامیابی کے لیے لازم ہے کہ یہ اُس ملک کی داخلی ساخت کے مطابق اور اُس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو - خارجہ پالیسی کے متعلق موصوف کے خیالات سیاسی حقوق کے نظریے پر مبنی تھے - آپ کا ایمان تھا کہ افراد کی طرح قوموں کی زندگی کا دار و مدار بھی انھی حقوق پر ہے - جن افراد اور اقوام کو اپنے حقوق کا احساس ہوتا ہے اُن میں ایک باطنی قوت کا سرچشمہ موجود رہتا ہے اور جب کبھی اُن کے حقوق پامال ہونے لگتے ہیں ، یہی قوت اُن کو سہارا دیتی ہے - نئی حکومت کی تعمیر میں مصطفیٰ کمال نے اسی اصول سے فائدہ اُٹھایا کہ حق میں ایک زبردست طاقت پنہاں ہوتی ہے - اسی اصول کے سہارے انھوں نے حکومت ترکیہ کے وجود کو دوسری اقوام سے تسلیم کروایا اور اُسے آزاد خارجہ پالیسی عطا کی -

اتاترک اُس 'اعلان حقوق انسانی' کے قائل تھے جس پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بنیاد ہے؛ نیز انقلاب فرانس کے اُن اصولوں پر بھی ایمان رکھتے تھے جن کے ذریعے اعلان حقوق کی آواز پورے یورپ میں اس سرے سے اُس سرے تک گونج گئی - اسی طرح وہ قومیت کے ان اصولوں کے بھی حامی تھے جنھیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر ولسن نے پہلی جنگ عظیم کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے چودہ نکاتی پروگرام میں شامل کیا تھا - وہ ہر قوم کے حق خود ارادیت کو ایک مقدس حق سمجھنے پر زور دیا کرتے تھے-

افراد اور قوموں کے حقوق کو صدیوں سے دنیا کی رائے عامہ کے سامنے تقدیس و احترام کی روشنی میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اسی پر اعتماد کر کے اتاترک اس بات کے حامی تھے کہ ترک قوم کو بھی دنیا میں زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ جب موصوف نے ترکیہ کے حقوق کی حمایت میں قومی جد و جہد کا آغاز کیا تو جس بات پر آپ نے سخت احتجاج کیا وہ یہ تھی کہ مقبوضہ استنبول میں حکومت عثمانیہ کی مجلس نمائندگان کو جبراً ختم کیا گیا ہے۔ آپ کے احتجاجی الفاظ یہ تھے:

"ہم نے اپنے حقوق اور آزادی کے تحفظ کے لیے جس جدوجہد کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کے تقدس کا اعلان ہم اس اصول کے بموجب کرتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو کسی قوم کو زندگی کے حق سے محروم کر سکے۔ ہم امریکہ اور یورپ کی سیاست مآب قوموں سے نہیں بلکہ علم، تہذیب اور ثقافت کے علمبردار یورپ اور امریکہ کے ضمیر سے اس بات کی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کا جائزہ لیں۔ یہ ایک سازش ہے —— ایسی سازش جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ اس سازش کے تحت ایک پوری قوم کو حفاظت خود اختیاری کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس سازش کو اس معاہدۂ جنگ بندی کا نام دیا جا رہا ہے جسے ولسن کے چودہ نکات پر مبنی بتایا جاتا ہے۔ یہ ایسی سازش ہے جسے متعلقہ قوموں کی عزت نفس اور وقار ذاتی ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ ہم آخری مرتبہ ان قوموں کو پھر متوجہ کرتے ہیں کہ تاریخ عالم کی بارگاہ میں آپ پر جو مقدس ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا لحاظ کیجیے۔"

۲۴ اپریل ۱۹۲۰ع کو اتاترک نے عظیم قومی اسمبلی میں جو تقریر کی، اس میں بھی اسی موضوع پر دوبارہ اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

"مقصد کی سچائی اور مکمل اعتماد نے ہمیں وہ بے پایاں طاقت عطا کی ہے کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی اپنی کامیابی سے نا امید نہیں ہو سکتے - دنیا کے تمام سچے آدمی اس معاملے میں ہمارے ہم خیال ، ہمدرد ، معاون اور مددگار ہوں گے کہ تمام قوموں اور تمام اشخاص کو انصاف و انسانیت کی بارگاہ میں مشترکہ حقوق حاصل ہیں -"

اتاترک کی یہ پالیسی جایز حقوق کے تصورات پر قائم تھی اور اس نے دوست دشمن کی تفریق کردی - دوستوں نے تسلیم کرلیا کہ ترکوں کو آزادی اور زندہ رہنے کا حق ہے - دشمنوں نے انکار کردیا - اتاترک نے مزید بیان کیا کہ :

"جو لوگ ہماری قومی حکومت کو تسلیم کرلیں نیز قول وفعل سے ہماری مکمل آزادی کی تصدیق و توثیق کریں ، ہم انھیں اپنا دوست سمجھیں گے - ہر قوم کو حق خودارادیت حاصل ہے - یہ وہ حق ہے جسے ہماری موجودہ تہذیب بین‌الاقوامی تعلقات کے میدان میں مثبت اور مستقل حق قرار دیتی ہے اور اسے شریف ترین اور بلند ترین انسانی آرزوؤں اور امیدوں کی معراج ٹھہراتی ہے - ہم ہر قوم کے اس حق کو تسلیم کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ دوسری قومیں بھی غیر مشروط طور پر ہمارے اس حق کو تسلیم کریں -

"معزز حضرات ! ہمارے مطالبے لمبے چوڑے نہیں ہیں - ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ہمارے دشمن ہمیں ان چیزوں سے محروم نہ کریں جو ہر مہذب قوم کو فطری حقوق کے بطور حاصل ہیں - مناسب ہے کہ یہ حقوق ہمیں دے جائیں - ہمارے یہ حقوق فطری ، جایز ، معقول اور ناگزیر ہیں اور ہم ان سے ہرگز دست بردار نہیں ہوں گے - ہماری قوم میں اتنی سکت اور صلاحیت باقی ہے کہ ان حقوق کی حفاظت کر سکے -"

ترکیہ کے لیے اقوام عالم کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں اتاترک وہ ٹھوس اور مستحکم اصول بھی انتخاب کر رہے تھے جو ترکیہ کی خارجہ پالیسی میں رہبری کر سکیں اور اُس قومی حکومت کو استقلال عطا کریں جو ۱۹۲۰ع میں قائم کی گئی تھی۔ جنگ آزادی محض اس لیے نہیں لڑی گئی تھی کہ حکومت عثمانیہ کو حصوں میں بٹ جانے سے بچایا جائے یا اُس سلطنت کو دوبارہ زندہ کیا جائے جو کبھی کی ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی تھی۔ یہ قومی جدوجہد تھی جو ترک قوم کی بقا کے لیے انجام دی گئی۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ قومی پالیسی کے مفاد کے پیش نظر دولت عثمانیہ کی خارجہ پالیسی کو ترک کر دیا جائے۔ حکومت عثمانیہ کے سیاست داں اور بیدار مغز ارکان ترکوں کے قومی احساسات سے ہمنوائی نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے یہ کوشش کی کہ دولت عثمانیہ کے اداروں اور قدیم انداز فکر کو ورثے کے بطور ترکیہ کی نئی حکومت میں منتقل کر دیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ چیزیں مقدس تھیں۔ لیکن اتاترک کو یقین تھا کہ نئی حکومت کے تندرست جسم پر اُن مردہ اقدار کا پیوند مناسب نہ ہوگا جو کبھی کی دم توڑ چکی تھیں۔ المختصر اُنھیں یقین تھا کہ داخلہ اور خارجہ پالیسیوں میں ہم آہنگی ضروری ہے۔

عظیم قومی اسمبلی کی حکومت قائم ہوتے ہی دولت عثمانیہ کی تنظیم ختم ہوگئی تھی، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ خارجہ پالیسی کو نئی حکومت کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ رکھا جائے۔ قومی اسمبلی کے افتتاح کے چند روز بعد مصطفیٰ کمال نے جو تقریر کی تھی اُس میں اس معاملے کی طرف قوم کو یوں متوجہ کیا تھا:

”معزز حضرات! خارجہ پالیسی کی بنیاد حکومت کی داخلی تنظیم پر ہوتی ہے اور بڑی حد تک اُسی سے متاثر ہوتی ہے، لہٰذا اُسے داخلی تنظیم سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اگر کسی قوم کی داخلی تنظیم میں مشرق اور مغرب کے متضاد عناصر کا اجتماع ہو جائے تو یہ تنظیم غیر متوازن اور غیر محفوظ ہوگی کیونکہ

مشرق اور مغرب کی مزاجی خصوصیات، ثقافت اور نصب العین مختلف ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کی خارجہ پالیسی بھی مستحکم اور پختہ نہ ہوگی۔ جس قوم کی داخلی تنظیم کو قومی احساسات سے دور کا لگاؤ بھی نہ ہو اُس کی سیاسی سرگرمی بھی قومی مفاد سے خالی ہو گی۔ انھی باتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ حکومت عثمانیہ کی پالیسی قومی مفاد کی علمبردار ہونے کے بجائے غیر مستحکم، مہمل اور شخصی تھی۔

''ہمارے نزدیک وہی پالیسی واضح اور قابل عمل ہے جو قومی مفادات کی حامل ہو۔

''قومی پالیسی کا نام لیتے وقت میرے ذہن میں اس کا جو مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے: اپنی ملکی حدود کے اندر اپنی قوم کے وجود کی حفاظت کرنے کے لیے ہر چیز سے بڑھ کر صرف اپنی قوت بازو پر بھروسا کیا جائے اور پھر ملک و ملت کی حقیقی خوشی اور خوش حالی کے کام کیے جائیں۔ کشورکشائی اور جہانگیری کے سنہرے خوابوں کی تعبیر کے پیچھے قوم کے وقت اور قومی وسائل کو ضائع کرنے سے قطعی پرہیز کیجیے۔ مہذب دنیا سے یہ توقع رکھنا البتہ درست ہوگا کہ وہ آپ کے ساتھ تہذیب کا سلوک کرے اور دوستی کا جواب دوستی سے دے۔''

جب جنگ آزادی بخیر و خوبی ختم ہو گئی اور دشمن کی فوجوں کو سمندر میں دھکیل دیا گیا تو خلافت و سلطنت کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ بعض لوگوں نے پھر یہ کہنا شروع کیا کہ ترکیہ اپنی خارجہ پالیسی میں ان دونوں اداروں کے سہارے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اتاترک نے مندرجہ ذیل الفاظ سے اس دلیل کی تردید کی:

''ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کی حکومت قومی حکومت ہے۔ اس کے تمام خیالات مادی وسائل پر مرکوز ہیں۔ یہ صداقت کا احترام کرتی ہے۔ اس حکومت سے یہ توقع نہ رکھیے کہ

یہ خیالی اور مثالی مقاصد کی جستجو میں قوم کو سنگلاخ وادیوں میں گھسیٹے پھرے اور پہلے تو قوم کی قربانی دینے اور پھر اسے تباہ کر دینے کے جرم کا ارتکاب کرے۔"

بعض اشخاص کی تجویز یہ تھی کہ ترکیہ "پان توران ازم" یا "پان اسلامزم" کی پالیسی پر عمل کرے کیونکہ اس قسم کی خارجہ پالیسی کے ذریعے اکثر اسلامی ممالک کی ہمدردیاں حاصل ہو سکیں گی۔ لیکن مصطفیٰ کمال کو یقین تھا کہ اس قسم کی پالیسی سے قومی مفاد کو نقصان پہنچے گا۔ ان نقصانات کی وضاحت کرنے کے لیے موصوف نے یہ تشریح کی کہ سلطنتِ عثمانیہ کی صدیوں طویل مدت اور نہایت سازگار ماحول میں بھی اس قسم کی آرزوئیں عملی جامہ نہیں پہن سکیں۔ لہٰذا جدید ترکی حکومت کی خارجہ پالیسی میں انہیں کوئی مقام نہیں دیا جا سکتا۔ آپ نے فرمایا:

"ہمارے ہر شہری اور ہر اہل وطن کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ذہن میں نہایت رفیع الشان منصوبے اور ارفع و اعلیٰ نصب العین کا نقشہ بناتا رہے۔ اس خیالی دنیا کی تعمیر میں کوئی حائل نہ ہوگا۔ لیکن مجھے یہ اور کہنا ہے کہ ہمیں شیخ چلی کی طرح سنہرے خواب دیکھنے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ زمانۂ ماضی میں ہم نے انھی عظیم خیالی منصوبوں کی نمائش کر کے ساری دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی۔ حالانکہ درحقیقت نہ ہم نے کوئی کارنامہ انجام دیا اور نہ کسی نصب العین کی تکمیل کر سکے۔ ہم پان اسلامزم (اتحاد عالم اسلام) کا نعرہ لگاتے رہے اور یہ دعویٰ کرتے رہے کہ خدا چاہے تو یہ اتحاد عالم اسلام آج یا کل تشکیل پذیر ہوجائے گا لیکن یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوئی۔ دشمنوں نے ہماری خیالی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے دوبارہ یہ فیصلہ کیا کہ "آؤ ان ترکوں کو ختم کردو قبل اس کے کہ یہ متحد ہوکر ہمیں نقصان پہنچا سکیں۔"

آج آپ پھر یہی شور و شر اٹھا رہے ہیں - ان خیالی منصوبوں کی جستجو سے سوائے اس کے کچھ حاصل نہیں کہ دشمن اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں گے اور وہ خیالی نصب العین جو نہ کبھی حاصل ہوئے، نہ حاصل ہو سکتے تھے، یوں ہی دھرے رہ جائیں گے - معقولیت سے کام لیجیے اور حد سے باہر نکلنے کے بجائے اپنی مشکلات کا اندازہ کیجیے -"

اتاترک کے یہ الفاظ عوام کے ذہن میں گونجنے لگے - انھی ہدایتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کے دماغ میں خلافت و سلطنت کا جو سودا سمایا تھا اسے چھوڑ کر وہ ترکیہ کی خارجہ پالیسی کے تصور کی طرف متوجہ ہو گئے -

جنگ آزادی کے دوران میں ترکوں نے یکے بعد دیگرے کئی مقامات پر دشمنوں کو شکست دی - ان کی پیہم فتوحات سے بعض ایسے اشخاص کے دلوں میں اندیشے پیدا ہونے لگے جو ترکوں کی جد و جہد کے نصب العین سے واقف نہ تھے - اتا ترک نے انھیں سمجھایا کہ آپ کے اندیشے بے بنیاد ہیں کیونکہ ترکوں کی ان فتوحات میں جارحانہ، حریصانہ یا تخریبی عزائم کی لاگ نہیں ہے - آپ نے فرمایا :

"ہمارا مقصد اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ ہم اپنی قومی سرحدوں کے اندر آزاد زندگی بسر کر سکیں - یورپ اور دنیا کی تمام اقوام کو جو حقوق حاصل ہیں، ہم اپنے انھی حقوق کو اغیار کی دست درازی سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں - ہماری خارجہ پالیسی یہ ہے کہ دوسری قوموں کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے - ہماری تمام سرگرمیوں کا مقصد یہی ہے کہ اپنی عزت اور حقوق کی حفاظت کریں اور یہ سرگرمیاں ہم جاری رکھیں گے -

"ہماری قومی اسمبلی یا حکومت کو فوجی عزائم یا کشور کشائی سے دور کا واسطہ بھی نہیں - اس کے برعکس ہم امن و امان

اور مفاہمت و مصالحت کو ترجیح دیتے ہیں ۔ ہماری حکومت مہذب اور شریفانہ عزائم کی تکمیل کو اولین اہمیت دیتی ہے ۔ ان اصولوں کے تحت ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم مشرقی دنیا اور مغربی دنیا دونوں کے ساتھ مستقل، دوستانہ اور خوشگوار تعلقات قائم رکھیں ۔

"لیکن میں اُس قوم کا جانی دشمن ہوں جو میری قوم کو غلامی کی زنجیریں پہنانا چاہے ۔ ایسی قوم جب تک اپنے نا پاک عزائم سے دست بردار نہ ہو، میں اُس کا دشمن ہی رہوں گا ۔ ہم دوسرے ممالک کے ساتھ معاندانہ جذبات رکھنے کے خلاف ہیں ۔ اس کے برعکس ہماری خواہش ہے کہ اُن کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے جائیں ۔ ترک تمام مہذب قوموں کے دوست ہیں ۔"

میدان جنگ میں ترکوں کو جو فتوحات حاصل ہوئیں انہیں اتاترک کے ان معقولیت پسندانہ خیالات سے مزید تقویت پہنچی ۔ لوزان کانفرنس میں اتحادی قوموں کو ترکیہ کی آزادی اور سیاسی وجود تسلیم کرنے پر جس چیز نے مائل کیا وہ یہی معقولیت پسندانہ انداز فکر تھا ۔

صلح نامۂ لوزان کے بعد جمہوریۂ ترکیہ اپنی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں مصروف رہی ۔ حکومت عثمانیہ کو جو مسائل درپیش تھے وہ میراث کے بطور جمہوریۂ ترکیہ کو ملے ۔ اتحادی قوموں کے ساتھ ان مسائل کا تصفیہ کرنے میں حکومت ترکیہ نے مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق "جیو اور جینے دو" کے ضابطے پر عمل کیا ۔ دوسری حکومتوں نے حکومت عثمانیہ کے خلاف کتنے ہی ہتھکنڈے استعمال کیے تھے لیکن اب یہ ترکیبیں نہیں چل سکتی تھیں ۔ اتحادیوں نے جیسے ہی جمہوریۂ ترکیہ کی حاکمیت کے خلاف کوئی اقدام کرنا چاہا، ترکیہ نے اُسے سختی سے مسترد کر دیا اور اتحادی طاقتیں اپنی عیاری سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوئیں ۔ جب یورپی اقوام نے دوسری جنگ عظیم کی تیاری کے سلسلے

میں فوجی طاقت میں اضافہ شروع کیا تو اتا ترک نے اسی بات پر زور دیا کہ ترک اپنی خارجہ پالیسی میں تعمیری انداز قائم رکھیں اور اس مقولے پر عمل کریں کہ ”ملک میں امن ، دنیا میں امن -“ اسی اصول پر کاربند ہو کر ترکیہ نے متعدد یورپی ممالک سے دوستی اور عدم جارحیت کے معاہدے کیے - ۱۹۳۲ء میں ترکیہ کو مجلس اقوام میں شرکت کی دعوت بھی دی گئی -

۱۹۳۳ء کے بعد مغربی ممالک میں سیاسی انتشار ، اضطراب اور نامحکمی کی علامتیں نظر آنے لگیں - اس صورت حال نے اتاترک کو ترکیہ کے تحفظ کی تدبیریں اور ذرائع تلاش کرنے پر مائل کیا - ۱۹۳۴ء میں معاہدۂ بلقان پر دستخط ہوئے جو ترکیہ کا مغربی ہمسایہ تھا - ۱۹۳۷ء میں 'میثاق سعد آباد' پر دستخط کر کے ترکیہ نے مشرقی ہمسایوں کے ساتھ دوستی کا سر رشتہ مضبوط کر لیا - ان انتظامات سے ترکیہ کو بھی فائدہ پہنچا اور ہمسایہ اقوام کو بھی- ان صلح پرور کوششوں میں کامیاب ہونے سے ترکیہ کو مشرق اقصلی میں امن و امان کی مستقل کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ اس علاقے میں مغربی تہذیب کا صحیح نمائندہ بن گیا - صلح نامۂ لوزان کے زمانے سے لے کر مصطفیٰ کمال کی موت تک ترکیہ انھی اصولوں پر کاربند رہا اور اس کی خارجہ پالیسی کو مختلف مرحلوں پر کامیابی نصیب ہوئی - حطای کا علاقہ پھر ترکیہ میں شامل ہو گیا اور معاہدۂ لوزان میں آبنائے کے علاقے کے متعلق جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں ، وہ صلح نامہ مانٹریو میں منسوخ کر دی گئیں -

ترکیہ کی خارجہ پالیسی صحیح خطوط پر گام زن رہی اور اس کی طاقت اور کامیابی برابر قائم رہی - اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت ترکیہ نے قومی مفادات کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان انسانی احساسات کا بھی خیال رکھا جنھیں اتاترک نے اپنی قوم میں فروغ دیا تھا - اتا ترک نے اپنی قوم کے سامنے یہ نکتہ واضح کیا تھا کہ قومیت کا صحیح تصور یہی ہے کہ قومی مفاد کا لحاظ رکھنے

کے ساتھ ساتھ دوسری اقوام کے جذبات و احساسات کا پاس کیا جائے۔ جب سے ترک قوم نے اسلام قبول کیا تھا وہ تمام لوگوں کو دو فریقوں میں تقسیم کرتے تھے: ایک مسلمان، دوسرے عیسائی۔ ظاہر ہے کہ عیسائیوں کی تہذیب اور معاشرت کی قدریں مسلمانوں سے مختلف تھیں۔ وہ گروہ مخالف میں شمار کیے جاتے تھے۔ اتا ترک نے اس حقیقت کا احساس کیا کہ جب تک یہ تفریق جاری رہے گی، ترکوں کو مہذب اقوام میں صحیح مقام نہ ملے گا۔ اس خیال کے زیر اثر انھوں نے انسانی اقدار کو مذہب کے دائرے سے نکال کر اپنی قوم کو انھی انسانی اقدار کی طرف متوجہ کیا۔ انسانیت کے اس جدید تصور میں یہ خوبی تھی کہ یہ قومیت کے تصور کے دوش بدوش قائم رہ سکتا تھا اور ترکیہ کو عالمگیر انسانی تہذیب کے دائرے میں شامل کرتا تھا۔ اتاترک اپنے ملک کو اقوام عالم کی برادری کا رکن سمجھتے تھے اور انھیں کوئی ایسی وجہ مخالفت نظر نہ آتی تھی جس کے بموجب ترکیہ دنیا کی دوسری قوموں سے بر سر پیکار ہو۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اقوام عالم کی برادری کے رکن یعنی دوسرے ممالک خواہ اپنے فرائض انجام دیں یا نہ دیں، ترکیہ کا فرض تھا کہ اپنے اصول پر قائم رہے، یعنی دنیا میں امن و امان اور خوشحالی برقرار رکھنے کا کام جاری رکھے۔ وہ خودغرضی کو برا سمجھتے تھے؛ خواہ یہ خود غرضی کسی قوم میں ہو یا فرد میں۔ انسانیت کی مشترکہ اقدار کے متعلق، ایک مرتبہ آپ نے یہ فرمایا:

"اگرچہ دنیا کی قومیں اپنے اپنے علاقے کی مالک ہیں لیکن بحیثیت نوع انسان، ان کا فرض ہے کہ انسانی اقدار کی نمائندگی بھی کریں۔ اپنے ملکی وسائل کو استعمال کرکے ہر قوم نہ صرف اپنے ملک کو بلکہ پوری انسانیت کو نفع پہنچاتی اور خوشحال بناتی ہے۔"

ایک اور تقریر میں موصوف نے یہ اشارہ کیا کہ صرف ترک ہی نہیں بلکہ دنیا کی تمام قومیں امن و امان کی ضرورتمند ہیں۔

آپ نے کہا کہ :

''جس طرح ہمارا ملک اور قوم امن و امان کے حاجت مند ہیں اسی طرح ساری دنیا صلح صفائی کی طالب ہے ۔''

آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ اشارہ بھی کیا کہ اقوام عالم کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کے احساسات و ضروریات کا خیال رکھیں :۔

''آج کل دنیا کی تمام قوموں کا ایک دوسرے سے تھوڑا بہت تعلق ہے ۔ یہ تعلق بڑھتا جارہا ہے ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح کوئی قوم اپنے ملک کی بقا اور خوشحالی کی تدبیریں سوچتی ہے ، اُسے چاہیے کہ دوسری قوموں کی فلاح و بہبود اور خوشنودی کا بھی خیال رکھے ۔ ہر شخص کو لازم ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کی خوشی اور خوشنودی کے لیے اپنی خدمات وقف کردے ۔ اگر دنیا میں امن و امان نہ ہو یا اگر اقوام عالم اتفاق و سلوک سے زندگی بسر نہ کرسکیں تو کوئی ایک قوم خواہ کتنی ہی کوشش کرے، پر امن زندگی بسر نہیں کر سکتی ۔

''ہمیں یقین ہے کہ کوئی واقعہ دنیا کے کسی بھی دور افتادہ مقام میں ظہور پذیر ہو ، اُس کا اثر ایک نہ ایک روز ہم پر ضرور پڑے گا ۔ ہمیں چاہیے کہ بقول سعدی ع

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

پوری انسانیت کو ایک جسم اور مختلف قوموں کو اُس کے مختلف اعضا تصور کریں ۔ اگر دنیا میں کہیں بھی گڑبڑ یا تلاطم ہو تو ہم اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ ہمیں اس ابتری یا تلاطم کا وہی علاج کرنا چاہیے جو خود اپنے ملک یا شہر میں کرتے ہیں ۔ کوئی واقعہ دنیا کے کسی کونے میں ہو ، ہمیں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے ۔ اگر یہ انداز فکر قائم

رہے تو قوم میں خودغرضی کی لعنت نہیں آتی - خودغرضی خواہ کسی فرد میں ہو یا قوم میں، بہ ہرحال اور بہ ہرصورت قابل نفریں ہے -"

اتاترک نے اپنے قول و فعل سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اگر تباہی سے بچنا منظور ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قومی مفادات کا لحاظ رکھنے کے دوش بدوش عالم انسانیت کے احساسات کا بھی خیال رکھیے اور اسی اصول پر بین الاقوامی تعلقات استوار رکھیے - قوم کی فلاح و بہبود اور انسانیت کی بھلائی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں - موصوف نے مشرق میں میثاق سعد آباد کی اور مغرب میں صلح نامہء بلقان کی تکمیل میں اسی اصول کو پیش نظر رکھا - صلح نامہء بلقان کے مندوبین کے اجتماع میں موصوف نے بہ مقام انقرہ جو خطاب کیا اُس کا مندرجہ ذیل پارہ موصوف کے مہذبانہ انداز فکر کا آئینہ دار ہے :

"نظریہء انسانیت ترقی کرتے کرتے اب اتنا ارفع و اعلیٰ ہو گیا ہے کہ یہ ہمارے ضمیر کی تطہیر اور ہمارے جذبات کو پاکیزہ بنا دینے کا اہل ہے - اگر ہم مہذب اور پاکیزہ ضمیر انسانوں کی حیثیت سے صورت حالات اور اُس کی ضروریات کا جائزہ لیں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے - یہ روش انتہائی قابل افسوس اور حددرجہ سفاکانہ ہے کہ قومیں انسانیت اور مسرت کی نگہداشت کا دعویٰ کرتے کرتے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پرآمادہ ہوجائیں- انسانوں کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا جائے - اُن میں باہم الفت و محبت پیدا کی جائے اور یہ ترغیب دی جائے کہ اپنی مادی اور روحانی ضروریات پوری کرنے کےلیے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ کام کریں - انسانیت کو امن عالم کی دولت اور حقیقی مسرت اُسی وقت حاصل ہو گی جب انسانوں کی اکثریت ان مقاصد عالیہ تک پہنچنے کی جد و جہد کرے -"

امن عالم کے لیے جو اقدامات ضروری ہیں اُن کا ذکر کرتے ہوئے اتاترک نے فرمایا :

"اگر مستقل امن و امان مطلوب ہے تو لازم ہے کہ بین الاقوامی سطح پر عوام کی فلاح و بہبود کا کام کیا جائے۔ بھوک اور ظلم کا سد باب کر کے انسانوں کی عالمگیر خوشحالی کا بندوبست کیجیے - دنیا کے ایک ایک فرد کو یہ تعلیم دینی لازم ہے کہ حسد ، لالچ اور جنگ جوئی بری خصلتیں ہیں ۔"

اتاترک کو یقین تھا کہ مذکورہ بالا ذرائع سے امن عالم قائم رکھنے کے لیے ایک بین الاقوامی ادارہ ضروری ہے ۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ مجلس اقوام اس مقصد کے لیے پورے طور پر مؤثر ذریعہ نہیں تاہم وہ اس مقصد کو کسی قدر پورا کر سکتی ہے ۔ بعض قومیں مجلس اقوام کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سیاست میں عیاری کی آمیزش کر رہی تھیں ۔ اتاترک جانتے تھے کہ اُن کی مکارانہ روش جنگ کے اسباب پیدا کر رہی ہے ۔ اُنھوں نے اس قسم کے سیاسی رہبروں کو جو جنگ کی فضا پیدا کر رہے تھے ، یوں مخاطب کیا :

"بعض غیر مخلص لیڈر جنھیں یہ احساس نہیں کہ جنگ بڑی خطرناک چیز ہے ، جارحانہ عزائم کا آلہ بنے ہوئے ہیں ۔ انھوں نے قومیت اور قومی روایات کو غلط انداز میں پیش کر کے اپنی قوموں کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے ۔ اس نازک دور میں صورت حال یہ ہے کہ اب عوام اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں اور اقتدار کی باگ ڈور اُن آدمیوں کے ہاتھ میں دیں جن کا ضمیر ، اخلاق اور کردار بلند ہو۔ یہ کام بلا تاخیر ہونا چاہیے ۔"

اتاترک کو یقین تھا کہ اگر ان اصولوں پر عمل نہ کیا گیا تو جنگ شروع ہو جائے گی۔ جنگ شروع ہوجانے کی صورت میں موصوف نے مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرنے کا مشورہ دیا :

"اگر جنگ کسی آتشگیر بم کی طرح پھٹ ہی پڑے تو اقوام

عالم کا فرض ہے کہ فوراً باہم متحد ہو کر جنگ کی مسلح مزاحمت کریں اور لڑائی کو روکنے کے لیے جارحیت پسند قوم کے خلاف اپنے تمام مالی وسائل اکٹھے کر لیں - سب سے کارگر اور زود اثر تدبیر یہی ہے کہ طاقتور حملہ آور کو یہ جتا دیا جائے کہ جارحیت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا -''

زندگی بھر اتاترک کا کردار یہی رہا اور موصوف نے ثابت کردیا کہ مختلف مواقع پر بین الاقوامی تعلقات کے متعلق جو عمومی اصول انھوں نے بیان کیے تھے ، وہ اُن پر سچے دل سے کار بند بھی رہے -

باب ۱۹

ترک قوم اور انسانیت کے صحیفے میں اتاترک کا نام ثبت ہوتا ہے

اتاترک اکثر ترکیہ میں دورے کیا کرتے تھے - ۲۰ جنوری ۱۹۳۸ع کی شام کو اسی قسم کے ایک دورے پر جاتے ہوئے وہ انقرہ سے یالووہ (Yalova) کو روانہ ہوئے جو استنبول کے قریب واقع ہے - ۲۲ جنوری کو موصوف یالووہ کے 'مال ہوٹل' میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے داخل ہوئے - آخر جنوری تک آپ نے وہیں آرام کیا اور یکم فروری ۱۹۳۸ع کو وہاں سے بروسہ کو روانہ ہوئے - اسی روز راستے میں آپ نے گملیک میں مصنوعی ریشم کے کارخانے کا افتتاح فرمایا - بروسہ کے باشندے بڑے جوش و خروش سے آپ کے استقبال کے لیے نکلے - اس روز سخت بارش ہو رہی تھی لیکن عوام کے پر خلوص مظاہروں کا جواب دینے کے لیے آپ ایک کھلی کار میں بیٹھ کر داخل شہر ہوئے - اس رات بروسہ کی میونسپلٹی نے موصوف کے اعزاز میں مجلس رقص منعقد کی - اگلے روز آپ نے بروسہ میں دمیرینوس اون ، فیکٹری کا افتتاح کیا - بروسہ کی سب سے بڑی ہوٹل کمپنی (چلیک پالاس کمپنی لمٹیڈ) میں موصوف کے حصے تھے - ایک مکان تھا جس کی مرمت کے لیے موصوف نے کچھ رقم پس انداز کی تھی - یہ تمام چیزیں موصوف نے بلدیۂ بروسہ کو بطور عطیہ دے دیں -

۳ فروری ۱۹۳۸ع کی سہ پہر کو اتاترک استنبول روانہ ہوئے - مدانیہ تک خشکی سے سفر کیا اور وہاں سے ایس- ایس- 'ارگہ' نامی جہاز پر سوار ہو کر سمندر کے راستے چلے - استنبول سے آپ

۲۵ فروری کو انقرہ واپس آ گئے تاکہ ریاست ہائے بلقان کی کونسل کے اجلاس میں شرکت کر سکیں ۔ انقرہ میں آپ نے یونان کے وزیرِ اعظم ایم ۔ میٹاکساس (صدرِ کونسل) ، یوگوسلاویہ کے وزیراعظم استوجادینووک اور رومانیہ کے وزیرِ خارجہ ایم ۔ کومینن کی پذیرائی کی ۔ ۲۷ فروری کی شام کو آپ نے چائے پارٹی پر جو مندوبین کے اعزاز میں بہ مقام چان‌قیہ (انقرہ) دی تھی، آن سے خطاب کیا ۔ ۴ مارچ ۱۹۳۸ء کی سہ پہر کو آپ نے تاریخ ، جغرافیہ اور السنہ کے شعبے کا معائنہ کیا جو ان دنوں محکمۂ اوقاف کی عمارت میں قائم تھا ۔ ۶ مارچ کو انقرہ خلق‌اوی (عوامی سرائے) میں ایک پہلوانی دنگل میں تشریف لے گئے ۔

یالووہ اور بروسہ کے سفر میں اتاترک کو شدید نزلہ زکام ہوگیا تھا ۔ جب آپ استنبول واپس آئے تو خاصے بیمار تھے ۔ انقرہ واپس آنے کے بعد یہ مرض دوبارہ نمودار ہوا جس سے آپ مجبور ہوگئے کہ چان‌قیہ میں ایوانِ صدر میں کچھ عرصہ مکمل آرام کریں ۔ اُس وقت تو یہ علالت کچھ زیادہ تشویشناک نہ تھی لیکن احتیاطاً ایک فرانسیسی ڈاکٹر پروفیسر فسنجر جو اس مرض کا خصوصی ماہر تھا ، بلایا گیا تاکہ آپ کا طبی معائنہ کرے ۔ معائنے کے بعد ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء کو صدارت کی سیکرٹریٹ سے حسبِ ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا :-

”اس سال جنوری اور فروری میں جمہوریۂ ترکیہ کے صدر اتاترک نے یالووہ اور بروسہ کا سفر کیا تھا ۔ سفرِ مذکور میں موصوف پر انفلوئنزا کا شدید حملہ ہوا ۔ جب آپ انقرہ واپس آئے تو اس مرض کا حملہ پھر ہوا ؛ لہٰذا فرانس سے پروفیسر فسنجر کو معالجے کے لیے بلایا گیا ۔ ڈاکٹر فسنجر نے طبی معائنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ اتاترک کی صحت کے متعلق کسی قسم کی تشویش نہیں ہونی چاہیے ۔ ڈاکٹر صاحب نے صرف اس سفارش پر اکتفا کیا ہے کہ اتاترک ڈیڑھ مہینے

آرام کریں اور اب وہ فرانس واپس چلے گئے ہیں ۔"

اوائل مئی میں اتاترک صحت یاب ہوگئے ۔ علالت کے باوجود صاحب فراش ہونے کے دوران میں آپ نے انقرہ کے نواحی علاقے کے کئی سفر کیے۔ ۵ مئی کو موصوف کے جنگلاتی فارم (غازی اورمان چفت لیگی) کی بنیاد کی سالگرہ منائی گئی ۔ یہ فارم انقرہ کے قریب ہی واقع ہے۔ اس روز موصوف پہلے تو دارالحکومت انقرہ کی سڑکوں پر کار میں بیٹھ کر گھومتے رہے ۔ پھر جنگلاتی فارم دیکھنے گئے ۔ فارم کی مرمرہ پویلین میں آرام کرنے کے بعد آپ اپنی اقامت گاہ چانقیہ میں واپس آئے۔ ۷ مئی کو آپ کار میں بیٹھ کر انقرہ سے باہر 'چبوق، ڈیم (بند) پر گئے ۔ ۱۱ مئی کو مرمرہ پویلین میں واپسی ہوئی ۔ ظہرانے کے بعد آپ نے بہت سی دستاویزوں پر دستخط کرکے اپنے متعدد مزرعے (فارم) قوم کے نام منتقل کر دیے ۔ اراضی کے کچھ عمارتی قطعے بلدیۂ انقرہ کو دے دیے اور 'اولوس' پرنٹنگ پریس اور اس سے متصل کچھ اراضی جمہوری عوامی پارٹی کے نام کردی ۔ ۱۸ مئی کو آپ نے یوگوسلاویہ کے وزیرِ دفاع ایم۔ مارک کی پذیرائی کی جو شہر انقرہ کو دیکھنے آیا تھا ۔ اگلے روز ۱۹ مئی کو آپ نے انقرہ اسٹیڈیم میں کھلاڑیوں کے کرتب دیکھے جو "یومِ بازی نوجوانان" کے سلسلے میں دکھائے گئے تھے ۔ شام کے وقت آپ جنوبی صوبوں کا معائنہ کرنے کے لیے دورے پر روانہ ہوگئے ۔ ۲۰ مئی کو مرسین اور ۲۱ مئی کو سلفکہ میں پہنچے ۔ مرسین ـــــ سلفکہ سڑک پر آپ نے شہر پومپے کے کھنڈر دیکھے اور کسانوں سے باتیں کیں ۔ مرسین میں آپ نے کئی دن فوجی دانؤ پیچ کی تنظیم اور پریڈ دیکھنے میں گزارے ۔ ۲۴ مئی کو آطنہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ اس سفر نے موصوف کو تھکا دیا اور وہ دوبارہ بیمار پڑ گئے ۔ ۲۶ مئی کو انقرہ واپس آئے ۔ اگلے روز آرام اور علاج کے لیے "دولمہ باغیچہ سرای" واقع استنبول کو روانہ ہو گئے ۔

طبیبوں کی ایک جماعت نے فوراً مل کر مشورہ کیا اور یہ

تشخیص کی گئی کہ اتاترک کا جگر خراب ہوگیا ہے - تین ترکی ڈاکٹروں یعنی پروفیسر نشئت عمر اردلپ ، پروفیسر م - کمال اوکہ، پروفیسر نہاد رشاد بلگمہر کو اتاترک کے علاج کی ذمہ داری سونپی گئی- فرانس سے پروفیسر فسنجر کو دوبارہ بلایا گیا - مزید دو غیر ملکی ماہر خصوصی یعنی برلن کے پروفیسر بیرگمین اور ویانا کے پروفیسر ایپنجر بھی مشورہ و ہدایت کے لیے لائے گئے - جب علالت شدید تر ہوگئی تو مشیروں کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں پروفیسر عاقل مختار اوزدم ، پروفیسر خیراللہ دیک‌ار ، پروفیسر ثریا ہدایت سرت‌ار ، ڈاکٹر کامل برک اور ڈاکٹر آبراوایہ مرمرہ‌لی شامل تھے -

موصوف کو جلد صحت‌یاب کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کی گئی- ملک کو بدستور موصوف کی خدمات کی سخت ضرورت تھی- ۳ جون ۱۹۳۸ع کو بحیرۂ مارمورا میں تفریحی سفر کی تیاری کی گئی- سمندر کی حیات بخش ہوا موصوف کو راس آئی اور ۵ جون کو آپ صدر کے مخصوص تفریحی جہاز ''ساو رونا'' پر منتقل ہوگئے - بیماری کے دوران میں بھی موصوف ملک کے امورِ داخلہ و خارجہ کی نگرانی کرتے رہے اور حسب معمول محنت و جاں کاہی سے کام کیا - ۱۹ جون کو اسی صدارتی جہاز پر آپ نے رومانیہ کے فرماں روا شاہ کیرول کی پذیرائی کی اور انھیں عشائیے پر مدعو کیا- شاہِ کیرول نجی طور پر استنبول دیکھنے آئے تھے - اگلے روز اتاترک نے کابینہ کے اجلاس کی صدارت فرمائی - یہ اجلاس بھی اسی جہاز پر ہوا اور ساڑھے چار گھنٹے تک جاری رہا -

۲۴ جون کو اتاترک اسی جہاز سے ایک اور تفریحی سفر پر روانہ ہوگئے اور بحیرۂ مارمورا میں بندرگاہ "اردہک" تک پہنچے - ۴ جولائی ۱۹۳۸ع کو موصوف یہ خوشخبری سن کر باغ باغ ہوگئے کہ قضیہ ٔحطای (اسکندرون) کا فیصلہ عہدنامے کے ذریعے ہو گیا ہے - ملک کے ہر حصے سے مبارکباد کے تاروں کا تانتا بندھ‌گیا - موصوف نے ان کے جواب میں فرمایا :

''دوستانہ گفت و شنید کے ذریعے قضیہٴ حطای کے طے ہوجانے پر جتنی بھی خوشی منائی جائے بجا ہے۔''

اتاترک آخر جولائی تک ''ساورونا'' پر مقیم رہے۔ اسی جہاز سے آپ نے آبناؤں اور ساحلِ فلوریا کا سفر بھی کیا اور کئی مرتبہ 'موٹر کشتی' پر سیر کرنے نکلے۔ بہ ایں ہمہ اُن کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ یہ بات ضروری سمجھی گئی کہ اُنھیں قصرِ ''دولمہ باغیچہ'' میں واپس لایا جائے۔ یہاں بھی آپ بدستور اُن وزیروں، سفیروں، کمانداروں اور وزیراعظم سے ملاقاتیں کرتے رہے جو آپ سے مشورہ کرنے کے لیے استنبول آتے تھے۔ آپ اُن سے ملکی معاملات کی کیفیت پوچھا کرتے۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۸ع کو آپ نے ریاست حطای کی تشکیل کا جشن منایا اور فرمایا کہ یہ ''حکومت جمہوریہ کا اقبال'' ہے۔ آپ نے ریاست حطای کی کامیابی، اُس کے باشندوں کی فلاح و بہبود اور اُس کی اسمبلی اور صدر اسمبلی کے ہر طرح کامیاب و کامراں ہونے کی دعا مانگی۔

اتاترک کی صحت روز بروز گرتی چلی گئی۔ سارے ملک کے طول و عرض میں اُن کی صحت یابی کی خبر سننے کے لیے لوگ بیتاب رہتے اور ہر شخص کی دلی آرزو یہی ہوتی کہ وہ جلد تندرست ہوجائیں۔ اپنی حالت نازک سمجھ کر اتاترک نے ۵ ستمبر ۱۹۳۸ع کو شہر استنبول کے تیسرے امین عدالت کے رو بہ رو اپنا وصیت نامہ قلمبند کیا۔ آپ نے اپنے اندوختے کا کچھ حصہ اپنے خاندان کی گزر بسر کے لیے اور کچھ حصہ رشتے داروں اور دلی دوستوں کے لیے نامزد کردیا اور باقی اثاثے کا آدھا آدھا حصہ ترکیہ تاریخی سوسائٹی اور زبان ترکی سوسائٹی کو دے دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کو ان دونوں انجمنوں سے جو ترکی ثقافت کی علمبردار تھیں، کتنا لگاؤ تھا۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۸ع کو موصوف کی بیماری کا پہلا بحران نمودار ہوا جس سے یہ بات ضروری ہو گئی کہ سرکاری اعلامیہ کے ذریعے ہر روز اُن کی کیفیت کا اعلان کیا جائے۔ ۲۲ اکتوبر تک

ہر روز صبح شام یہ اعلامیہ نکلتا رہا ؛ اس کے بعد بند ہوگیا کیونکہ عارضی طور پر اتاترک کی صحت کچھ سنبھل گئی تھی - یہ خبر سن کر ترکیہ کے باشندوں کی جان میں جان آئی - پوری قوم کی ڈھارس بندھی اور سب نے قیام جمہوریہ کا پندرھواں سالانہ جشن منانے کی تیاریاں کیں - اتنی سخت علالت کے بعد اتاترک کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ استنبول سے کہیں جا سکیں - لہٰذا اس سال انقرہ میں یوم جمہوریہ کی روایتی پریڈ آن کی عدم موجودگی میں منائی گئی - ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ع کو وزیراعظم جلال بایار نے فوج کے سامنے اتاترک کا یہ پیغام پڑھ کر سنایا :

''میرا یہ خطاب اُس ترک فوج سے ہے جس کی فتوحات کا طغرا بنی نوع انسان کی تاریخ کے آغاز سے آج تک دفتر شجاعت پر ثبت ہے اور جس کی فتوحات کی جلو میں تہذیب ہمیشہ رکاب تھامے ساتھ ساتھ رہی ہے !

''آپ نے انتہائی نازک اور سخت وقتوں میں ترکیہ کو دشمنوں کے حملے ، جبر و استبداد اور مصائب و آفات سے بچایا ہے - مجھے یقین ہے کہ آج بھی جب کہ جمہوریہ ترکیہ اپنے عروج پر ہے اور ہر طرح کے سائنسی سامان حرب و ضرب اور جدید اسلحہ سے لیس ہے ، آپ اُسی سابقہ سرگرمی سے اپنا فرض انجام دیں گے !

''اپنی عظیم ترک قوم کے روبرو جس نے اپنی جمہوری حکومت کے پندرہ سال آج پورے کر لیے ہیں اور جس کی طاقت اور خوشحالی برابر بڑھتی رہی ہے ، میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اے جانباز سپاہیو ! ساری قوم تم پر فخر کرتی ہے - میں بھی اس جانباز و شجاع فوج کا شکریہ دل کی گہرائیوں سے ادا کرتا ہوں -

''مجھے اور میری عظیم قوم کو خوب معلوم ہے کہ جب کبھی ہمارا ملک کسی اندرونی یا بیرونی خطرے سے دوچار ہوا ہے تو

آپ نے اس کے عزت و وقار کو بچانے کا فریضہ انجام دیا ہے - قوم نے آپ کو جدید ترین اسلحہ مہیا کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس اسلحے کی مدد سے آپ اپنا فرض یوں انجام دیں گے کہ آپ کا دل موت کے خیال سے خالی اور جذبۂ قربانی سے لبریز ہوگا - اسی یقین و اعتماد کے سہارے میں تمام قوم کی موجودگی میں بری، بحری اور ہوائی فوجوں کے آزمودہ کار کمانداروں، افسروں اور سپاہیوں کو مبارک باد دیتا ہوں!

"خدا کرے جمہوریۂ ترکیہ کا یہ پندرھواں جشن آپ کو مبارک ہو!"

یکم نومبر ۱۹۳۸ء کو ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کی افتتاحی تقریب ہوئی لیکن اتاترک اس میں شرکت نہ کر سکے - ان کی تقریر وزیراعظم نے پڑھ کر سنائی - پندرہ روز تک آپ آرام سے رہے - اس کے بعد دوبارہ مرض کا بحران ہوا - ۸ نومبر سے سرکاری اعلامیہ کے ذریعے آپ کی علالت کا حال دوبارہ شائع ہونے لگا - سارے ملک میں انتہائی تشویش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی - ہر جگہ لوگ آپ کی صحت کی دعائیں مانگتے تھے لیکن وقت موعود کو کون ٹال سکتا ہے - ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو صبح کے وقت نو بج کر ۵ منٹ پر آپ کا انتقال ہو گیا - سرکاری اعلامیہ کے ذریعے آپ کے انتقال کی خبر مندرجہ ذیل الفاظ میں نشر کی گئی :

"جو ڈاکٹر اتاترک کا علاج کرنے پر مامور تھے ان کی نیز ان کے طبی مشیروں کی آخری رپورٹ یہ ہے کہ موصوف کا انتقال ہو گیا ہے - اس غمناک خبر کا یہ مطلب ہے کہ ترکوں کا دیس اپنے ذی جاہ بانی سے، ترک قوم اپنے عظیم قائد سے اور انسانیت ایک عظیم انسان سے محروم ہو گئے ہیں - اس ناقابل بیان نقصان پر ہم با دل ناشاد اپنی قوم کو ہمدردی و تعزیت کا پیغام دیتے ہیں - اس غم میں ہماری تسلی کا واحد سہارا یہی ہے کہ ہم اپنے مرحوم قائد کا عظیم

کام جاری رکھیں اور اپنے محبوب وطن کی خدمت کرتے رہیں -
سب سے پہلی بات ہمیں یہ کہنی ہے کہ مرحوم کا عظیم کارنامہ
یعنی جمہوریۂ ترکیہ ایک لازوال چیز ہے - آلام و مصائب
کی اس نازک گھڑی میں ہماری حکومت بدستور اپنے فرائض
انجام دے رہی ہے - ترک قوم اور ترکی حکومت نظم و نسق
کو قائم رکھنے اور اُس کی بقا کے لیے مل کر کام کریں گی -
آئین کی دفعہ ۳۳ کے مطابق عظیم قومی اسمبلی کے صدر
عبدالخالق ریندا نے جمہوریہ کے نائب صدر کی حیثیت سے
اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے - عظیم قومی اسمبلی آئین کی دفعہ ۳۴
کے بموجب نیا صدر چننے کی کارروائی فوراً کرے گی - آئین
کے مطابق جو شخص ترکیہ کے اس بلند ترین منصب کے لیے
منتخب ہوگا ، ترک قوم نیز ترک حکومت اپنی تمام پر شوکت
فوج سمیت فولادی حلقے کی طرح اُس کے گرد جمع ہوجائے گی
تاکہ ملک کا اتحاد قائم رہے اور ملک بدستور ترقی کرتا رہے -
ہمارے عظیم قائد اتاترک نے ، جن کے غم میں آج ہم سب
سوگ نشیں ہیں ، ہمیشہ ترک قوم پر اعتماد کیا - اسی اعتماد
کے سہارے انھوں نے اپنا فریضہ انجام دیا - موصوف نے
نصب العین تک پہنچنے کے تمام ذرائع مہیا کر کے کامل یقین
کے ساتھ ، وسائل اور ذرائع کا یہ ورثہ ہماری قوم کے سپرد
کر دیا ہے - زندۂ جاوید ترک قوم ہمیشہ ہمیشہ اس ورثے کی
حفاظت کرے گی - ترکیہ کے نوجوان اُس جمہوریہ ترکیہ کی ،
جسے مرحوم نے ورثے کے بطور ہمارے سپرد کر دیا ہے ،
ہمیشہ حفاظت کریں گے اور اُن کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے -
کمال اتاترک کی یاد تاریخ کے صفحات نیز ترکوں کے دلوں میں
ہمیشہ زندہ رہے گی - ۱۰ نومبر ۱۹۳۸ع -"

اتاترک کی موت کا سوگ صرف ترکیہ ہی میں نہیں بلکہ ساری
دنیا میں منایا گیا - دنیا کے ہر ملک نے مرحوم کی تجہیز و تکفین

میں حصہ لینے کے لیے اپنے فوجی دستے، جنگی جہاز اور وفد ترکیہ میں بھیجے تاکہ ترک قوم کے نجات دہندہ اور جمہوریۂ ترکیہ کے بانی کو آخری خراج عقیدت پیش کیا جائے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۳۸ء کو مرحوم کی میت ایک تابوت میں رکھ کر، ٹھیک اس مقام پر رکھ دی گئی جہاں آپ نے ۱۹۲۷ء میں شہر استنبول کے نمائندوں کی پذیرائی کی تھی اور جہاں اعلان قیام جمہوریہ کے بعد آپ نے پہلی مرتبہ تشریف لاکر نمائندوں کے سامنے اپنا تاریخی خطبہ پڑھا تھا۔ تابوت پر قومی جھنڈا لپٹا ہوا تھا۔ تین دن تین رات شاہانہ شان کے ساتھ تابوت یہاں رکھا رہا اور استنبول کی پوری آبادی صف بستہ ہوکر اس کے پاس سے گزری۔ مردوں اور عورتوں کا ایک سیلاب تھا جو آنسو بہا بہا کر اپنی احسان مندی کا اظہار کر رہا تھا۔

۱۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو ہفتے کے روز صبح کے وقت قصر دولمہ باغیچہ کے تقریبی ہال میں پروفیسر شرف الدین یالت قیا نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ساڑھے آٹھ بجے صبح بارہ جرنیلوں نے اپنے محبوب کمانڈر انچیف کے جنازے کو اٹھا کر توپ کی گاڑی پر رکھ دیا جو محل کے باہر کھڑی تھی۔ غم زدہ اور دل شکستہ ہجوم کے درمیان سے گزر کر ماتمی جلوس گل خانہ پارک کی طرف روانہ ہوا جہاں جنازے کو تارپیڈو کشتی کے ذریعے جنگی جہاز ''یاوز'' پر رکھ دیا گیا۔ یہ جہاز غیرملکی جنگی جہازوں اور ترکی بحریہ کے چھوٹے بڑے جہازوں کے درمیان جزیرۂ بویوک آطہ تک پہنچا اور وہاں سے ایزمیت پہنچا۔ ایزمیت میں غروب آفتاب سے کچھ پہلے جنازے کو جہاز سے اتار کر سپیشل ٹرین میں رکھ دیا گیا جو اتوار کے روز ۲۰ نومبر ۱۹۳۸ء کو انقرہ میں پہنچی۔ جہاں جہاں سے یہ ٹرین گزری، سوگواروں کے بڑے بڑے ہجوم اس کے پیچھے آتے رہے۔

انقرہ میں جمہوریۂ ترکیہ کے نئے صدر عصمت انونو نے ٹرین کا استقبال کیا۔ ان کی جلو میں عظیم قومی اسمبلی کے صدر، وزرا

چیف آف دی جنرل سٹاف ، نمائندے اور ممتاز فوجی افسر نیز سول حکام تھے ۔ جنازے کو تابوت میں رکھ کر عظیم قومی اسمبلی کے باہر رکھ دیا گیا جہاں تمام دن اورتمام رات انقرہ کے باشندے اس کی زیارت کے لیے آتے رہے ۔ جنازے کے تجمل کا یہ عالم تھا کہ بارہ جرنیلوں نے اسے ٹرین سے اتار کر توپ کی گاڑی پر رکھا ۔ گاڑی سے تابوت میں رکھنے کا فرض بارہ نمائندوں نے انجام دیا جو قرعہ اندازی کے ذریعے چنے گئے تھے ۔ ٹرین کے آنے پر ایک سو ایک توپوں کی سلامی اتاری گئی ۔ جمہوری عوامی پارٹی کے چھ نکات کی یاد میں (جو چھ تیروں کے نام سے معروف ہیں) تابوت کے گرداگرد چھ مشعلیں روشن کی گئیں ۔ ہر مشعل کے دائیں بائیں ایک جرنیل ، ایک افسر اور ایک سپاہی اپنی پوری وردی میں ملبوس ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے !

آگے آگے صدر جمہوریہ اور ان کے پیچھے انقرہ کی پوری آبادی لمبی قطار میں تابوت کے پاس سے گزری ۔ رات گئے تک یہ قطار گزرتی رہی ۔ اگلے روز ۲۱ نومبر ۱۹۳۸ع کو صبح کے دس بجے جب ہلکی بارش ہو رہی تھی ، جنازے کا جلوس روانہ ہوا ۔ بارہ نمائندوں نے جنازے کو توپ کی گاڑی پر رکھا جس کی جلو میں بارہ جرنیل صف بستہ چلے ۔ غیر ملکوں کے فوجی دستوں نے جن کے آگے آگے شاہی گارڈ کے جوان چل رہے تھے، جنازے کو سلامی دی ، ان کے پیچھے صدر جمہوریہ ، عظیم قومی اسمبلی کے صدر ، وزیراعظم، وزرا ، چیف آف دی جنرل سٹاف ، ممتاز فوجی افسر اور سول حکام نیز غیر ملکی وفود تھے۔ ان کے علاوہ کتنے ہی غیر ملکی دستے ، ترک دستے اور طالب علم راستے کے دونوں جانب کھڑے تھے تاکہ اتاترک کو آخری سلام کر سکیں ۔ یہ جلوس سٹیشن روڈ سے گزرتا ہوا علم النسل کے عجائب خانے تک پہنچا ۔ یہ جگہ مرحوم کے عارضی مقبرے کے بطور انتخاب کی گئی تھی ۔ یہاں ان کے جنازے کو سنگ مرمر کے مقبرے میں رکھ دیا گیا اور حاضرین آخری بار

کورنش ادا کرنے کے لیے جھک گئے!

اتا ترک اسی سرزمین میں دفن کیے گئے جسے انھوں نے آزاد کرایا تھا۔ احسان شناس ترک قوم کے اس سپوت کی یاد ترکوں کے دلوں میں ہمیشہ الفت و احترام کے ساتھ قائم رہے گی۔ دفن کے روز عصمت انونو نے قوم کو جو پیغام دیا اس سے ترکوں کی محبت کا نیز اس غم کا اظہار ہوتا ہے جس میں ساری قوم مبتلا تھی:

''عظیم ترک قوم! اتاترک کی محبوب قوم نے اپنے پیارے قائد مصطفیٰ کمال کے جسم فانی کو قبر میں دفن کر دیا ہے۔ مرحوم نے ساری زندگی تمھاری خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ اگرچہ وہ قبر کی آغوش میں ہیں لیکن ان کا اصلی مزار وفادار، جانباز عوام کے دلوں میں ہے جو ان سے محبت رکھتے اور ان پر فخر کرتے ہیں:

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجوی
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

اتاترک مرحوم اس وقت جنگ آزادی میں شامل ہوئے جب ہمارا ملک تاریخ کے انتہائی تاریک اور ظالمانہ دور سے گزر رہا تھا۔ اس وقت مرحوم نے اپنی قوم کی بےگناہی اور اس کے حقوق کا اعلان کیا۔ اگرچہ اول اول کسی نے توجہ نہ کی لیکن رفتہ رفتہ ان کی آواز بلند ہوئی اور ساری دنیا کے ضمیر میں گونج اٹھی۔ عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد اتاترک نے بقیہ زندگی یہ ثابت کرنے میں صرف کردی کہ ترک قوم کے کچھ حقوق ہیں، ترکوں نے تاریخ کے اولین دور ہی سے انسانیت کی خدمت کی ہے اور اس کی صفات حمیدہ تاریخ کے صفحات پر مرقوم ہیں۔ انھیں ہماری قوم کی عظمت، طاقت اور صفات عالیہ پر مکمل اعتماد تھا۔ ان کا ایمان تھا کہ ترک قوم میں تہذیب کی صلاحیت ہے اور اس نے انسانیت کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے یہ الفاظ کہ:

"شادکام ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ترک کہتا ہے۔"
اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ ان کی بیتاب روح میں قوم کی محبت گھر کر چکی تھی!

"مرحوم کو خاص طور پر اس بات کا خیال رہتا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو، ترکی معاشرے کا معیار بلند کیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس معاشرے کو غیر صحت مند طرز فکر اور ناقابل حکومت نے پسماندہ بنا دیا ہے اسے ترقی دے کر ایسی جدید مملکت میں تبدیل کردیں جو انتہائی ترقی یافتہ اور روشن خیال ہو۔ ہماری غیر مذہبی، قومی، عوامی، اصلاحی اور صلح کل جمہوریہ جس کی جڑیں ترکوں کے ضمیر اور ہمارے آئین میں پیوست ہیں، نہایت بیش قیمت ورثہ ہے جو اتاترک ہمارے سپرد کر گئے ہیں۔

"اتاترک کے مرتے ہی ترکوں نے ان کے محبوب نام اور پیاری یاد کو لوحِ دل پر کندہ کر لیا ہے۔ ہماری حکومت کے استحکام اور ترک قوم کی محبت کا بہترین ثبوت یہی ہے کہ ان کی موت پر قوم نے نہایت پرخلوص مظاہرے سے اپنی الفت اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے۔ قوم نے اپنے محبوب اتاترک کی وفات پر الفت و احترام کا جو مظاہرہ کیا، اس سے ساری دنیا کو یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ترک قوم نے اپنے اس عظیم سپوت کو پروان چڑھانے کے لیے کیا کچھ کیا ہوگا۔

"اتاترک کو خراج عقیدت پیش کرتے وقت میں یہ بھی فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی اس دلی اور پرخلوص احسان مندی کا اظہار بھی کر دوں جو مجھے ترک قوم سے ہے۔

"اتاترک کا عزیز ترین نصب العین یہ تھا کہ دنیا کی قومیں اخوت و الفت کے رشتے میں منسلک رہیں۔ ان کے مرنے پر اقوام عالم نے جس احترام کا مظاہرہ کیا ہے میں اس پر مرحبا کہتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ یہ انسانیت کے مستقبل کے لیے

فال نیک ہے۔ میں جمہوریۂ ترکیہ کی طرف سے ان با عظمت قوموں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو تعزیت کے پیغام بھیج کر یا ہمارے ملک میں اپنے بہادر سپاہیوں اور ممتاز نمائندوں کو بھیج کر اس غم میں ہماری شریک ہوئی ہیں۔

"اے اتاترک مرحوم! جمہوریۂ ترکیہ کے بانی، قوم کے وفادار اور ایثار پیشہ خادم، بے نظیر بطل عظیم، انسانیت کے تابان و درخشاں نمونے! پوری ترک قوم آپ کی احسان مند ہے۔

"ترک قوم کے ساتھ، جس کی خدمت کے لیے آپ نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی، ہم سب آپ کی روح کے حضور میں احترام کے ساتھ سر جھکاتے ہیں۔ آپ نے جیتے جی اپنے بیتاب، آتش بجاں جذبۂ حب وطن سے ہمارے دل میں ویسی ہی لگن لگا دی تھی۔ یقین رکھیے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی یاد ہماری روح میں اسی شعلۂ جوالہ کو فروزاں رکھے گی۔

صدر جمہوریہ عصمت انونو۔"

اتاترک بظاہر اکہرے بدن کے دبلے پتلے آدمی تھے لیکن بہت مضبوط اور جفاکش تھے۔ میدان جنگ میں اور دوسرے کام دھندوں میں وہ بہت بھاری بوجھ اٹھا لیتے تھے۔ جنگ گیلی پولی کے بعد انھیں گردے کی تکلیف اور جنگ آزادی کے بعد دل کا عارضہ ہوگیا تھا لیکن دونوں امراض کا مکمل علاج ہوا اور وہ صحت یاب ہوگئے۔ جگر کی مہلک بیماری تک ان کا دل بخوبی کام کرتا رہا۔ وہ انتہائی بے آرامی یا تکلیف برداشت کر سکتے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگ سقاریہ میں گھوڑے سے گرنے پر ان کی کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں لیکن وہ برابر میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔ وہ دیر تک تقریر کر سکتے تھے اور بحث مباحثوں میں شوق سے حصہ لیتے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف جسمانی اعتبار سے بلکہ دماغی اعتبار سے بھی وہ بہت توانا تھے اور ان کا نظام عصبی اچھا تھا۔

اتاترک خوش رو آدمی تھے۔ ان کے خط و خال واضح اور

نمایاں تھے۔ ان کا خاص رجحان آزادی و حریت کی طرف تھا۔ آزادی کا یہ میلان بچپن سے لے کر مرتے دم تک برابر قائم رہا۔ ایک لمحے کے لیے بھی کم نہیں ہوا۔ ترک قوم اسی افتاد طبع کی وجہ سے اپنی آزاد مملکت کے بانی کی مرہون منت ہے۔ اکثر اشخاص کا حال یہ ہے کہ آزاد مزاجی کے ساتھ ان میں خود غرضی، خلوت پسندی بلکہ گوشہ گیری پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اتاترک آزاد مزاجی کے باوجود معاشرتی زندگی اور لوگوں کے انبوہ کے شائق تھے۔ اسی لیے ان میں انسان دوستی، قوم پرستی اور عوام دوستی کی صفات پیدا ہوگئی تھیں۔ وہ ترک نژاد ہونے پر فخر کرتے تھے اور انھیں ترکی معاشرے کے ماضی، حال اور مستقبل سے دلی لگاؤ تھا۔ سب سے زیادہ عزیز فقرہ جس سے وہ ترکوں کی آئندہ نسلوں کا دل بڑھاتے تھے یہ تھا کہ :

"شاد کام ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ترک کہتا ہے۔"

مصطفیٰ کمال ترکوں کے قومی ہیرو ہیں۔ انھوں نے فوجی ملازمت کا آغاز ادنیٰ درجے کی افسری سے کیا اور بڑھتے بڑھتے کمانڈر انچیف بن گئے۔ اس تمام عرصے میں وہ ہمیشہ دشمن پر فتحیاب رہے۔ لیبیا، گیلی پولی، استنبول کے دروازے پر، فلسطین میں، مشرقی محاذ پر اور بالآخر جنگ آزادی میں، وہ ہر جگہ مظفر و منصور رہے۔ خطرناک موقعوں پر وہ اپنے سپاہیوں کو لیے ہوئے بے پس و پیش دلیرانہ بڑھے چلے جاتے۔ بیباکی کے ساتھ اقدام کرنے کی ذمے داری اٹھانے سے وہ ذرا نہ ہچکچاتے حالانکہ دوسرے اشخاص ایسے مواقع پر ناکامی کے خوف سے پیچھے ہٹ جاتے۔ اُن کی ذات میں حیرت انگیز ہمت، محتاط فکر، صحیح اندازہ اور پیش بینی و دانشمندی جمع تھیں۔ ان کی فوجی ذہانت کا راز یہی تھا کہ تہور اور پیش بینی جیسی دو متضاد صفات اُن کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں۔

کماں دار کی حیثیت سے وہ جذبۂ حب وطن سے سرشار اور ذاتی ہوس سے بے تعلق رہتے تھے۔ انھوں نے فوج عثمانیہ میں حاصل کیا ہوا جرنیلی کا منصب محض اس لیے ترک کر دیا کہ وہ جنگ آزادی میں

عام شہری کی طرح شریک ہونا چاہتے تھے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حب وطن کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا اور وہ اس عظیم مقصد کی خاطر ہر چیز قربان کر دینے کے لیے تیار رہتے تھے - قضیۂ حظای کے معاملے میں ان کی مصمم اور بیباک پالیسی اس حقیقت کی گواہ ہے کہ وہ مرتے دم تک اپنے نصب العین پر قائم رہے -

ان کی شجاعت اور وطن پرستی کا اظہار صرف میدان جنگ ہی میں نہیں بلکہ سیاسی جد و جہد میں بھی ہوتا تھا - انتہائی مشکل مرحلوں میں بھی وہ عوام کے ساتھ گھلنے ملنے اور اپنا مافی الضمیر ان کو بتا دینے سے نہیں ہچکچاتے تھے- وہ اپنے اقوال اور کارناموں کی بدولت ترکوں کی تاریخ کے عظیم ترین ہیروؤں میں جگہ پانے کے مستحق ہیں -

اتاترک سماجی اصلاح ، جدت طرازی اور انقلاب آفرینی کے معاملے میں بہت ممتاز اور ان اصطلاحات کے وسیع ترین مفہوم کے حامل تھے - اپنے نظریات میں وہ حقیقت پسند تھے - جس عثمانی معاشرے میں وہ پروان چڑھے تھے ، اس کی حقیقت ان کی نظر میں تھی اور وہ اس کی اقدار اور اس کے اداروں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگاتے تھے - آزاد ترک حکومت قائم کر لینے کے بعد موصوف نے اپنی روح کی پوری طاقت کے ساتھ ان اقدار اور اداروں پر حملہ کیا جو صدیوں سے ترکیہ کو تہذیب و ترقی کی شاہراہ پر چلنے سے روکے ہوئے تھے - سلطانی اور خلافت کا خاتمہ ، مغربی ضابطۂ قانون کو قبول کر لینا ، مدرسوں اور خانقاہوں کا بند کر دینا ، لاطینی حروف کا رواج ، ہیٹ اور کوٹ پتلون کو رواج عام دینا ، مساوات زن و مرد وغیرہ ترکیہ کی عظیم تحریک اصلاح کے اہم واقعات ہیں - قومی زبان اور ترکی تاریخ کے متعلق موصوف نے جو تحریک قائم کی اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں لیکن اس کے عام رجحان کو نگاہ میں رکھیے تو اندازہ ہوگا کہ ترکیہ کی نشأۃ ثانیہ کا پہلا زینہ یہی تحریک تھی - اس اصلاحی تحریک کا نصب العین یہ تھا کہ ترکیہ کی

معاشرت کو مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھال دیا جائے لیکن اس کی قومی خصوصیت قائم رکھی جائے - اس سلسلے میں اتاترک نے اپنا نصب العین یوں ظاہر کیا :

"ہم اپنی سوسائٹی کا معیار موجودہ مغربی تہذیب کی سطح تک بلند کرنا چاہتے ہیں -"

ان تمام اوصاف کے علاوہ موصوف کی سیاسی فراست و تدبر کا یہ عالم تھا کہ اس کی نظیر نظر نہیں آتی - اسی فراست و تدبر کی بدولت وہ اپنے نصب العین تک پہنچنے میں کامیاب ہوتے تھے - ان میں دوسروں کو ہم‌نوا بنالینے اور اپنی طرف کھینچنے کی صفت تھی جس کا ادنٰی کرشمہ یہ تھا کہ نہ صرف دوست بلکہ دشمن بھی انھیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور بالآخر ان کے حامی بن جاتے - وہ اپنے فیصلوں پر سختی سے عمل کرتے لیکن اس میں ذہانت اور لچک کا عنصر برابر شامل رہتا - یہی وجہ ہے کہ سیاست و تدبر کے فن میں ان کا ثانی کوئی نہ تھا - داخلی اور خارجی امور کا تصفیہ کرنے میں وہ منجھے ہوئے سپہ سالار کی طرح بہت نفیس توڑ جوڑ سے کام لیتے - لیکن ان کے نظریات و اقدامات کی بنیاد محض فوجی تجربات پر نہ تھی بلکہ ان کا مقولہ یہ تھا کہ :

"ملک میں امن و امان ، دنیا میں امن و امان -"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی فوجی صلاحیت کو حسب ضرورت دور اندیشی ، ذہانت اور شریفانہ مفاہمت میں تبدیل کر سکتے تھے -

اتاترک کی شخصیت کا ہر پہلو یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک عظیم انسان تھے - فتوحات کے اعتبار سے وہ ترک قوم کے نہایت اقبالمند فرزندوں میں شمار ہوتے ہیں - ان کی ذات انسانیت کا شاندار نمونہ تھی -

کتابیات

۱ ۔ دستاویزات

ترکی مجلس ، جنرل سٹاف ، وزارت دفاع ملی ، فوجی کالج اور فوجی سکول کے فائل اور رجسٹر وغیرہ ۔

نطق (خطبات کمال اتاترک) ۱۹۱۹ع تا ۱۹۲۷ع جلد اول و دوم ۔

تراجم بہ زبان جرمنی :

وثیقہ جات (دستاویزات جلد سوم (بہ زبان ترکی)

ترکیہ جدید (ریڈ) حصہ اول ۱۹۱۹-۲۰ع حصہ دوم **قومی انقلاب** ۱۹۲۰-۲۷ع ۔ حصہ سوم **دستاویزات** ۔ طبع لیپزگ ۱۹۲۸ع ۔

تقریر صدر جمہوریہ ترکیہ اکتوبر ۱۹۲۷ع طبع لیپزگ ۱۹۲۹ع

خطبات غازی مصطفیٰ کمال پاشا ، صدر جمہوریہ ترکیہ اکتوبر ۱۹۲۷ع ۔ لیپزگ ۱۹۲۹ع ۔

ترکیہ جدید ۱۹۱۹-۲۷ع (بہ زبان روسی) مع مقدمہ از وی ۔ گورکوکرجازینا در باب آغاز تحریک قومی ترکیہ ۱۹۱۹ع طبع ماسکو ۱۹۲۹ع ۔

(ترکی زبان میں)

خطبات و بیانات اتاترک : حصہ اول: عظیم قومی اسمبلی نیز جمہوری عوامی پارٹی کی کانگریسوں میں (۱۹۱۹ع تا ۱۹۳۸ع) مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ ، **تاریخ انقلاب ترکی** ۔ استنبول ۔ ۱۹۴۵ع ۔

روداد فوجی کیمپ بہ مقام **جدعلی** ۔ مصنفہ مصطفیٰ کمال ۔ طبع سالونیکا ۱۹۰۹ع ۔

مکالمہ کماندار و ضابط (افسردستہ) مصنفہ مصطفیٰ کمال ، طبع استنبول ۱۹۱۸ع ۔

تاریخچہ محاربات انافارتلر مصنفہ مصطفیٰ کمال ، **بلیٹن** نمبر ۸ ۔ صفحات ۱۷ تا ۶۹ شائع کردۂ اولوغ ایکدمیر ، انقرہ ۱۹۴۳ع ۔

تربیت جنگ قشون مصنفہ مصطفیٰ کمال طبع سالونیکا ۱۹۰۸ع ۔

تربیت جنگ عسکر مصنفہ مصطفیٰ کمال طبع استنبول ۱۹۱۰ء -
عوامی پروگرام طبع انقرہ ۱۹۲۰ء -
برق انداز فوج مصنفہ حسین حسنی امیر 'یلدرم' ۳۳-۱۹۳۳ء -
رپورٹ مرتبہ مصطفیٰ کمال پاشا ، کماندار نمبر ۷ آرمی صفحات ۷۸ تا ۹۱ طبع استنبول ۱۹۲۱ء -
مصطفیٰ کمال پاشا صدر ''عظیم قومی اسمبلی ترکیہ'' اور کمانڈر انچیف سے ایک ملاقات مصنفہ احمد امین یالماں شائع کردہ روزنامہ وقت ، شمارہ ۱۳۶۸ ، ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء -
بیان نامہ یعنی نو نکاتی اعلان - طبع انقرہ ۱۹۲۳ء -
اجلاس عوامی پارٹی بابت خاتمۂ خلافت طبع انقرہ ۱۹۲۴ء -
بطل عظیم کی سوانح حیات کے چند ورق مصنفہ محمود سایدام و فالح رفقی مطبوعہ روزنامہ حاکمیت ملیہ انقرہ ۱۹ مارچ تا ۱۲ اپریل ۱۹۲۶ء -
مصطفیٰ کمال کماندار انافارتالر سے ایک ملاقات - مرتبہ روشن اشرف آتد ین طبع استنبول ۱۹۳۰ء -
خصوصی خطبات اتاترک مرتبہ ہربرٹ میلزگ طبع استنبول ۱۹۳۲ء -
تقاریر و خطبات و بیانات و فکاہات اتاترک طبع انقرہ ۱۹۳۳ء -
انجمن تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کی تشکیل سے متعلقہ دستاویزات حصہ اول و دوم مشمولۂ تاریخی وثیقہ جات نمبر ۱ صفحات ۳ تا ۹ و نمبر ۲ صفحات ۸۱ تا ۹۰ طبع استنبول ۱۹۳۱ء -
اتاترک کا فوجی خدمت سے استعفا اور ایک عام شہری کی حیثیت سے قومی جد و جہد میں شرکت مشمولۂ تاریخی وثیقہ جات نمبر ۵ صفحات ۳۲۱ تا ۳۳۵ طبع استنبول ۱۹۳۲ء -
دستاویزات بابت تشکیل حکومت عظیم قومی اسمبلی ترکیہ مشمولۂ تاریخی وثیقہ جات نمبر ۶ صفحات ۳۰۱ تا ۳۰۶ طبع استنبول ۱۹۳۲ء -
بعض دستاویزات بابت تقرر مصطفیٰ کمال پاشا بہ عہدۂ کمانڈر انچیف و اعطائے منصب مارشل و خطاب غازی مشمولۂ تاریخی وثیقہ جات نمبر ۸ صفحات ۸۱ تا ۱۰۰ طبع استنبول ۱۹۳۲ء -
جاودانی قائد اتاترک کی ہدایات بنام انجمن زبان ترکی مشمولۂ تاریخی وثیقہ جات نمبر ۱۱ صفحات ۳۲۱ تا ۳۲۴ طبع قسطنطنیہ ۱۹۳۳ء -
مصطفیٰ کمال پاشا ، ناظر افواج نمبر ۹ آرمی کے فرائض و اختیارات

سے متعلق بعض دستاویزات مشمولہ' تاریخی وثیقہ جات نمبر ۱۲ صفحات ۳۰۱ تا ۳۰۹ طبع استنبول ۱۹۴۳ع -

جماعت تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کی تشکیل اور کارگزاری سے متعلق بعض دستاویزات جو عظیم قومی اسمبلی ترکیہ کے پہلے اجلاس میں قلمبند ہوئیں ، مشمولہ' تاریخی وثیقہ جات نمبر ۱۳ صفحات ۱ تا ۱۵ طبع استنبول ۱۹۴۴ع -

۱۹ مئی مصنفہ فالح رفقی اتای طبع انقرہ ۱۹۴۴ع -

۲ - سوانح

(بہ زبان ترکی)

سوانح جنرل ٹریکوپس (کمانڈر انچیف افواج یونان) طبع استنبول ۱۹۲۳ع -

سلطان محمد رشاد خاں اور ان کے پیشرو کے محل میں میں نے کیا دیکھا؟ مصنفہ لطفی سیماوی صفحات ۱۱۹-۱۲۷ طبع استنبول ۱۹۲۳ع -

انقلاب اناطولیہ اور قومی جد و جہد کی سرگزشت ۱۳۳۵ھ تا ۱۳۳۹ھ مصنفہ محمد عارف طبع استنبول ۱۹۲۳ع -

ہمارا دیس مصنفہ م فواد زبیر اوغلو صفحات ۳۳ تا ۳۷ طبع استنبول ۱۹۲۵ع -

ایشیائے کوچک میں کمانداران افواج یونان کی سوانح ، سوانح جنرل پاپولس و جنرل ٹریکوپس ، جنرل فرانکو کی رپورٹ طبع استنبول ۱۹۲۷ع -

سوانح جنرل پاپولس مصنفہ ابراہیم خلیل طبع استنبول ۱۹۲۸ع -

یاد داشت استقلال حربی مصنفہ' عزالدین

انجمن مطالعہ' ترکی زبان کی یادداشتیں آغاز سے لے کر پہلی کانگریس تک - طبع انقرہ ۱۹۳۳ع -

اتاترک کی خدمت میں ایک سال بحیثیت سفیر مصنفہ' شیرل و احمد اکرم طبع استنبول ۱۹۳۵ع -

گوریلا دستوں سے متعلق دو یادداشتیں مشمولہ بلیٹن نمبر ۱ صفحات ۲۰ تا ۳۱ طبع استنبول ۱۹۳۵ع -

وطن و حریت مشمولہ' بلیٹن نمبر ۲ صفحات ۲۹۰ تا ۲۹۸ طبع استنبول ۱۹۳۷ع -

وطن و حریت اتحاد و ترقی : مشمولۂ بلیٹن نمبر ۳ و ۴ صفحات ۶۱۹ تا ۶۲۵ طبع استنبول ۱۹۳۷ع -

جاودانی قائد اتاترک کی زریں تاریخ کے چند صفحات ، مصنفہ جواد عباس گورر طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

اتاترک کے حق میں ، مصنفہ اسماعیل حبیب سیووک طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

وہ زمانے ! (۲۳-۱۹۲۰ع) طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

سوانح اتاترک بحیثیت مورخ و استاد محترم مصنفہ شمس الدین گونالتای مشمولۂ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۴-۲۷۳ طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

ترکیہ کی تاریخ لکھی جارہی ہے مصنفہ اسماعیل حقی اوزون جارشی لی مشمولۂ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۳۴۹ تا ۳۵۳ طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

سوانح رشید پاشا مصنفہ جودت - ر - یولر قیران طبع استنبول ۱۹۴۰ع-

جنگ آزادی میں مغربی محاذ کیسے قائم ہوا مصنفہ رحمی آیاق طبع استنبول ۱۹۴۲ع -

اتاترک کے محاربۂ آنافارتلر کی سوانح مصنفہ اولوغ ایکد میر مشمولۂ بلیٹن نمبر ۲۸ صفحات ۱ تا ۸۸ - طبع انقرہ ۱۹۴۳ع -

لیبیا میں آزادی کے خلاف بغاوت مصنفہ عفت آفت انیان مشمولۂ بلیٹن نمبر ۳۱ صفحات ۳۸۷ تا ۴۰۱ طبع انقرہ ۱۹۴۴ع -

اتاترک کی کہانی دوستوں کی زبانی مصنفہ صلاح الدین گونگور طبع استنبول ۱۹۴۴ع -

۱۹۳۰ع کے بعد اتاترک کے ساتھ ترکیہ میں تین ماہ مصنفہ احمد حمدی طبع استنبول ۱۹۴۴ع -

اتاترک سے متعلق چند واقعات اور یادداشتیں مصنفہ رضا روشن لوجر باشاد طبع استنبول ۱۹۴۷ع -

۳ - سوانح عمریاں

الف - ترکی زبان میں

مصطفی کمال پاشا ، طبع استنبول ۱۹۲۲ع -

جمہوریۂ ترکیہ کا سرکاری سال نامہ بابت ۲۶-۱۹۲۵ع ، صفحات ۴۸ تا ۶۴ طبع استنبول ۱۲۹۶ع (اے)

اتاترک

سوانح غازی شائع کردہ ترکی پبلشنگ ہاؤس استنبول ۱۹۲۸ع -
غازی مصنفہ برہان جاہد (سورقیا) طبع انقرہ ۱۹۳۸ع -
قائد عظیم اتاترک کی نجی ، فوجی اور سیاسی زندگی مصنفہ ضیا شاکر طبع استنبول ۱۹۳۸ع -
حیات اتاترک مصنفہ ضیا شاکر طبع استنبول ۱۹۳۸ع -
اتاترک کے والد علی آفندی اور سالونیکا کی سرحدی بٹالین جس میں وہ ملازم تھے ، مصنفہ احسان صونغو مشمولہ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۲۸۹ تا ۳۰۸ طبع استنبول ۱۹۳۹ع -
کتاب ایض کمال اتاترک ۱۸۸۱ع تا ۱۹۳۸ع مصنفہ خلیق جمیل تانژو طبع استنبول ۱۹۳۹ع -
اتاترک مصنفہ ایم طور خان تان طبع استنبول ۱۹۳۹ع -
اتاترک مصنفہ اولوغ ایکدمیر ، شائع کردۂ انقرہ پیپل ہاؤس انقرہ ۱۹۳۹ع -
کمال اتاترک ۱۸۸۱ع تا ۱۹۳۸ع شائع کردۂ بروسہ پیپل ہاؤس بروسہ ۱۹۳۹ع -
اتاترک مصنفہ نیازی بان اوغلو طبع استنبول ۱۹۴۳ع -
کمال اتاترک اور قومی جدوجہد کی تاریخ مصنفہ انور بہنان شاپولیو ، طبع استنبول ۱۹۴۴ع -
اتاترک مصنفہ یعقوب قدری قرہ عثمان اوغلو طبع استنبول ۱۹۴۶ع -

ب ۔ غیر زبانوں میں :-

سیرت مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہ سعید و ثابت طبع قاہرہ ۱۹۲۲ع -
سولدا تبلوت ووم بالٹیکم زو کمال پاشا مصنفہ ایچ ٹروبشت طبع لیپزگ ۱۹۲۵ع -
مذاکرات غازی مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہ امین الهانجی طبع قاہرہ ۱۹۲۶ع -
سوونیر غازی مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہ جے - ڈینے - طبع پیرس ۱۹۲۷ع -
مصطفیٰ کمال اولے اورینٹ این مارچ مصنفہ پی جنتیزون طبع پیرس ۱۹۲۹ع -

غازی مصطفیٰ کمال زو سچن یورپ و ایشین مصنفہ میکوش طبع لیپزگ ۱۹۲۹ع -
مصطفیٰ کمال و نشأۃ ثانیہ ترکیہ مصنفہ جے میلیا طبع پیرس ۱۹۲۹ع-
پروزیس ڈیر ڈکٹیٹر (مصطفیٰ کمال پاشا) مصنفہ بٹا گیا صفحات ۲۹۶ تا ۳۱۹ طبع ویانا ۱۹۳۰ع -
مصطفیٰ کمال آف ٹرکی مصنفہ ایچ - ای - وورتھم (نیویارک بوسٹن ۱۹۳۰ع -)
غازی مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہ میکسم ساور طبع سراجیوو ۱۹۳۱ع-
مصطفیٰ کمال یورپ اور ایشیا میں ، مصنفہ میکوش جے لنٹن طبع لندن ۱۹۳۱ع -
غازی مصطفیٰ کمال اور عوامی انقلاب مصنفہ میکوش وان ویلینٹ و جے کوکن برگ طبع پیرس ۱۹۳۱ع -
سو دین (اتاترک) صفحات ۴۵۹ تا ۵۰۹ مصنفہ سیکائی جوکتس طبع ٹوکیو ۱۹۳۱ع -
مصطفیٰ کمال—ایک ڈکٹیٹر کا نزدیکی مطالعہ مصنفہ ایچ آرم اسٹرونگ و گرے وولف طبع لندن ۱۹۳۲ع و نیویارک ۱۹۳۳ع -
دیر گرے وولف (داس لیبین دیس دکتیترس مصطفیٰ کمال ، مصنفہ ایچ آرم اسٹرونگ و سولی اینڈ وائنے طبع پیرس ۱۹۳۳ع -
کمال—ترکیہ نووج ترکجی مصنفہ اقبال علی شاہ طبع وارسا ۱۹۳۳ع
الابطال الثلثہ—ملک فیصل ، غازی مصطفیٰ کمال ، رضا شاہ پہلوی (مصطفیٰ کمال صفحات ۴۷ تا ۶۹) طبع بغداد ۱۹۳۳ع -
مصطفیٰ کمال المثل الاعلیٰ مصنفہ میکوش - مسیحا طبع بیروت ۱۹۳۳ع -
ال غازی مصطفیٰ کمال پاشیا مصنفہ روشی - طبع روم ۱۹۳۳ع -
کمال پاشا مصنفہ ایف روشلر طبع برلن ۱۹۳۳ع -
مصطفیٰ کمال مصنفہ اے انیانتے آئی لینوئر طبع پیرس ۱۹۳۴ع -
کمال سلز ناوین ایبورڈٹ مصنفہ اورین طبع اسٹاک ہولم ۱۹۳۴ع -
میکر آف ماڈرن ٹرکی مصنفہ اقبال علی شاہ طبع لندن ۱۹۳۴ع -
مصطفیٰ کمال مصنفہ شیرل پی کیرولٹ طبع پیرس ۱۹۳۴ع -
کمال پاشا (باد کرت) مصنفہ ایچ آرم اسٹرونگ و اوزپرووگ طبع

بلغراد ۱۹۳۵ع -
مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہٗ ایچ آرم اسٹرونگ وکیلنر طبع پریگ ۱۹۳۵ع -
دکتیتر (اتاترک صفحات ۲۲۰ تا ۲۳۱) مصنفہ جے بین ول طبع پیرس ۱۹۳۵ع -
فیوہرر دیر وولکر (اتاترک صفحات ۶۵ تا ۸۷) طبع برلن ۱۹۳۵ع -
کمال اتاترک مصنفہ ایچ - فرومبجین طبع اسٹٹگریٹ ۱۹۳۵ع -
کمال اتاترک مصنفہ عصمت ٹوٹو طبع ترسانا ۱۹۳۵ع -
مسولینی کمال ، اسٹالین ، مصنفہٗ زمانی صفحات ۱۶۳ تا ۲۲۶ متعلق مصطفیٰ کمال طبع بوڈاپسٹ ۱۹۳۵ع -
مصطفیٰ کمال اتاترک مصنفہ توسیوک طبع پریگ ۱۹۳۵ع -
کویفے دیر و یلتوپو لیتیک مصنفہ ڈبلو - ڈٹمین طبع ایسن ۱۹۳۶ع
مصطفیٰ کمال پاشا مصنفہٗ انوار المرابط طبع دمشق ۱۹۳۶ع -
مشرق وسطیٰ کی عظیم شخصیتیں (صفحات ۱۴۷ تا ۳۳۸ متعلق مصطفیٰ کمال) مصنفہ جے - ڈبلو - ہال طبع نیویارک ، لندن ۱۹۳۶ع -
کمال اتاترک مصنفہ محمد توفیق طبع قاہرہ ۱۹۳۶ع -
ٹروئس ہومز ، روز ویلٹ ، مسولینی ،کمال مصنفہ شیرل و ایل کلیرنیس طبع پیرس ۱۹۳۶ع -
کمال اتاترک مصنفہ طامس اے ویدیز طبع ایتھنز ۱۹۳۶ع -
مصطفیٰ کمال ڈکٹیٹر مصنفہ پی - زارا - طبع پیرس ۱۹۳۶ع -
ترک و اتاترک ، مصنفہ عزیز حانکی - طبع قاہرہ ۱۹۳۷ع -
'کمال اتاترک——اُس مرد مجاہد کی داستان جس نے ترکیہٗ جدید کی بنیاد ڈالی' مصنفہ کے - کینر طبع نیویارک ، لندن ۱۹۳۷ع -
کمال اتاترک مصنفہ محمد صبیح ، طبع قاہرہ ۱۹۳۰ع -
کمال اتاترک مصنفہ ایچ - میازگ طبع فرینکفورٹ ۱۷ ، مین ۱۹۳۷ع -
البطل مصطفیٰ کمال مصنفہ مصطفیٰ الحفناوی طبع قاہرہ ۱۹۳۷ع -
اتاترک بانی ترکیہٗ جدید مصنفہ جی - ٹونگاس طبع پیرس ۱۹۳۷ع -
کمال اتاترک مترجمہ محمد توفیق و اسماعیل فردوسی فارسی ترجمہ از عربی - طبع تہران ۱۳۱۷ھ شمسی مطابق ۱۹۳۸ع -

اتاترک مصنفہ سی چیمبرون طبع پیرس ۱۹۳۹ع -
کمال اتاترک مصنفہ او - لوب و ای - شیفر طبع لیپزگ ۱۹۳۹ع -
کمال اتاترک بانی ترکیۂ جدید مصنفہ ٹومگ ، طبع بلغراد ۱۹۳۹ع -
اتاترک اور ترکیۂ جدید کی حقیقی کیفیت مصنفہ جی - ٹونگاس و ایف - طبع لندن رنڈ ۱۹۳۹ع -
سوانح عمری اتاترک مصنفہ زنگ شن طبع شنگھائی ۱۹۳۹ع -

۴ - یادداشتیں

به زبان ترکی

جنگ عظیم میں اقدامات افواج عثمانیہ کی مختصر تاریخ—محاربات گیلی پولی ، فصل اول ، طبع استنبول ۱۹۲۲ع -
اعلیٰحضرت غازی پاشا کے تعلیمی اصول نیز تعلیم جدید و تربیت مصنفہ مصطفیٰ رحمی (بلابن) طبع انقرہ ۱۹۲۳ع -
حاکمیت ملیہ کی سیدھی راہ اور اصول حاکمیت کی درجہ بندی ، تجزیہ اور توجیہ طبع انقرہ ۱۹۲۳ع -
ترکیہ کی جنگ آزادی کا مغربی محاذ مصنفہ جودت کریم طبع استنبول ۱۹۲۵ع -
ترکوں کی جد و جہد آزادی پر خطبات مولفہ جودت کریم طبع استنبول ۱۹۲۷ع -
برق انداز دستۂ فوج کی تقدیر مصنفہ سیدت (دوغرور) طبع استنبول ۱۹۲۷ع -
ترکیۂ جدید کیسے وجود میں آیا مصنفہ ایچ آرم اسٹرونگ مترجمہ عمر رضا دوغرول طبع استنبول ۱۹۲۸ع -
جنگ عظیم میں ترکوں کی لڑائی مصنفہ ایم لارچر مترجمہ محمد نہات جلد دوم و سوم طبع استنبول ۱۹۲۸ع -
ترکیہ میں جمہوری اصلاحات مصنفہ محمد صفت اینجن طبع استنبول ۱۹۲۸ع -
مہم اناطولیہ میں افواج یونان کی تباہی مصنفہ ایندری و حسین رحمی طبع استنبول ۱۹۳۲ع -
انجمن تاریخ ترکیہ، تاریخ ، جلد چہارم (جمہوریۂ ترکیہ) طبع استنبول

۱۹۳۲ع -
عظیم ترکی اسمبلی اور اصلاحات مصنفہ نشاط خلیل (اتائے) طبع انقرہ ۱۹۳۳ع -
غازی اور اصلاحات مصنفہ علی رضا (سیفی اوغلو) طبع استنبول ۱۹۳۳ع -
ترکوں کی جنگ آزادی میں انونو کی پہلی لڑائی مصنفہ صلاح الدین اتاشو طبع استنبول ۱۹۳۳ع -
ترکوں کی جنگ آزادی میں انونو کی دوسری لڑائی مصنفہ صلاح الدین اتاشو طبع استنبول ۱۹۳۳ع -
دولت جمہوریہ ترکیہ اور اس کے خالق مصطفٰی کمال مصنفہ سوات تحسین ترک طبع استنبول ۱۹۳۳ع -
دولت ترکیہ جدید کی خارجہ پالیسی مصنفہ یوسف (حکمت بایور) طبع استنبول ۱۹۳۴ع -
معرکہ گیلی پولی و آری برونی اور ۲۷ رجمنٹ مصنفہ شفیق آکیر طبع استنبول ۱۹۳۵ع -
انقرہ—ترکیہ کی نشأۃ ثانیہ کا آئینہ دار مصنفہ بشف برہان بیلجی طبع انقرہ ۱۹۳۶ع -
کمالیت مصنفہ شرف ایکوت طبع استنبول ۱۹۳۶ع -
کمالیت مصنفہ تکین الپ طبع استنبول ۱۹۳۶ع -
جنگ آزادی ۱۹۲۰ع مطابق ۱۳۳۶ھ میں - مصنفہ نظمی مالکوچ -
تین شیر مرد—کمال اتاترک، روزویلٹ اور مسولینی مصنفہ شیرل مترجمہ جمیل بکر مین طبع استنبول ۱۹۳۷ع -
آج کا ترکیہ مصنفہ اسٹیفن رونارٹ مترجمہ بی ٹی شامان طبع استنبول ۱۹۳۷ع -
کمالی اصلاحات کے اصول مصنفہ ایم صفت اینجن طبع استنبول ۱۹۳۸ع -
ترکی اصلاحات کے پہلو مصنفہ پیام صفا طبع استنبول ۱۹۳۸ع -
اتاترک کے دو پہلو مصنفہ برہان جاہد مورکیہ طبع استنبول ۱۹۳۹ع
تاریخ جنگ عظیم (معرکہ گیلی پولی) مصنفہ سی- ایس اسپینال اوگلینڈر مترجمہ طاہر طونے طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

گیلی پولی جلد اول و دوم مصنفہ سی ایس اسپینال اوگلینڈر مترجمہ ایم حلوشی طبع استنبول ۱۹۴۰ع -
اتاترک کا انقلاب مصنفہ محمود اسات بوزکرت طبع استنبول ۱۹۴۰ع -
کمال اتاترک کون تھے ؟ کمالیت کیا ہے ؟ شائع کردۂ تصویر استنبول ۱۹۴۳ع -
قومی جد و جہد کی روح مصنفہ صمد آغا اوغلو - طبع دوم مع ضمیمہ جات استنبول ۱۹۴۴ع -
سیواس کانگریس مصنفہ وہبی جم اشکون طبع سیواس ۱۹۴۵ع -
قومی جد و جہد میں ارض روم کا حصہ مصنفہ جواد درسن اوغلو طبع انقرہ ۱۹۴۶ع -
جنرل ایٹیلا سے اتاترک تک - حصہٗ اول و دوم مصنفہٗ حسن جمیل چمپل طبع استنبول ۱۹۴۸ع -

۵ - متفرق ماخذ

عوام کا قومی دور حکومت مصنفہ احمد حمدی (بشر) طبع استنبول ۱۹۲۲ع -
ہماری معاشیات کے اصول—از میر کی اقتصادی کانگریس کی قراردادیں طبع انقرہ ۱۹۲۳ع -
ترکیہ کی جنگ آزادی مصنفہ لہان وان سانڈرس (غیر ملکی اقتباسات) نمبر ۱۵۴ طبع انقرہ ۱۹۲۳ع -
اعلیٰ حضرت غازی مصطفیٰ کمال پاشا ازمیر کی شاہراہ پر طبع انقرہ ۱۹۲۳ع -
سفر بروسہ طبع استنبول ۱۹۲۳ع -
دملو پنار (شائع کردۂ نظامت عمومی مطابع) طبع انقرہ ۱۹۲۴ -
صدر جمہوریہ اعلیٰ حضرت غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا موسم خزاں کا سفر طبع انقرہ ۱۹۲۵ع -
ترکیہ کی اصلاحات کی اہمیت اور انداز مصنفہٗ انور ضیا قرل طبع استنبول ۱۹۳۷ع -
اصلاحات قانونی کا خاکہ شائع کردہ وزارت عدل طبع استنبول ۱۹۳۷ع -

اتاترک

اتاترک کی وفات پر عالمی اخبارات کا تبصرہ مؤلفہ عدنان اونباشی اوغلو طبع ازمیر ۱۹۳۸ع -

اتاترک دیار بکر میں مصنفہ قدری کمال کوپ طبع استنبول ۱۹۳۸ع -

ہمارے تاریخی اور لسانی موضوعات کی بعض ضروری تشریحیں مصنفہ ایچ آر تنکوت طبع استنبول ۱۹۳۸ع -

مرگ اتاترک شائع کردہ نظامت عمومی مطابع و نشریات استنبول ۱۹۳۸ع -

ہمارا عظیم ترین نقصان مطبوعۂ استنبول ۱۹۳۸ع -

انیس سال ہوئے آج کے دن اتاترک انقرہ میں وارد ہوئے تھے شائع کردہ انقرہ پیپل ہاؤس ۱۹۳۸ع -

جمہوریۂ ترکیہ غیروں کی نظر میں مطبوعۂ انقرہ ۱۹۳۸ع

اتاترک اور تاریخی موضوع مشمولۂ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۲۴۳ تا ۲۴۶ مصنفہ عفت انان طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

اتاترک مشمولہ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۲۴۷ تا ۲۶۸ مصنفہ حکمت بایور طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

اتاترک اور تاریخ مشمولہ بلیٹن نمبر ۱۰ صفحات ۱۶۹ تا ۲۷۲ مصنفہ حسن جمیل چمیل طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

اتاترک (ملٹری ریویو کی اشاعت خصوصی نمبر ۱۱۴) طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

ان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا اور کہا گیا شائع کردۂ فاتح پیپل ہاؤس طبع استنبول ۱۹۳۹ع -

ان فوجوں کا تاریخ وار مختصر بیان جو جنگ عظیم میں اعلیٰحضرت غازی مصطفیٰ کمال کے زیر کمان رہیں (نمبر ۱۹ ڈویژن کی معرکہ آرائیوں کے آغاز سے) شائع کردہ جنرلکرے جنرل سٹاف انقرہ ۱۹۳۹ع -

ترکیہ کی اصلاحات کی تاریخ وار تفصیل مرتبہ گوتھارڈ جاشکے مترجمۂ نیازی ریسپ اکسو ، فصل اول و دوم طبع استنبول ۱۹۳۹ع تا ۱۹۴۱ع -

کتابیات متعلقہ اتاترک مرتبہ ہربرٹ میلزک طبع انقرہ ۱۹۴۱ع -

اتاترک کی انقرہ میں آمد مصنفہ فائق رشید انات مشمولۂ تاریخی دستاویزات نمبر ۱۰ صفحہ ۲۴۱ تا ۲۵۲ طبع استنبول ۱۹۴۲ع -

ترکیۂ جدید کی سیاسی کتابیات مرتبہ ہربرٹ میلزک طبع استنبول ۱۹۴۴ع -

اتاترک پر خطبات مرتبہ عفت انان و انور ضیا قرال طبع انقرہ ۱۹۴۶ع -

اتاترک اور ترکی اصلاحات کی کتابیات مرتبہ فائق رشید اونات طبع استنبول -

صالح اوسور طاق ، حسن عالی یوجیل ،
احسان صونغو ، انور ضیا قرال
فائق رشید اونات ، انور سوکمن ،
اولوغ ایکدمیر

اتاترک کی زندگی کے خاص واقعات

(تاریخی ترتیب سے)

۱۸۸۱ع	: مصطفیٰ سالونیکا میں پیدا ہوئے[۱] -
۱۸۸۶ع : اور ۱۸۹۳ع	: کے درمیان مصطفیٰ کے والد کا انتقال ہوا -
۱۸۹۳ع	: مصطفیٰ سالونیکا کے ابتدائی فوجی سکول میں داخل ہوئے - یہیں اُن کے استاد نے (کہ اُن کا نام بھی مصطفیٰ تھا) اُنھیں مصطفیٰ کمال کا خطاب دیا -
۱۸۹۵ع	: مصطفیٰ کمال سالونیکا کے ابتدائی فوجی سکول کی تعلیم سے فارغ ہوتے اور مناستر (بتولجا) کے فوجی ہائی سکول میں داخل ہوتے ہیں -
۱۳ مارچ ۱۸۹۹ع	: مصطفیٰ کمال مناستر فوجی ہائی سکول سے گریجویٹ بن کر نکلتے اور استنبول کے فوجی کالج کے پیدل فوج کے شعبے میں داخل ہوتے ہیں -
۱۹۰۲ع	: مصطفیٰ کمال ملٹری کالج سے گریجویٹ کی سند لیتے اور جنرل سٹاف کالج میں جاتے ہیں -
۱۱ جنوری ۱۹۰۵ع	: مصطفیٰ کمال جنرل سٹاف کالج سے گریجویٹ ہو کر سٹاف کیپٹن کا عہدہ لیتے ہیں - اُن کا تقرر نمبر ۵ آرمی میں ہوتا ہے جس کا مرکز دمشق تھا -
۱ کتوبر ۱۹۰۶ع	: مصطفیٰ کمال اور ان کے دوست دمشق میں ''وطن و حریت'' کے نام سے خفیہ انجمن قائم کرتے ہیں -

---

۱ - اس مقالے میں مصطفیٰ کمال کی تاریخ ولادت درج نہیں ہے - مؤلفوں نے صرف سال ولادت لکھا ہے - لیکن کے - اے حمید نے اپنی اردو تالیف ''اتاترک'' مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ع میں تاریخ ولادت ۱۲ مارچ درج کی ہے -

۲۰ جون ۱۹۰۷ء	: مصطفیٰ کمال ایڈجوٹنٹ میجر کے عہدے پر ترقی پاتے ہیں۔
ستمبر ۱۹۰۷ء	: مصطفیٰ کمال کا تبادلہ نمبر ۳ آرمی میں ہوتا ہے اور وہ سالونیکا چلے جاتے ہیں۔
۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء	: ۳۱ مارچ والی بغاوت کے بعد مصطفیٰ کمال ''ضرب زن'' فوج کے چیف آف سٹاف بن کر استنبول کو روانہ ہوتے ہیں۔
۶ ستمبر ۱۹۰۹ء	: مصطفیٰ کمال بہ مقام سالونیکا نمبر ۳ آرمی میں تربیت افسران پیدل فوج کے ناظم (کمانڈار) مقرر کیے جاتے ہیں۔ اسی سال ایڈجوٹنٹ میجر کے عہدے میں نمبر ۳۸ پیدل رجمنٹ کے کمانڈار مقرر ہوتے ہیں۔
۱۹۱۰ء	: محمود پاشا کے چیف آف سٹاف کی حیثیت سے آپ محاربات البانیہ میں حصہ لیتے ہیں۔
۱۳ ستمبر ۱۹۱۱ء	: تبدیل ہوکر استنبول کے جنرل سٹاف میں تعینات ہوتے ہیں۔
۲۷ نومبر ۱۹۱۱ء	: مصطفیٰ کمال میجر کے عہدے پر ترقی پاتے ہیں۔
۹ جنوری ۱۹۱۲ء	: مصطفیٰ کمال لیبیا میں طبروق پر حملہ کر کے فتح پاتے ہیں۔
۲۵ نومبر ۱۹۱۲ء	: بحیرۂ روم کی آبناؤں کی خصوصی فوجوں کے ناظم محاربات مقرر کیے جاتے ہیں۔
۲۷ اکتوبر ۱۹۱۳ء	: مصطفیٰ کمال صوفیہ میں فوجی معاون (اٹیچی) مقرر ہوتے ہیں۔
یکم مارچ ۱۹۱۴ء	: لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی پاتے ہیں۔
۲ فروری ۱۹۱۵ء	: مصطفیٰ کمال تکیر داغ میں نمبر ۱۹ ڈویژن کی تشکیل شروع کرتے ہیں۔ ۲۵ فروری کو یہ کام مکمل کر کے میڈوز کو روانہ ہوتے ہیں۔
۲۵ اپریل ۱۹۱۵ء	: اتحادی فوجیں بہ مقام آری برونی اُترتی ہیں۔ مصطفیٰ کمال اپنے ڈویژن کے ذریعے انھیں بڑھنے سے روکتے ہیں۔

یکم جون ۱۹۱۵ء	: ترقی پا کر کرنل بنتے ہیں -
۸ - ۹ اگست ۱۹۱۵ء	: مصطفیٰ کمال انا فارتلر گروپ کے کمانداد مقرر ہوتے ہیں -
۱۰ اگست ۱۹۱۵ء	: مصطفیٰ کمال اتحادی فوجوں پر حملہ کر کے خود اُس کی قیادت کرتے ہیں اور اتحادیوں کو محاذ انا فارتلر پر شکست دیتے ہیں -
۱۴ جنوری ۱۹۱۶ء	: مصطفیٰ کمال ادرنہ میں نمبر ۱۶ کور کی کمان سنبھالتے ہیں -
یکم اپریل ۱۹۱۶ء	: مصطفیٰ کمال برگیڈیر جنرل کے عہدے پر ترقی پاتے ہیں -
۶ - ۷ اگست ۱۹۱۶ء	: مصطفیٰ کمال بطلس اور موش کے قلعے دشمن سے واپس لیتے ہیں -
۵ مارچ ۱۹۱۷ء	: مصطفیٰ کمال نمبر ۲ آرمی کے نائب کماندار مقرر ہوتے ہیں - (۱۳ مارچ کو مستقل کماندار مقرر کیے جاتے ہیں) -
۵ جولائی ۱۹۱۷ء	: مصطفیٰ کمال نمبر ۷ آرمی کے کماندار مقرر ہوتے ہیں -
۲۰ ستمبر ۱۹۱۷ء	: نمبر ۷ آرمی کے کماندار کی حیثیت سے ملک اور فوج کی حالت کے متعلق اپنی مشہور روداد لکھتے ہیں -
اکتوبر ۱۹۱۷ء	: مصطفیٰ کمال نمبر ۷ آرمی کی کمانداری ترک کرکے استنبول واپس آتے ہیں -
۱۵ دسمبر ۱۹۱۷ء	: ولی عہد شاہزادہ وحید الدین کے ہمرکاب جرمنی تشریف لے جاتے ہیں - (۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو واپس آتے ہیں) -
۷ اگست ۱۹۱۸ء	: فلسطین میں دوبارہ نمبر ۷ آرمی کے کماندار مقرر کیے جاتے ہیں -
۲۶ اکتوبر ۱۹۱۸ء	: نمبر ۷ آرمی کے بعض یونٹوں کی کمانداری کر کے مصطفیٰ کمال حلب سے شمال کی جانب دشمن کا حملہ روک لیتے ہیں - یہی وہ مقام ہے جہاں آج

ترکیہ کی جنوبی سرحد قائم ہے۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۸ء : مصطفیٰ کمال فوجوں کے برق انداز گروپ کے کمان دار مقرر کیے جاتے ہیں۔

۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء : فوجوں کے برق انداز گروپ کی کمان توڑ دی جاتی ہے۔ مصطفیٰ کمال استنبول میں واپس آتے ہیں۔

۳۰ اپریل ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال وسیع اختیارات کے ساتھ نمبر۹ آرمی کے انسپکٹر مقرر کیے جاتے ہیں۔ ارض روم اس آرمی کا مرکز تھا۔ ۱۵ جون ۱۹۱۹ء کو اس عہدے کا نام ''نظارت نمبر ۳ آرمی'' رکھا جاتا ہے۔

۱۹ مئی ۱۹۱۹ء : استنبول سے ۱۶ مئی کو روانہ ہوکر مصطفیٰ کمال بندرگاہ صمصون میں اُترتے ہیں۔

۲۱-۲۲ جون ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال اماسیہ سے ایک گشتی مراسلہ جاری کر کے قومی فوجوں کو سیواس کی کانگریس میں مدعو کرتے ہیں تاکہ مشترکہ قومی مقصد کے لیے متحدہ تنظیم قائم کی جائے۔

۸ جولائی ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال نمبر ۳ آرمی کی نظارت اور فوجی ملازمت سے استعفا دیتے ہیں۔

۲۳ جولائی ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال ارض روم کانگریس کے صدر چنے جاتے ہیں۔

۴ ستمبر ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال سیواس کانگریس کے صدر منتخب ہوتے ہیں۔

۱۱ ستمبر ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال انجمن تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کی مجلس قائمہ کے صدر منتخب ہوتے ہیں۔

۷ نومبر ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال ارض روم کے نمائندے منتخب کیے جاتے ہیں (عظیم قومی اسمبلی کے پہلے سیشن کے انتخابات نیز انتخابات مابعد میں وہ انقرہ کے نمائندے منتخب کیے گئے۔)

۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء : مصطفیٰ کمال مجلس قائمہ کے ہمراہ انقرہ میں

پہنچتے ہیں -

۱۶ مارچ ۱۹۲۰ء : مصطفیٰ کمال تمام غیر ملکی حکومتوں اور اُن کی پارلیمنٹ کے نام اتحادی طاقتوں کے خلاف یہ احتجاجی مراسلہ بھیجتے ہیں کہ اتحادیوں نے استنبول پر قبضہ جما رکھا ہے - انقرہ میں قومی اسمبلی کے انعقاد کی تیاریاں کرتے ہیں -

۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء : مصطفیٰ کمال انقرہ میں ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کا افتتاح کرتے ہیں - (۲۴ اپریل کو موصوف اسمبلی کے صدر چنے جاتے ہیں) -

۱۱ مئی ۱۹۲۰ء : استنبول کی حکومت مصطفیٰ کمال کے قتل کا حکم جاری کرتی ہے (۲۴ مئی کو سلطان وحید الدین اس حکم کی توثیق کر دیتے ہیں)

۱۳ ستمبر ۱۹۲۰ء : مصطفیٰ کمال 'عوامیت' کا پروگرام مرتب کرتے ہیں جو عظیم قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے -

۱۰ مئی ۱۹۲۱ء : مصطفیٰ کمال عظیم قومی اسمبلی میں تحفظ حقوق اناطولیہ و رومیلیہ کی جماعت بناتے ہیں اور صدر جماعت منتخب ہوتے ہیں -

۵ اگست ۱۹۲۱ء : عظیم قومی اسمبلی مصطفیٰ کمال کو کمانڈر انچیف مقرر کرتی ہے -

۲۳ اگست ۱۹۲۱ء : جنگ سقاریہ شروع ہوتی ہے جس میں مصطفیٰ کمال ترکی فوجوں کی قیادت کرتے ہیں - (بائیس دن بائیس رات کے بعد ۱۳ ستمبر کو یہ ہولناک لڑائی ترکوں کی فتح پر ختم ہوتی ہے)

۱۹ ستمبر ۱۹۲۱ء : عظیم قومی اسمبلی مصطفیٰ کمال کو مارشل کا عہدہ اور غازی کا خطاب عطا کرتی ہے -

۲۶ اگست ۱۹۲۲ء : غازی مصطفیٰ کمال کوجاتپہ کی پہاڑی پر سے یونانی فوج پر یلغار کرتے اور اس معرکے میں پیش پیش ہوتے ہیں -

۳۰ اگست ۱۹۲۲ء : غازی مصطفیٰ کمال پاشا دملوپنار کی گھمسان کی

لڑائی میں فتح یاب ہوتے ہیں ۔ (یہ لڑائی معرکہ کمانڈر انچیف کے نام سے مشہور ہے)

۱۰ ستمبر ۱۹۲۲ء : غازی مصطفٰی کمال ازمیر میں داخل ہوتے ہیں ۔

یکم نومبر ۱۹۲۲ء : عظیم قومی اسمبلی غازی مصطفٰی کمال کی یہ تجویز منظور کرتی ہے کہ (خانوادۂ عثمانیہ کی) سلطانی ختم کر دی جائے ۔

۱۴ جنوری ۱۹۲۳ء : مصطفٰی کمال کی والدہ زبیدہ خانم بہ مقام ازمیر فوت ہوتی ہیں ۔

۲۹ جنوری ۱۹۲۳ء : غازی مصطفٰی کمال ازمیر میں لطیفہ خانم سے شادی کرتے ہیں ۔ (یہ شادی ۵ اگست ۱۹۲۵ء کو طلاق پر ختم ہوتی ہے) ۔

۱۷ فروری ۱۹۲۳ء : مصطفٰی کمال ازمیر میں ترکیہ کی پہلی اقتصادی کانگریس کا افتتاح کرتے ہیں ۔

۸ اپریل ۱۹۲۳ء : غازی مصطفٰی کمال اپنے نو نکات (نو اصول) کا اعلان کرتے ہیں ۔

۹ اگست ۱۹۲۲ء : غازی مصطفٰی کمال عوامی پارٹی کی تشکیل کرتے ہیں ۔

۱۱ اگست ۱۹۲۳ء : غازی مصطفٰی کمال دوسری عظیم قومی اسمبلی کے صدر منتخب ہوتے ہیں ۔

۲۹ اگست ۱۹۲۳ء : غازی مصطفٰی کمال جمہوریہ ترکیہ کے پہلے صدر منتخب ہوتے ہیں ۔

یکم مارچ ۱۹۲۴ء : غازی مصطفٰی کمال اس تقریر سے عظیم قومی اسمبلی کا افتتاح کرتے ہیں جس میں یہ تجویز ہوتی ہے کہ خلافت کا منصب ختم کر دیا جائے اور تمام ترکیہ میں یکساں تعلیم رائج کی جائے ۔

۲۴ اگست ۱۹۲۵ء : غازی مصطفٰی کمال پہلی مرتبہ ولایتی ہیٹ پہنتے ہیں ۔ یہ تقریب استنبول میں محلہ ساریبرون (سراغلیو مرکز) میں ہوئی ۔

یکم جولائی ۱۹۲۷ء : غازی مصطفٰی کمال پہلی مرتبہ صدر جمہوریہ کی حیثیت سے استنبول میں تشریف لاتے ہیں ۔

۱۵ تا ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۷ء	: غازی مصطفیٰ کمال جمہوری عوامی پارٹی کی دوسری سبھا (کانگریس) میں اپنی عظیم تاریخی تقریر کرتے ہیں -
یکم نومبر ۱۹۲۷ء	: غازی مصطفیٰ کمال دوسری مرتبہ جمہوریۂ ترکیہ کے صدر منتخب ہوتے ہیں -
۳ نومبر ۱۹۲۷ء	: مصطفیٰ کمال استنبول میں علم النسل کے عجائب گھر کے باہر اپنا پہلا مجسمہ نصب کرواتے ہیں -
۲۰ مئی ۱۹۲۸ء	: امان اللہ خان شاہ افغانستان انقرہ میں مصطفیٰ کمال سے ملاقات کرتے ہیں -
۹ اگست ۱۹۲۹ء	: مصطفیٰ کمال استنبول کے محلۂ ساریبرون میں ترکیہ کے نئے رسم الخط (لاطینی حروف) پر تقریر کرتے ہیں -
۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء	: غازی مصطفیٰ کمال انجمن تاریخ ترکیہ کی بنیاد رکھتے ہیں -
۴ مئی ۱۹۳۱ء	: مصطفیٰ کمال تیسری مرتبہ جمہوریۂ ترکیہ کے صدر منتخب ہوتے ہیں -
۱۲ جون ۱۹۳۲ء	: عراق کے فرماں روا شاہ فیصل انقرہ میں مصطفیٰ کمال سے ملاقات کرتے ہیں -
۱۲ جولائی ۱۹۳۲ء	: غازی مصطفیٰ کمال انجمن زبان ترکی کی بنیاد رکھتے ہیں -
۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء	: یوگوسلاویہ کے فرماں روا شاہ الیگزنڈر انقرہ میں مصطفیٰ کمال سے ملاقات کرتے ہیں -
۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء	: جمہوریۂ ترکیہ کی دسویں سالگرہ پر مصطفیٰ کمال اپنی مشہور تقریر کرتے ہیں (اور یہ جملہ کہتے ہیں کہ "شاد کام ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ترک کہتا ہے!")
۱۶ جون ۱۹۳۴ء	: تاجدار ایران شاہ رضا پہلوی انقرہ میں مصطفیٰ کمال سے ملاقات کرتے ہیں -
۲۴ نومبر ۱۹۳۴ء	: عظیم قومی اسمبلی یہ قانون منظور کرتی ہے کہ غازی مصطفیٰ کمال کو "اتاترک" کا خطاب

عطا کیا جائے۔


یکم مارچ ۱۹۳۵ء	: اتاترک چوتھی مرتبہ جمہوریہ ترکیہ کے صدر منتخب کیے جاتے ہیں۔
۴ ستمبر ۱۹۳۶ء	: برطانیہ عظمیٰ کے تاجدار شاہ ایڈورڈ ہشتم استنبول میں اتاترک سے ملاقات کرتے ہیں۔
۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء	: صدارتی سیکرٹرئیٹ اتاترک کی علالت کے متعلق پہلا اعلامیہ جاری کرتی ہے۔
۱۱ مئی ۱۹۳۸ء	: اتاترک اپنے مزرعے (زراعتی فارم) ترکیہ کے خزانۂ عامرہ کو منتقل کرتے ہیں اور کچھ جائداد بلدیۂ انقرہ کو دیتے ہیں۔
۱۹ جون ۱۹۳۸ء	: رومانیہ کے تاجدار، شاہ کیرول ثانی استنبول میں اتاترک سے ملاقات کرتے ہیں۔
۵ ستمبر ۱۹۳۸ء	: اتاترک اپنا وصیت نامہ قلمبند کرتے ہیں۔ (یہ وصیت نامہ اُن کی موت کے بعد ۲۵ نومبر کو کھولا گیا)۔
۱۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء	: اتاترک کی صحت کے متعلق پہلا طبی روزنامہ جاری ہوتا ہے۔
۱۰ نومبر ۱۹۳۸ء	: اتاترک کا انتقال ہوتا ہے۔
۲۱ نومبر ۱۹۳۸ء	: علم النسل کے عجائب گھر واقع انقرہ میں اتاترک کی میت کو ''امانتاً'' دفن کیا جاتا ہے۔
۲۶ دسمبر ۱۹۳۹ء	: جمہوری عوامی پارٹی کی مہتم بالشان کانگریس فیصلہ کرتی ہے کہ اتاترک کو ''ابدی لیڈر'' کہہ کر پکارا جائے۔
۱۰ نومبر ۱۹۵۳ء	: اتاترک کا تابوت تقدس کے ساتھ نئے مقبرے میں منتقل کیا جاتا ہے۔

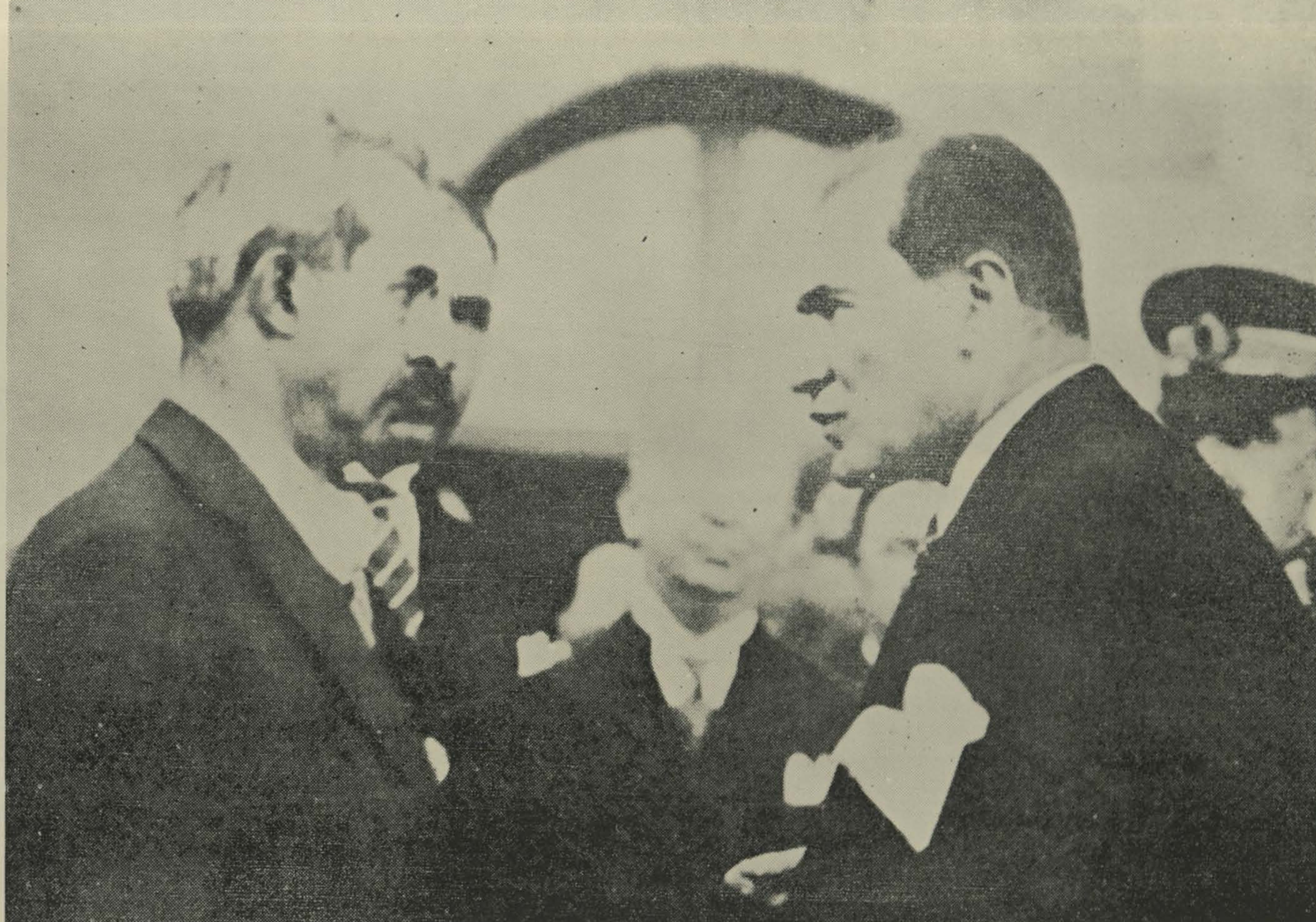
اتاترک کی بعض تصاویر

جنرل لسمو یونانی فوجوں پر یلغار کی صبح کو (۲۶ اگست ۱۹۲۲ء)



دورانِ سفر دیہاتی علاقے کے عوام سے خطاب فرما رہے ہیں -

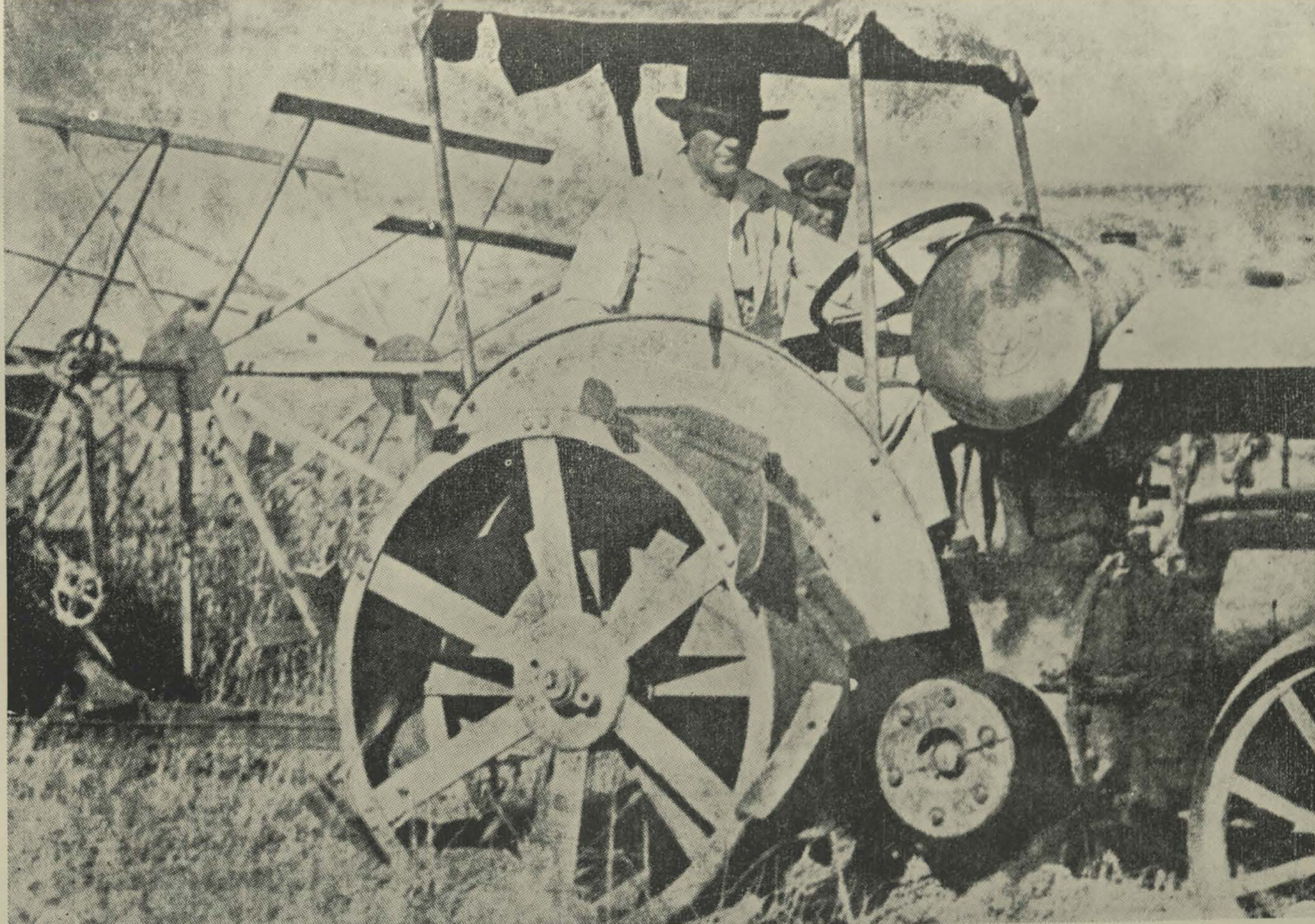




مصطفیٰ کمال ، وزیر اعظم عصمت پاشا سے گفتگو کر رہے ہیں ۔



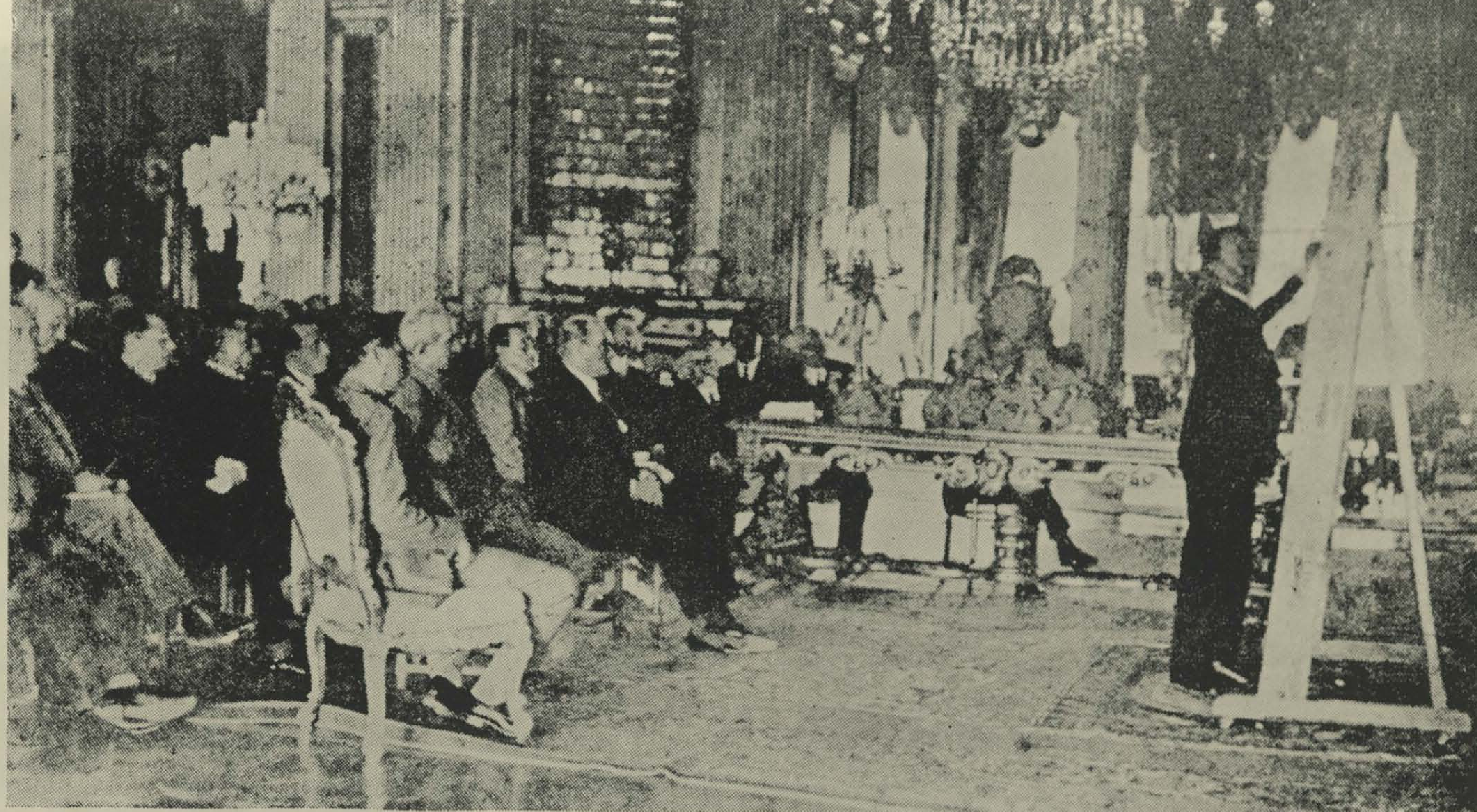
غازی مصطفیٰ کمال پاشا ، ترکیہ کی عظیم قومی اسمبلی کے صدر ۔



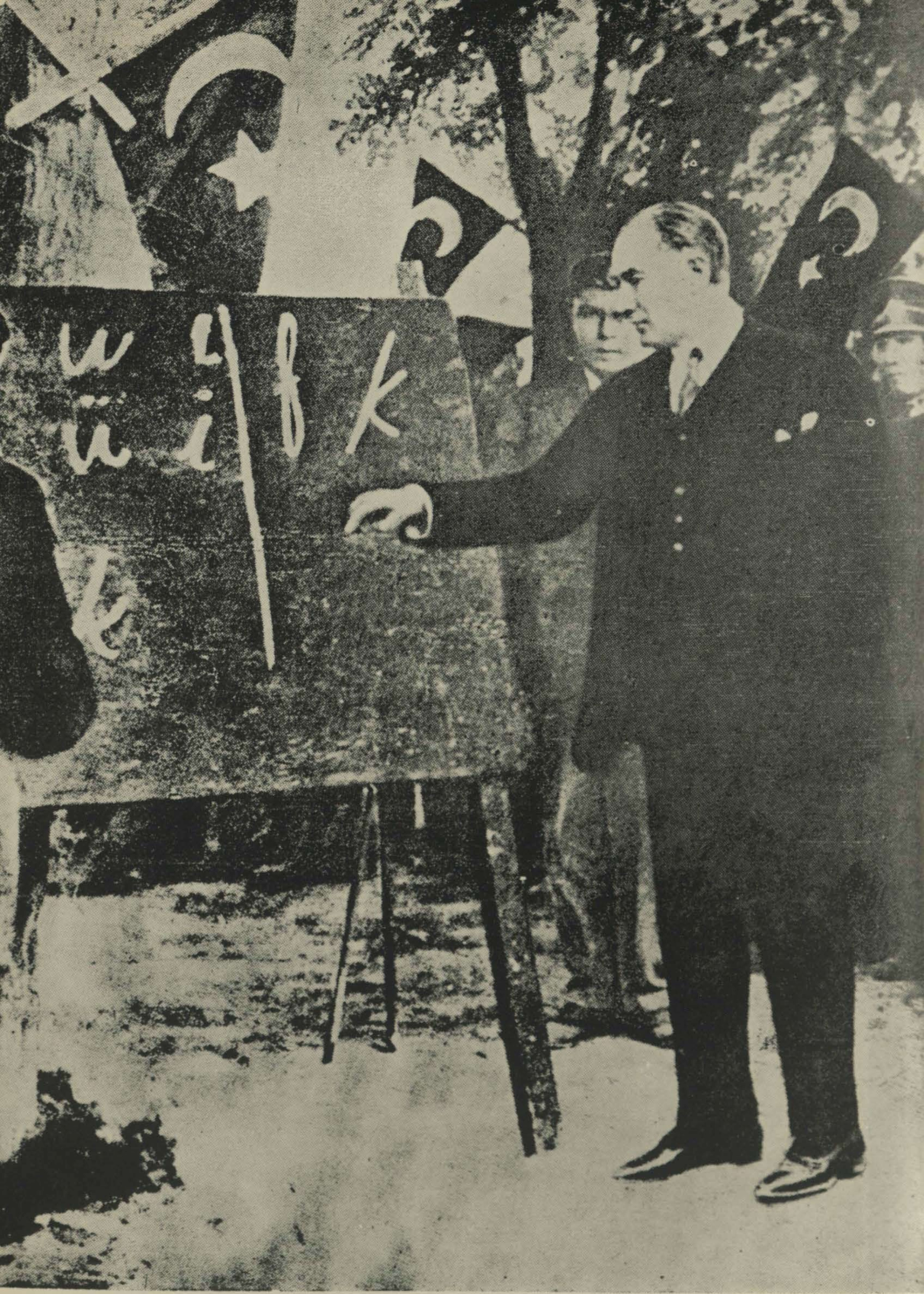
انقرہ کے قریب مثالی مزرعہ (ماڈل فارم) پر زراعتی مشین کا معائنہ کر رہے ہیں۔
اس مشین کا نام موصوف کے نام پر رکھا گیا ہے۔



ترکیہ کے یوم جمہوریہ کی تقریب پر بحیثیت صدر۔



قصر دولما باغیچہ میں لاطینی رسم الخط اختیار کرنے کے متعلق تقریر کرتے ہوئے (۱۹۲۸ء)



عوام کو لاطینی حروف سکھا رہے ہیں ۔



کسی ادارے کے رجسٹر میں اپنے تاثرات درج کر رہے ہیں ۔



استنبول یونیورسٹی کے طلباء کے ساتھ ۔




کسی تفریحی سفر کے دوران میں


سب سے آخر کی ایک تصویر



انقرہ میں اتاترک کا مقبرہ جہاں یہ ” جانِ بے تاب “ محوِ خوابِ ابد ہے۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود



سن ...

...یخ عبدالرشید

...ظر حسن زیدی

...دارے تہران نے ایران ، پاکستان ...در ہستیوں کی حیات و تعلیمات کو ...شائع کرنے کا پروگرام وضع کیا ہے جن ... فیضان باطنی سے اس منطقے کے لوگوں کو ...نیا کو بالعموم فیضان پہنچا ہے ۔ پاکستان ...ین کڑی کے لیے سید ہجویری حضرت شیخ ... بخش علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات کو مشعلِ راہ ...ب کیا ہے ۔

... کے مصنف شیخ عبدالرشید صاحب نے حضرت ...تا گنج بخش کی تصنیف کشف المحجوب کے اصلی فارسی نسخے کو ... تحقیقی مقالے کی بنیاد بنایا ہے اور پیر ہجویر کے ارشادات ، ان کی تعلیمات اور راہ سلوک میں ان کے واردات قلبی کو موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔ فاضل مصنف نے بڑے سلیقے سے حضرت داتا گنج بخش کے فلسفۂ تصوف اور روز مرہ زندگی سے اس کے گہرے رابطے پر روشنی ڈالی ہے ۔ عصر حاضر کے متجسس قاری کے بہت سے سوالوں کا جواب اس کتابچے میں ملے گا اور وہ تمام اندیشے جو مختلف روپ ڈھال کر اس کے ذہن میں ابھرتے ہیں اس مضمون کے مطالعے سے بڑی حد تک رفع ہو جائیں گے ۔

صفحات ۵۲ ، کاغذ آرٹ پیپر مع تصاویر ۔ سرورق دیدہ زیب
قیمت صرف ایک روپیہ

علاقائی ثقافتی ادارہ (تہران)

مغربی پاکستان شاخ

۳۶ ۔ جی ۔ گلبرگ ، لاہور

سرورق مطبوعہ : مکتبۂ جدید پریس ، لاہور